ماہنامہ
حنا
دسمبر 2012
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
www.paksociety.com

اسلامیات

انشاء نامہ

انٹرویو

ناولٹ

مستقل سلسلے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! دسمبر 2012ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

یہ سال 2012ء کا آخری شمارہ ہے، اس کے ساتھ ہی 2012ء ماضی کا حصہ بن جائے گا، اگر ہم اس سال پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سال میں عوام کی حالت پہلے سے بدتر ہو گئی ہے، معشیت تباہ ہوئی ہے، امن وامان کی صورتحال گزشتہ سالوں کے مقابلے میں ابتر ہے، زندگی کے ہر شعبے میں عام آدمی کو مشکلات کی ایسی دلدل میں دھکیل دیا گیا ہے کہ اس کا بچنا ناممکن نظر آ رہا ہے، عوامی مسائل کے حل کی طرف حکومت کی کوئی توجہ نہیں ہے، حکومت کی پوری توجہ اپنا اقتدار بچانے پر ہے، عوام ان کے حقوق ان کے مسائل اور ان کی مشکلات کا حل حکومت کی ترجیحات میں شامل ہی نہیں ہے، وہ پہلے دن سے ہی پانچ سال پورے کرنے کے چکر میں ہے حالانکہ کسی بھی حکومت کی پہلی ترجیح عوام کی مشکلات کا حل ہوتا ہے حکومت وہی کامیاب ہوتی ہے جو عوام دوست ہو، جو اپنی رعایا کو درپیش مسائل کو حل کرے، ایسے اقدامات کرے کہ عام آدمی اپنے آپ کو مطمئن اور آسودہ محسوس کرے، اس پیمانے پر ناپا جائے تو موجودہ حکومت بری طرح ناکام ہے یہ سارا مسئلہ احساس کا ہے ارباب اقتدار کا احساس اس لئے مردہ ہو گیا ہے کہ ان کو یقین ہے کہ عوام عزت نفس کے احساس سے محروم ہیں، ہم اپنے بنیادی حقوق پر ہر ڈاکہ برداشت کر لیتے ہیں اور ہر ذلت سہہ لیتے ہیں مگر اپنے حقوق کے لئے آواز نہیں اٹھاتے، اب اگلا سال انتخابات کا سال ہے اور اگر اب بھی ہم نے اپنے حقوق اور اپنی مشکلات کے حل کے لئے آواز نہ اٹھائی اور اپنے حق پر ڈاکہ ڈالنے والوں کو ووٹ دیئے تو ہمارا خدا ہی حافظ ہے۔

<u>سالگرہ نمبر:</u>۔ جنوری کا شمارہ ''سالگرہ نمبر'' ہوگا آپ سے گزارش ہے کہ سالگرہ نمبر کے حوالے سے اپنی تحریریں پندرہ دسمبر تک بھجوا دیں۔

<u>اس شمارے میں:</u>۔ اداکارہ جگن کاظم سے ملاقات، مصباح نوشین کا مکمل ناول، سندس جبیں اور صبا احمد کے ناولٹ، عمارہ حامد، حمیرا ارباب، سحر شیخ، نظارت نصر، شائستہ ساجد اور سباس گل کے افسانے، فوزیہ غزل اور ام مریم کے سلسلے وار ناول کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد

اندھیرے چیر کر ان میں اجالا تُو ہی کرتا ہے
ہر ایسا کام اے اللہ تعالیٰ تُو ہی کرتا ہے

شکستِ فاش دیتا ہے ہمیشہ تُو ہی باطل کو
ہر اِک موقع پہ حق کا بول بالا تُو ہی کرتا ہے

جہاں میں وقت پیدائش سے لے آخری دم تک
ہر انسان اور ہر حیوان کو پالا تُو ہی کرتا ہے

بسا اوقات ہم مایوس ہو جاتے ہیں گھبرا کر
ہر ایسے وقت میں مشکل کو ٹالا تُو ہی کرتا ہے

ہمارے دل اندھیروں میں بھٹک جاتے ہیں جب یارب
تو ان سے دور گمراہی کا جالا تُو ہی کرتا ہے

مسلمان ہوں اگر کمزور اور کفار طاقت ور
تو اعدا کے دلوں میں رعب ڈالا تُو ہی کرتا ہے

زمیں پر گل شگفتہ، آسماں پر نجم رخشندہ
ہے یہ کام تیرے کرنے والا، تُو ہی کرتا ہے

جو تو چاہے تو پتھر میں بھی کیڑے کو غذا بخشے
یہ ایسا کام انوکھا اور نرالا تُو ہی کرتا ہے

یہ بزمی اور اس جیسے کروڑوں ہی بشر ہونگے
بچا کر جن کو گرنے سے سنبھالا تُو ہی کرتا ہے

خالد بزمی

نعت

جب نظر کے سامنے روضہ کا منظر آئے گا
خود بخود میری زباں پر ذکرِ سرورؐ آئے گا

دیکھنا ہے سایۂ احمدؐ تو دیکھو عرش پر
آسماں کا سایہ آخر کیوں زمیں پر آئے گا

مجھ کو نسبت ہے محمدؐ سے نہیں دُنیا کا خوف
مجھ سے ٹکرائی تو گردش کو بھی چکر آئے گا

تیرگی کو کاٹ دے گی جنبشِ نوکِ قلم
روشنی کے ہاتھ میں کرنوں کا خنجر آئے گا

آنکھ میں بھر لوں گا میں تو شربتِ دیدار کو
جام بھرنے جب میرا ساقیؐ کوثر آئے گا

میں ہوں مداحِ نبیؐ ممکن نہیں مجھ کو زوال
دیکھنا کس اوج پر میرا مقدر آئے گا

جس کے دل میں آئے گا کوکبؔ محمدؐ کا خیال
بخت کی تاریکیوں میں مثلِ خاور آئے گا

کوکب منظر خان

☆☆☆

سید اختر ناز

ممانعت

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے مقام بقیع میں دوسرے کو پکارا۔

''اے ابوالقاسم!''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُدھر دیکھا تو وہ شخص بولا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں پکارا تھا بلکہ فلاں شخص کو پکارا تھا (اس کی کنیت بھی ابوالقاسم ہوگی)۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''میرے نام سے نام رکھو مگر میری کنیت کی طرح کنیت مت رکھو۔''

(مسلم)

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے ساتھ نام رکھنا

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔

''ہم میں سے ایک شخص کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور اس نے اس کا نام محمد رکھا۔'' لوگوں نے کہا۔

''ہم تجھے کنیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے نہیں رکھیں گے، (یعنی تجھے ابومحمد نہیں کہیں گے) جب تک تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت نہ لے۔''

وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

''میرا ایک لڑکا پیدا ہوا ہے تو میں نے اس کا نام محمد رکھا تو میری قوم کے لوگ اس نام کی اجازت، مجھے دینے سے انکار کرتے ہیں (جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت نہ دیں)۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت نہ رکھو کیونکہ میں قاسم ہوں، میں تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں (دین کا علم اور مال غنیمت وغیرہ)۔''

(مسلم)

اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین نام

سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تمہارے ناموں میں سے بہترین نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہیں، عبداللہ اور عبدالرحمٰن۔''

بچے کا نام عبدالرحمٰن رکھنا

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص کے لڑکا پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام قاسم رکھا تو ہم لوگوں نے کہا کہ تجھے ابوالقاسم کنیت نہ دیں گے اور تیری آنکھ ٹھنڈی نہ کریں گے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور یہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اپنے بیٹے کا نام عبدالرحمٰن رکھو۔''

(مسلم)

ہاتھ پھیرنا اور اس کے لئے دعا کرنا

عروہ بن زبیر اور فاطمہ بنت منذر بن زبیر سے روایت ہے کہ ان دونوں نے کہا کہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا (مکہ سے) ہجرت کی نیت سے اس وقت نکلیں تو ان کے پیٹ میں عبداللہ بن زبیر تھے، جب وہ قبا میں آکر اتریں تو وہاں سیدنا عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے، پھر انہیں لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو گھٹی دیں، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے لے لیا، اپنی گود میں بٹھایا پھر ایک کھجور منگوائی، ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ہم ایک گھڑی تک کھجور ڈھونڈتے رہے۔

آخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور کو چبایا پھر (اس کا جوس) ان کے منہ میں ڈال دیا تو پہلی چیز جو عبداللہ کے پیٹ میں پہنچی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لعاب تھا، سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لئے دعا کی اور ان کا نام عبداللہ رکھا اور جب وہ سات یا آٹھ برس کے ہوئے تو سیدنا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشارے پہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کے لئے آئے تو جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آتے دیکھا تو تبسم فرمایا پھر ان سے (برکت کے لئے) بیعت کی، (کیونکہ وہ کمسن تھے)۔

عبداللہ نام رکھنا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ابوطلحہ کا ایک لڑکا بیمار تھا تو سیدنا ابوطلحہ باہر گئے ہوئے تھے، وہ لڑکا مر گیا، جب وہ لوٹ کر آئے تو انہوں نے پوچھا۔

''میرا بچہ کیسا ہے؟'' (ان کی بیوی) ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا۔

''اب پہلے کی نسبت اس کو آرام ہے۔'' (یہ موت کی طرف اشارہ ہے اور کچھ جھوٹ بھی نہیں)

پھر اُم سلیم شام کا کھانا ان کے پاس لائیں تو انہوں نے کھایا، اس کے بعد اُم سلیم سے محبت کی، فارغ ہوئے تو اُم سلیم نے کہا۔

''جاؤ بچہ کو دفن کر دو۔''

پھر صبح کو ابوطلحہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب حال بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ۔

''کیا تم نے رات کو اپنی بیوی سے محبت کی تھی؟''

ابوطلحہ نے کہا۔

''ہاں۔'' پھر آپ نے دعا کی۔

''اے اللہ! ان دونوں کو برکت دے۔''

پھر اُم سلیم کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو ابوطلحہ سے کہا۔

''اس بچہ کو اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے جاؤ۔'' اور اُم سلیم نے بچے کے ساتھ تھوڑی کھجوریں بھیجیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بچے کو لے لیا اور پوچھا۔

''اس کے ساتھ کچھ ہے؟''

لوگوں نے کہا۔

"کھجوریں ہیں۔"
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجوروں کو لے کر چبایا پھر اپنے منہ سے نکال کر بچے کے منہ میں ڈالا پھر اس کا نام عبداللہ رکھا۔
(مسلم)

انبیاء اور صالحین کے نام

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں نجران میں آیا تو وہاں کے (انصاری) لوگوں نے مجھ پر اعتراض کیا۔
"تم (سورہ مریم میں) پڑھتے ہو کہ "اے ہارون کی بہن۔" (یعنی مریم علیہ السلام کو ہارون کی بہن کہا ہے) حالانکہ (سیدنا ہارون، موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے اور) موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام سے اتنی مدت پہلے تھے (پھر مریم ہارون علیہ السلام کی بہن کیونکر ہوسکتی ہیں؟)
جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
(یہ وہ ہارون تھوڑی ہیں جو موسیٰ کے بھائی تھے) بلکہ بنی اسرائیل کی عادت تھی (جیسے اب سب کی عادت ہے) کہ یہ پیغمبروں اور اگلے نیکوں کے نام پر نام رکھتے تھے۔"
(مسلم)

بچے کا نام ابراہیم رکھنا

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میرا ایک لڑکا پیدا ہوا تو میں اس کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور اس کے منہ میں ایک کھجور چبا کر ڈالی۔
(مسلم)

بچے کا نام منذر رکھنا

سہل بن سعد کہتے ہیں کہ ابو اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیٹا منذر جب پیدا ہوا تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنی ران پر رکھا اور (اس کے والد) ابو اسید بیٹھے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز میں اپنے سامنے متوجہ ہوئے تو وہ بچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ران پر سے اٹھا لیا گیا تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیال آیا تو فرمایا۔
"بچہ کہاں ہے؟"
سیدنا اسید نے کہا۔
"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے اس کو اٹھا لیا۔"
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"اس کا نام کیا ہے؟"
ابو اسید نے کہا۔
"فلاں نام ہے۔"
تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"نہیں، اس کا نام منذر ہے۔" پھر اس دن سے انہوں نے اس کا نام منذر ہی رکھ دیا۔
(مسلم)

"برہ" کا نام جویریہ رکھنا

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔
"ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا کا نام پہلے برہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام جویریہ رکھ دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برا جانتے تھے کہ یہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم برہ (نیکو کار بیوی کے گھر) سے چلے گئے۔
(مسلم)

"برہ" کا نام زینب رکھنا

محمد بن عمر بن عطاء کہتے ہیں۔
"میں نے اپنی بیٹی کا نام برہ رکھا تو زینب بنت ابی سلمہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے اور میرا نام بھی برہ تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"اپنی تعریف مت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم میں بہترین کون ہے۔"
لوگوں نے عرض کیا۔
"پھر ہم اس کا کیا نام رکھیں۔"
تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"زینب رکھو۔"
(مسلم)

انگور کا نام "کرم" رکھنے کا بیان

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"کوئی تم میں سے انگور کو "کرم" نہ کہے اس لئے کہ "کرم" مسلمان آدمی کو کہتے ہیں۔"
(مسلم)
سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"(انگور کو) کرم بہت کہو بلکہ عنب کہو یا حبلہ کہو۔"
(مسلم)

افلح، رباح، یسار اور نافع نام رکھنے کی ممانعت

سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔
"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اپنے غلاموں کے چار نام رکھنے سے منع فرمایا، افلح، رباح، یسار اور نافع۔"
(مسلم)
سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"اللہ تعالیٰ کو چار کلمات سب سے زیادہ پسند ہیں، سبحان اللہ، الحمدللہ، ولا اللہ، واللہ اکبر، ان میں سے جس کو چاہے پہلے کہے، کوئی نقصان نہ ہوگا اور اپنے غلام کا نام یسار اور رباح اور نجیح (اس کے وہی معنی ہیں جو افلح کے ہیں) اور افلح نہ رکھو، اس لئے کہ تو پوچھے گا کہ وہ وہاں ہے (یعنی یسار یا رباح یا نجیح یا افلح) وہ کہے گا، نہیں ہے۔"
"سمرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہی چار نام فرمایا تو مجھ سے زیادہ نام بیان نہ کرنا۔"
(مسلم)

(غلام کے لئے) "عبد، امتہ" اور (مالک کے لئے) "مولیٰ، سید" بولنے کے متعلق

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"کوئی تم میں سے (اپنے غلام کو) یوں نہ کہے کہ پانی پلا اپنے رب کو یا اپنے رب کو کھانا کھلایا اپنے رب کو وضو کرا اور کوئی تم میں سے دوسرے کو اپنا رب نہ کہے بلکہ سیدنا مولیٰ کہے اور

کوئی تم میں سے یوں نہ کہے کہ میرا بندہ یا میری بندی بلکہ جوان مرد اور جوان عورت کہے۔"
(مسلم)

چھوٹے بچے کی کنیت رکھنا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ خوش مزاج تھے، میرا ایک بھائی تھا جس کو ابوعمیر کہتے تھے (اس سے معلوم ہوا کہ کمسن اور جس کے بچہ نہ ہوا ہو کنیت رکھنا درست ہے) (میں سمجھتا ہوں کہ انس سے کہا کہ) اس کا دودھ چھڑایا گیا تھا تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آتے اور اس کو دیکھتے تو فرماتے۔
"اے ابا عمیر! نغیر کہاں ہے؟" (نغیر بلبل اور چڑیا کو کہتے ہیں) اور وہ لڑکا اس سے کھیلتا تھا۔
(مسلم)

اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے برا نام

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"سب سے زیادہ ذلیل اور برا نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کا ہے جس کو لوگ ملک الملوک کہیں، ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک نہیں ہے، سفیان (یعنی ابن عینیہ) نے کہا ملک الملوک شہنشاہ کی طرح ہے۔"
احمد بن حنبل نے کہا کہ میں نے ابوعمرو سے پوچھا کہ "اخنع" کا کیا معنی ہے۔
تو انہوں نے کہا۔
"اس کا معنی ہے "سب سے زیادہ ذلیل۔"
(مسلم)

اچھا نام تبدیل کرنا

سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بیٹی کا نام عاصیہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام جمیلہ رکھ دیا۔
(مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل کی گزران میں تنگی

سیدنا عروہ اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتی تھیں۔
"اللہ کی قسم اے میرے بھانجے ہم ایک چاند دیکھتے، دوسرا دیکھتے، تیسرا دیکھتے، وہ مہینے میں تین چاند دیکھتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں میں اس مدت تک آگ نہ جلتی تھی۔"
میں نے کہا۔
"اے خالہ! پھر تم کیا کھاتیں؟"
انہوں نے کہا۔
"کھجور اور پانی، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ ہمسائے تھے، ان کے دودھ والے جانور تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے دودھ بھیجتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ دودھ ہمیں بھی پلا دیتے۔"
(صحیح مسلم)

☆☆☆

ابن انشاء

پچھلے دنوں ہمارے دشمنوں کی یعنی ہماری اپنی طبیعت ناساز رہی تو یہ عقدہ کھلا کہ اب تک جو ہم خلق خدا کو تین قسموں میں تقسیم کرتے تھے، ڈاکٹر، بیمار اور تیماردار، یہ ناحق کا پھیلاؤ تھا، دنیا کی آبادی کو دو حصوں میں باآسانی بانٹا جا سکتا ہے، ایک بیمار، ایک معالج، کیونکہ تیماردار کوئی علیحدہ طبقہ نہیں، ان میں آدھے بیمار ہوتے ہیں، آدھے معالج ہوتے ہیں بلکہ ان کی بڑی تعداد تو ایک وقت بیمار اور معالج ہوتی ہے، خود کوزہ و خود کوزہ گر، خود گل کوزہ، ایک ذرا سی مثال دیتے چلیں، پچھلے دنوں حضرت طباشیر الملت حکیم عبد المنان اسبغول دہلوی بکریوں والے مشہور ہیں کیونکہ ان کے اجداد بکریوں کا علاج کرتے تھے، اپنے پتے کے علاج کے لئے ایک کلینک میں داخل ہوئے، پتے میں کیا خرابی تھی، ہمیں معلوم نہیں، دراصل پتہ مارتے بہت تھے، دن بھر مطب میں بیٹھتے، کام کرتے، نسخے اور غزلیں بناتے رہتے تھے، وہاں ان کا سابقہ ڈاکٹر ایم بی بی ایس بیگ ایم بی بی ایس سے پڑا، یہ ڈاکٹر صاحب اپنے سابقہ اور لاحقے دونوں طرف سے ڈاکٹر معلوم ہوتے ہیں جس طرح دومونہی کے دو منہ ہوں، لیکن فی الواقع ہلے ایم بی بی ایس کا مطلب مرزا باقر بن سلطان ہے، ڈاکٹری فقط انہیں لاحق ہوئی ہے، خیر کلینک میں ڈاکٹر بیگ بھی ہمارے حکیم صاحب کا اسٹیتھسکوپ سے امتحان کر رہے تھے کہ انہوں نے ان کی نبض پکڑ لی اور کہا۔

"آپ کو ترقان معلوم ہوتا ہے۔" مزید اطمینان کے لئے حکیم صاحب کا قارورہ ڈاکٹر صاحب نے اور ڈاکٹر صاحب نے ان کے انجکشن لگایا، حکیم صاحب نے ان کی فصد کھولی، انہوں نے ان کو کیپسول کھلائے، انہوں نے معجون فلسفہ اور عرق گاؤ زبان سے تواضع کی، دونوں کو اللہ نے صحت دی، بل دونوں نے دیے، رقمیں برابر تھیں، لہٰذا یہ بھی خوش، وہ بھی خوش۔
خیر اس وقت بحث اپنی یا حکیم صاحب کی بیماری کی نہیں، تذکرہ تیمارداری کا تھا، ہوا یہ کہ پچھلے دنوں ہمارے ایک دوست کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی، کسی پھڈے میں اڑا کر انہوں نے توڑ دی اس کے ذکر کا یہ موقع نہیں، بہرحال اسپتال میں داخل ہوئے، ڈاکٹر نے پلستر چڑھایا اور پیر چرخی سے باندھ دیا، ہم بھی انہیں دیکھنے گئے، ہمیں تیمارداری اور عیادت کا زیادہ تجربہ نہیں، لہٰذا ان کا حال پوچھا اور یہ کہہ کر ان کے پاس بیٹھ گئے کہ اچھا جس حال میں رہو، خوش رہو لیکن ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے کئی اور لوگ ان سے ملنے آئے، جس سے کھلا کہ تیمارداری میں بھی باون بکسوئے لگتے ہیں، یہ بھی ایک طرح سے علم دریاؤ ہے، ایک تیماردار ان میں داروغہ جی تھے، مونچھوں کو خضاب لگائے، کمبل اوڑھے ہائے ہائے کرتے ہوئے، تو وہ کیا ہمارے دوست کی خیریت پوچھتے، اس نے پوچھا۔
"داروغہ جی! کیسے ہیں آپ؟"
وہ ایک ہی کشتۂ تیغ ستم نکلے، بولے۔

"کچھ نہ پوچھو، یک بیماری وصد آزار، چار روٹی زیادہ کھا لوں تو معدے میں گرانی ہو جاتی ہے، سوتے وقت دو پیالے چائے کے زیادہ پی لوں تو نیند آتی ہے، پر نہیں آتی، کان الگ سائیں سائیں کرتے ہیں، سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر، ان سب امراض شاقہ پر مستزاد، آنکھ پر گوہا بختی نکل آئی ہے، اس سے تو موت بھلی۔"

ہمارے دوست نے ان سے مناسب الفاظ میں ہمدردی کی، اتنے میں ایک اور غم خوار آ نکلے، ہانپتے کانپتے، ہاتھ میز پر رکھتے ہوئے بولے۔

"میاں! تمہیں دیکھنے آ گیا ہوں، ورنہ زندگی حرام ہے، چار کوس پیدل چل لوں تو سانس پھول جاتا ہے، اس بہتر سال کی عمر میں یہ حال ہے تو بڑھاپے میں تو جانے کیا ہوگا۔"

ہمارے دوست نے ان کو بھی تسلی دی، اب ایک اور بزرگ وارد ہوئے، کھانستے ہوئے، آتے ہی آواز لگایا۔

"کہو میاں! ٹانگ ٹوٹ گئی کیا؟" پھر جواب کا انتظار نہ کیا، اپنی کیفیت بیان کرنی شروع کر دی۔

"آج پانچواں دن ہے، زکام ہو رہا ہے، چھینکیں الگ آ رہی ہیں، گلا خراب ہو رہا ہے، جوشاندہ پیا لیکن مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی۔"

ہمارے دوست نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

"رب العزت! آپ کو جلد اچھا کرے۔"

انہوں نے ایک زور کی چھینک ماری اور آمین کہہ کر تیسری کرسی پر بیٹھ گئے، چوتھے صاحب نے آ کر اپنی داڑھ کی تکلیف بتائی اور ہمارے دوست سے خراج ہمدردی وصول کر کے کہنے لگے۔

"اپنی نرس سے ایک پیالہ سوپ کا میرے لئے منگا دیجئے کہ ڈاکٹر نے ٹھوس غذا سے منع کیا ہے۔" غرض کہ لوگ آتے گئے اور اپنی اپنی تکلیفوں کی شرح کرتے گئے، انہی میں کچھ ایسے تھے کہ ہمارے دوست کی ٹانگ پہ آ کر زور مارتے تھے اور جب ان کی چیخ نکلتی تو تعجب سے کہتے۔

"اچھا تکلیف ہوتی ہے، پلستر اتار دو، اس پر سوجی کا حلوا باندھو، مجرب ہے۔"

ایک نے لونگ کے تیل کی مالش بتائی، ایک نے جناب رئیس امروہوی صاحب کے مضامین پڑھنے اور تزکیہ نفس کا مشورہ دیا اور کہا۔

"اس سے ٹانگ خود بخود جڑ جائے گی۔"

ایک اور صاحب بولے۔

"نمک سلیمانی کے غرارے کرو، سوزش دور ہو جائے گی۔"

ایک نے تو باقاعدہ ان کو اسپتال سے بھاگ جانے کا مشورہ بھی دیا اور کہا کہ فلاں تکیے پر ایک اللہ والے درویش بیٹھتے ہیں، وہ راکھ کی چٹکی دیں گے، اس ٹانگ کے ٹوٹے ہوئے حصے پر چھڑک دینا، فوراً شفا ہو گی، تھوڑا سا گوند اس راکھ کی چٹکی میں ملانے سے تو کٹی ہوئی ٹانگ بھی جڑ جاتی ہے۔" یہی تو وہ مرحلہ ہے جہاں آ کر بیمار، تیمار دار اور معالج سب ہی ایک ذات میں جمع ہو جاتے ہیں، سچ یہ ہے کہ تصوف سے تو ہمیں ایک زمانہ سے لگاؤ تھا اور قوالی کی محفلوں میں سر دھنتے اور لنگر کھاتے بھی ایک عمر ہوئی تھی لیکن وحدت الوجود کے معنی اس روز پہلی بار آشکار ہوئے۔

☆☆☆

جگن کاظم سے ملاقات

● کاشف گوریجہ / عرومہ ملک ●

پاکستان ڈرامہ انڈسٹری کی خوبرو اداکارہ جگن کاظم خان کا اصل نام مہر بانو ہے۔ لیکن یہ جے کاظم اور جگن کاظم کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ یہ پاکستانی اور کینیڈا کی اداکارہ ہونے کے علاوہ ٹی وی ہوسٹ اور ماڈل بھی ہیں۔

جگن خاص طور پر ڈرامہ سیریل اور Live شوز کی وجہ سے پہچانی جاتی ہیں جبکہ انہوں نے چند میوزک ویڈیوز بھی کی ہیں۔ ان کو ایم ٹی وی ایوارڈ کے لیے بھی منتخب کیا گیا۔

جگن کاظم نے پاکستان کے صوبے پنجاب کے شہر لاہور میں اپنے چھوٹے بھائی اور بڑی بہن کے ساتھ ایک مہذب گھرانے میں پرورش پائی۔

ابتدائی تعلیم لاہور گرائمر سکول سے حاصل کی اور اس کے بعد کنیئرڈ کالج سے ایف۔ اے تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد یونیورسٹی آف ویسٹرن سے بیچلر آف آرٹ اینڈ میڈیا کی تعلیم حاصل کی۔

تاہم اس کے بعد تعلیم کو کچھ عرصے کے لیے چھوڑ کر ذاتی زندگی کی طرف توجہ مرکوز کر لی اور ایک لانڈری شاپ آنر سے شادی کر لی اور ٹارنٹو چلی گئی۔

شادی شدہ زندگی کامیاب نہ رہ سکی تاہم جگن نے ایک سال بعد ہی طلاق لے لی۔

جگن میڈیا کے ساتھ تب سے منسلک ہیں جب ان کی

عمر صرف چار سال ہی تھی۔ شروع میں اس نے معروف شیمپو اور دیگر پروڈکٹ کے کمرشلز میں کام کیا۔

جگن کاظم کا جب پہلا کمرشل آن ائیر ہوا ان کی عمر صرف چودہ سال تھی۔

جگن کاظم نے کینیڈا میں بھی ماڈلنگ کر کے اپنے فن کا اظہار کیا۔

انہوں نے ڈائٹ کوک کا کمرشل کیا جو کہ دو سال تک ان کی شہرت کی وجہ بنا رہا۔

پاکستان ڈرامہ انڈسٹری میں ان کے ڈراموں کی لمبی لسٹ موجود ہیں، ان کے مشہور ٹی وی ڈرامے ، من وسلویٰ، پیاسی، وصل، میری ان سنی کہانی، کاغذ کی ناؤ، وغیرہ شامل ہیں۔

جگن کاظم خان سے کچھ سوالات کے جوابات قارئین حنا کی دلچسپی کے لیے حاضر ہیں۔

☆ آپ اپنے فن کا تعارف کیسے کروائیں گی؟

● میں اپنے فن کا تعارف ایسے کرواؤں گی کہ میں مختلف قسم کے ہنر کی حامل لڑکی ہوں جس نے اداکاری، ماڈلنگ اور ٹی وی ہوسٹنگ میں اپنا نام بنایا میں نے لاہور میں پرورش پائی گھر میں ایک چھوٹا بھائی اور ایک بڑی بہن ہے۔

میری والدہ حیات ہیں جبکہ میرے والد انتقال کر چکے ہیں۔ اُن کا انتقال میری زندگی کا سب سے بڑا سانحہ تھا۔

میرے چھوٹے سے گھرانے نے مجھے اور میرے بیٹے حمزہ احمد کو بہت دل سے اپنایا ہوا ہے۔

میں اپنے بیٹے سے بہت پیار کرتی ہوں وہ میرے لیے میری زندگی میں آگے بڑھنے کا واحد مقصد ہے۔

☆ آپ نے پاکستانی فلمی انڈسٹری کو کامیاب فلمیں بھی دی کیسا رہا یہ تجربہ؟

● میں نے پاکستانی انڈسٹری کو بول جیسی کامیاب فلم کے علاوہ چپ اور دیگر فلمیں بھی دیں۔ ڈرامہ، ہوسٹنگ کے بعد فلم انڈسٹری میں نام بنانا اچھا لگا۔

☆ ڈرامہ، فلم، ہوسٹنگ کے علاوہ آپ کا آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے؟

● آگے میرا ایل، ایل، بی کرنے کا ارادہ ہے میں اپنی

تعلیم کو ہمیشہ جاری رکھنا چاہتی ہوں۔ یہ مجھے احساس دلاتی رہتی ہے جیسے میں ابھی تک اپنے بچپن میں ہوں۔

☆ میڈیا میں اس قدر کام کرتے ہوئے کیسا محسوس کرتی ہیں؟

● جب میں چار سال کی تھی تو مجھ سے کسی نے پوچھا کہ آپ بڑی ہو کر کیا کرنا چاہتی ہو؟

میرا جواب تھا کہ میں بڑا ہو کر ایکٹر بنوں گا۔ میں اس وقت اتنی چھوٹی تھی کہ مجھے یہ احساس بھی نہیں ہوا کہ میں ایک لڑکی ہوں۔ جبکہ تیرہ سال کی عمر میں یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ میں اداکارہ بنوں گی۔

☆ آپ کی زندگی کا یادگار لمحہ؟

● میرا پہلا کمرشل جو میری بہترین دوست مشل پیر زادہ نے پرڈیوس کیا میری زندگی کا یادگار لمحہ تھا اُس وقت میری عمر صرف چودہ سال تھی۔

☆ آپ کی فیملی نے آپ کو اس پیشے سے منسلک ہونے میں آپ کا ساتھ دیا؟

● میری فیملی حقیقت میں میڈیا سے بالکل مطمئن نہ تھی۔ لیکن اب میرا خیال ہے کہ وہ میرے اس شعبے کو قبول کر چکے ہیں۔

☆ کیا فن کے اس راستے میں آپ کو زیادہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا؟

مجھے کچھ زیادہ دشواریوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور اب میں ایک خود مختار زندگی گزار رہی ہوں۔ حتیٰ کہ جب میں نے گریجویشن کی تو ماں نے مجھے پوری اجازت دی تھی اپنی پسند کا پیشہ منتخب کرنے کی۔

☆ ماڈلنگ، ہوسٹنگ، اور اداکاری میں آپ کس سے سب سے زیادہ لطف اندوز ہوئیں؟

میں نے خود کو ہمیشہ ایک ماڈل ہی سمجھا ہے۔ میں ایک خاص اداکارہ ہوں، ہوسٹنگ سے بھی اُتنا ہی لطف اندوز ہوئی جتنا کہ اداکاری سے۔ اب میں کہہ سکتی ہوں کہ مجھے ایکٹنگ اور ہوسٹنگ سے بہت پیار ہے۔

☆ آپ کس قسم کی ماڈلنگ کرتی ہیں؟

میں خاص طور پر ایک پرنٹ ماڈل ہوں اگر آپ مجھے ایک ماڈل کہیں تو میں کہوں گی کہ ماڈلنگ میں صرف اپنے فن کے لیے کرتی ہوں۔

میں نے کبھی کسی فیشن شو میں شرکت نہیں کی میرا قد صرف پانچ فٹ چار انچ ہے اس لیے میں سوچتی ہوں کہ ریمپ پر واک کرتے ہوئے میں تمسخر کا نشانہ بنوں گی۔

☆ آپ کا سب سے یادگار ڈرامہ کونسا ہے؟

میرا سب سے یادگار ڈرامہ 2007 میں ریلیز ہوا جس کا نام من وسلویٰ تھا

☆ من وسلویٰ میں آپ نے کیا کردار انجام دیا؟

من وسلویٰ میں میں نے شبنا کا کردار ادا کیا، اس کے بعد پی ٹی وی پر ستم ڈرامے میں کرن اور پی ٹی وی کے ڈرامے پیاسی میں ڈولی کا کردار ادا کیا۔ جو میرے لیے بہت یادگار ہیں۔

☆ مستقبل میں آپ کا کیا پروگرام ہے؟

میں بہت پُر اُمید ہوں اپنی کتاب کے لکھنے اور اس کے شائع ہونے میں، میں اپنی پہچان (شبانہ اعظمی) کی طرح بنانا چاہتی ہوں۔

اس کے ساتھ ہی ہماری جگن کاظم سے ملاقات ختم ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆

• فوزیہ غزل •

تیئسویں قسط کا خلاصہ

شادی پہ ہاں کرنے کے باوجود سنعیہ اندرونی کشمکش کا شکار ہے، وہاج اریبہ کو شک اور بے یقینی کے کٹہرے میں کھڑا کر کے ہتک آمیز رویہ اختیار کرتا ہے۔

مہندی کی تقریب کے موقع پہ سنعیہ کے ڈپریسڈ ہونے پر شائستہ بیگم اور صبا شہریار کے اچھا ہونے اور اس کی آئندہ زندگی خوشگوار گزرنے کی ضمانت دیتی ہیں۔

وہاج کی ترقی نئے گھر میں شفٹنگ اور خود کو لاعلم رکھے جانے پر اریبہ اس کی حد درجہ اجنبیت و بیگانگی پہ دکھ سے شاکڈ رہ جاتی ہے۔

ماریا اپنے وفد کے ہمراہ بنارس دیکھنے پہنچتی ہے تو راستے میں ایک بیوہ لڑکی کو اس کے مردہ شوہر کے ساتھ زندہ جلانے کا واقعہ اسے بہت فرسٹیڈ اور متاسف کر دیتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

چوبیسویں قسط

ہوتا ہے تیرے شہر میں پتھروں کا کاروبار
میں ہی بد نصیب ہوں کہ آئینہ ساز ہوں

وہ ایک بار پھر پریشان تھی اس کے ذہن میں پھر سے ایمانیات وتوحید سے متعلق سوالات اٹھ رہے تھے وہ پھر سے سوچ رہی تھی ایک ایسے دین کے متعلق جو روح اور باطن کا خلا پر کردے جو رنگ ونسل کے تعصبات کا شکار نہ ہو، جس میں عورت کو مساوی حقوق حاصل ہوں، جس کی تعلیمات اور نظریات آپس میں بالکل منظم اور منضبط ہوں جو شک کی جگہ یقین کامل اور تاریکی کی جگہ روشنی دے، اپنے ساتھ لائی گئی تقابلی ادیان کی کتب ایک بار پھر اس کی توجہ کا مرکز بن گئیں، اپنے فرسٹریشن کا حل وہ پھر سے عالمی سطح کے عظیم محقق اور دانشوروں کے علم میں تلاشنے لگی۔

کیتھرین اس کی ذہنی کیفیت، اندر کی مایوسی اور روحانی افسردگی سے واقف تھی اور اس کی ہر ممکن کوشش تھی کہ وہ اسے مایوسی کے اس خیز سے جلد باہر نکال لے تاکہ وہ پھر ڈپریشن کا شکار نہ بننے لگے، اسی کوشش میں اپنی تمام مصروفیات پس پشت ڈالتے ہوئے وہ محض ذہنی سکون کی خاطر چند روز کے لئے اسے آگرہ لے آئی، آگرہ کا وہ مسحور کردینے والا نظارہ جسے دیکھنا ہر آنکھ کی حسرت بن چکا ہے، ان کے سامنے تھا، شاہجہاں کی محبوب اہلیہ ممتاز محل کا مقبرہ جسے دور سے دیکھا جائے تو چھوٹی عمارت ہے جوں جوں قریب جائیں گنبد بڑا ہوتا جاتا ہے وہ شام ڈھلے یہاں پہنچی تھیں مین گیٹ اور تاج محل کے درمیان پانی کی گزرگاہیں اور فوارے نصب تھے پانی میں تاج محل کا عکس نہایت خوبصورت اور دلربا لگ رہا تھا، اس کی فن تعمیر کا کمال تھا کہ پہلے دروازے کی ڈیوڑھی سے انہیں کوئی مینار نظر نہیں آیا لیکن قدم اٹھایا تو دایاں مینار پھر قدم اٹھایا تو بایاں مینار سامنے تھا چلتے ہوئے معلوم ہوتا تھا تاج محل دور جارہا تھا الٹے پاؤں مڑنے پہ معلوم ہوتا ہے کہ تاج محل پیچھے آرہا ہے، تاج محل کے چاروں طرف مستطیل باغ میں سنگ مرمر کی دو نہریں تھیں جو اسے نہ صرف چار حصوں میں تقسیم کرتی تھیں، بلکہ ان میں ہر وقت مقبرہ منعکس رہتا ہے، اگرچہ عدم توجہ، ناقص صفائی اور مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کے سبب سنگ مرمر کی سفیدی اور چمک ماند تھی، بلکہ اردگرد تیزاب اور چمڑا بنانے کے کارخانوں کی چمنیوں سے اٹھنے والا دھواں تاج محل کے سفید پتھر کو زرد رنگ میں بدلتا جارہا تھا، اس ناقدری کے باوجود اس کے حسن چاندنی رات ہونے سے مسحور کررہا تھا اور چاند کی کرنوں سے تاج محل کسی تراشے ہوئے ہیرے کی مانند معلوم ہوتا تھا، سیاحوں کی ایک بڑی تعداد یہاں ہونے کی وجہ سے میلے کا سماں معلوم ہوتا تھا۔

تاج محل کا گنبد اندر سے دیکھنے پر باہر سے کہیں زیادہ خوبصورت اور دلکش تھا، آیات قرآنی کا انتخاب، خطاطی کا انداز آرائش وجمال کمال تھی جس نے انہیں حیرت کا شکار کردیا تھا، ان کا گائیڈ بتا رہا تھا کہ شاہ جہان تاج محل کے سفید پتھر کے مقابل سیاہ پتھر سے دریائے جمنا کے دوسری طرف اپنے لئے مقبرہ بنوانا چاہتا تھا جو اورنگزیب نے اقتدار سنبھالنے کے بعد بے جا اسراف قرار دے کر ختم کرادیا تھا، اس کی بنیادیں آج بھی اصلی حالت میں موجود ہیں، تاریخی کتب کا مطالعہ بتاتا ہے کہ شاہ جہان ہر روز کشتی کے ذریعے تاج محل آتا تھا اور آگرہ قلعہ میں بیٹھ کر بھی نظارہ کرتا تھا، گائیڈ کے ہمراہ گھوم پھر کر اس عالیشان اور مبہوت کردینے والے حسین محل کو دیکھتی ماریا جوزف کا دھیان

اور ذہن بہت فریش اور تروتازہ ہوچکا تھا۔

مرکزی راستے اور گنبد کے درمیان مچھلیوں کا سنگ مرمر کا تالاب پھر تاج محل کے بائیں جانب مشرق میں سرخ پتھر سے بنی نہایت خوبصورت مسجد اور اس کے سامنے مہمان خانہ ایک خوبصورت منظر پیش کررہا تھا، بہت سے فوٹوگرافر مختلف حسین زاویے تلاش کرکے سیاحوں کی تصاویر بنارہے تھے، ایک ایسا زاویہ جہاں کھڑے ہوکر تصویر اتروانے والا تاج محل کے گنبد کو ہاتھ میں تھامے نظر آتا ہے انہوں نے بھی یہ یادگاری تصاویر بنوائیں۔

گائیڈ انہیں بتارہا تھا کہ ایک روایت کے مطابق شاہ جہان نے تاج محل کے اوپر بتیس من سونے کا چاند لگوایا بعدازاں بھرت پور کے جاٹ لوٹ کر لے گئے اب پیتل کے چاند پر سونے کا پانی چڑھا کر لگایا گیا ہے، اس شاندار عجوبے کو دیکھتے ہوئے انہوں نے بے ساختہ تاج محل کے ڈیزائن سنگ مرمر پر نقاشی، اندر قیمتی پتھروں سے مینا کاری کی تعریف کی اور حقیقتاً اندرونی حصوں میں دلکش نقش ونگار اور قیمتی پتھروں کا کام نہ صرف آج بھی دیکھنے والوں کو دنگ کررہا تھا بلکہ اس کے حسن کو چار چاند لگا رہا تھا۔

یہاں ان کی توجہ کا مرکز بننے والی ایک اور چیز بھی تھی، دریائے جمنا کے کنارے بھارتی وزیر قانون (سابق) امبید کار کا مجسمہ جو اچھوتوں کے لئے کام کرتے تھے اور اونچی ذات کے ہندوؤں کے سلوک سے اس قدر پریشان ہوئے کہ موت سے قبل بدھ مت قبول کرلیا، اس رہنما کے مجسمے جگہ جگہ نصب تھے، اپنے رہنما کو خراج تحسین پیش کرنے کا یہ طریقہ انہیں اچھا لگا۔

''سفید سنگ مرمر سے ڈھکی اس نادر ونایاب کے تحفظ کا اگرچہ خاطر خواہ انتظام نہیں مگر اس ناقدری کے باوجود اس میں اتنی کشش ہے کہ لوگ اقوام عالم سے کھنچے چلے آتے ہیں۔'' ماریا نے کئی جگہ سے سنگ مرمر کے ٹکڑے گرے ہوئے دیکھ کر کہا۔

''اور میں تو اس کی فنی باریکیوں اور نادر نقاشی کو سمجھنے سے قاصر ہوں کیا بے مثال دماغ پایا ہوگا اس کے منتظم اور ماہرین تعمیرات نے۔'' کیتھرین توصیفی انداز میں بولی۔

''یہ تعمیر ایرانی ماہرین تعمیرات استاد یحییٰ اور ان کے معاونین کا کارنامہ ہے۔'' گائیڈ نے بتایا۔

''اور کچھ بھلے ہو نہ ہو مسلمان حکمران اور انجینئرز فن تعمیر میں واقعی صف اول تھے۔'' تاج محل سے نکلتے ہوئے انہوں نے بجا طور پر اعتراف کیا۔

واپسی پہ ان کے ٹورسٹ گائیڈ نے رامائن کتھا کی ایک مجلس بھی دکھائی جہاں سٹیج پر تصاویر میں رام، سیتا اور لکشمن براجمان تھے اور چرنوں میں وہ سردار بندر (ہنومان) جس نے لنکا پر چڑھائی کرکے رام کی مدد کی تھی، پھولوں کی مالا چڑھی ان تصویروں کے آگے پوجا اور پرشاد کے لوازمات رکھے ہوئے تھے، لوگ آتے چرنوں میں جھک کر ہاتھ جوڑتے ہوئے پنڈال میں بیٹھ جاتے پھر پنڈت جی رامائن کے شلوک پڑھنے لگے۔

''میرا خیال ہے چلا جائے ایسا نہ ہو ہمیں پھر پرشاد کے پیکٹ دیے جائیں اور ہم انہیں پھر سے چھپ کر پھینکنے والی جگہ تلاش کرتے پھریں۔'' ماریا نے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے گاڑی کا رخ

اسی ہوٹل کی جانب موڑنے لگے یہاں پہ ان کا سٹے تھے اور ان کی آپسی گفتگو شروع ہو چکی تھی اس سفر میں۔

"ویسے مجھے اب تک اس جلنے والی لڑکی کا چہرہ نہیں بھولتا کتنی خوبصورت تھی اور کیسا ظلم ہوا تھا ہندو مذہب میں ودھوا (بیوہ) عورت کی زندگی جانور سے بھی بدتر ہے۔" کیتھرین نے کہا۔

"ہندوستان ایک سیکولر ریاست ہے پھر بھی یہاں قانون، مذہب اور معاشرتی جاہلیت کا ایسا اندھا پن ہے کہ کوئی فرد یا ادارہ حرف احتجاج بلند نہیں کرتا غلط چیز پر پھر سوچو مسلمانوں میں کیا عالم ہوگا جہالت و پسماندگی کا جن کا مذہب بھی یہ قصے میں دفن ہے۔" وہ پھر بولی۔

"پتا ہے کیتھی میں نے سوچا تھا کہ یہ جاہل اور اجڈ گنوار لوگوں کا مذہب ہے اس کی پرکھ میں کبھی وقت اور انرجی ویسٹ نہیں کرنی۔" ماریا بولی۔

"تو اچھا ہے ناں یہ بھی کوئی دین ہے لمبی ڈارھیاں رکھ کر چوغوں پگڑیوں میں بم چھپائے انسان دشمن لوگ اور ظلم و جبر کا مذہب۔" کیتھرین نے جھرجھری سی لی۔

"ان لوگوں کا رہن سہن کیسا ہوگا، عورتیں کیسے زندگی گزارتی ہونگی کبھی کبھی میں سوچتی ہوں مجھے کسی مسلم ملک جا کر دیکھنا چاہیے۔" ماریا نے پرسوچ انداز میں کہا تو کیتھی نے چند ثانیے اسے بہ غور دیکھا آیا وہ مذاق کر رہی ہے یا سنجیدہ ہے۔

"ضرور دیکھو ہمارا اگلے ہفتے پاکستان کا دورہ ہے اور میں تمہیں وہ خونی چوک ضرور دکھاؤں گی یہاں مذہب کے نام پر لوگوں کا ذبح کیا جاتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" ماریا بے طرح چونکی تھی۔

"ابھی کچھ دن پہلے میں نے ایک ٹی وی چینل پر رپورٹ دیکھی تھی، سوات میں مینگورہ کے چوک پر ایک نوجوان گلوکارہ کو ذبح کر کے اس کی لاش عبرت کے لئے لٹکا دی گئی تھی، میرے کانوں میں آج بھی اس کی آواز گونج رہی ہے وہ رو کر یہی کہہ رہی تھی کہ۔"

"مجھے گولی مار دو مگر ذبح نہ کرو، اس گلوکارہ کا جرم اس کی گلوکاری تھی۔" کیتھرین نے بتایا تو ماریا کچھ دیر کے لئے بالکل گنگ رہ گئی۔

"یہی نہیں بلکہ ادھر کے ہی ایک نجی چینل نے یہ خبر بھی دی تھی کہ پاکستان کے ایک شہر کراچی کے نہایت پوش علاقہ کی ایک لڑکی کے بازو کاٹ دیئے تھے مذہبی تنظیم کے کارکنوں نے کیونکہ وہ ہاف سلیوز پہنے باہر گھوم رہی تھی۔" ماریا نے لاشعوری طور پر ہی اپنے بازوؤں کو چھوا تھا ہونٹ کپکپائے تھے اور زرد پڑتے چہرہ دعا مانگی پھر آنکھیں بند کر کے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی مگر کٹی پھٹی لاشوں کے ساتھ لمبی ڈارھیوں والے اجڈ وحشی لوگ اس کے اعصاب پر سوار ہو رہے تھے اور یقیناً وہ اس ڈر سہم میں اپنی رات کی نیند برباد کرنے جا رہی تھی۔

☆☆☆

آئی مہندی کی یہ رات
لائی سپنوں کی بارات

حدیقہ کیانی کی خوبصورت آواز ریکارڈ پلیئر پہ پورے خان ولا میں گونج رہی تھی رات کے دو

بج چکے تھے مگر شور، ہنگامے پر لطف لمحات میں محسوس ہی نہ ہوتا تھا گھر چونکہ شہریار اور سنعیہ کا عزیز مہمان ایک تھے تو مہندی کا اہتمام بھی خان ولا کے بڑے اور خوبصورت لان میں تھا، سنعیہ تو اپنی رسم سے فراغت پا کے آرام کرنے جا چکی تھی، شہریار کو بھی نپٹایا جا رہا تھا اور چھینا جھپٹی مووی کیمروں کی چکا چوند ہنسی مذاق میں شہریار بھی اس مرحلے سے نمٹ چکا تو بنا گزرتی رات کا خیال کیے لڑکیاں پھر سے ڈھولک سنبھال بیٹھیں، لڑکے مقابلہ کرنے کو شہریار کو بھی گھسیٹ لائے تھے۔

"بھئی یہ خالص زنانہ موقع ہے میرا کیا کام۔" اس نے بدکنے کی کوشش کی، مگر لڑکے مانے نہیں۔

"خوامخواہ خود پہ بزرگی طاری کر کے مت پھر وانجوائے کرو۔"

"بھئی کام بہت ہے تم لوگ کروانجوائے۔"

"کام کرنے کو اور بہت لوگ موجود ہیں تم بیٹھو آرام سے اور اپنے شگنوں کے گیت سنو۔" نزہت آنٹی نے بھی بصد اصرار کہا تو اسے مجبوراً بیٹھنا پڑا مگر لڑکیوں نے جیسے ہی گیت

میں تو ڈولی میں ہو کے سوار چلی رے
اپنے ساجن کے دوار چلی رے

شروع کیا وہ جیسے تڑپ اٹھا۔

"یہ گیت گانے کی کیا تک بنتی ہے شادی صرف سنعیہ کی نہیں میری بھی ہے مجھے ڈولی میں بٹھانے کی کیا تک ہے۔" بھرپور قہقہے پڑے تھے اس کی خفگی پر پھر لڑکیوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مگر ہم تو سنعیہ کے لئے گا رہی ہیں۔"

"اور میں جیسے سوتیلا ہوں کزن ہوں تمہارا اور یہ بے ایمانی اور بے وفائی میں برداشت نہیں کر سکتا کہ تم لوگ مجھے بھول جاؤ۔" اسے ان کی طوطا چشمی نے خاصا تاؤ دیا، پھر اسے راضی کرنے کو شوخیوں اور ہنگاموں میں بہت سے گیت لڑکے کی مناسبت سے گائے گئے بلکہ تان لگانے کو شہریار کو بھی گھسیٹا گیا، بلکہ صبا کی کزنز سنعیہ کو بھی اٹھا لائیں، سنعیہ کا اٹھنے کا بالکل موڈ نہ تھا مگر اتنے مہمانوں اور لڑکیوں کے بیچ انکار کچھ نامناسب سمجھ کر وہ مارے باندھے چلی آئی ورنہ ان خوشیوں بھرے لمحات کا سکون اسے میسر کہاں تھا۔

بنا کسی امنگ کے خالی دل لئے وہ تو پر کٹے پرندے کی مانند پھر پھڑانے سے بھی مجبور تھی، لڑکیوں کی پر لطف چھیڑ چھاڑ، ذو معنی فقرے اس نے اپنے دل میں کوئی امنگ محسوس نہ کی ہاں ہر بات پر شہریار کے لبوں پر دلکش سی مسکراہٹ تھرکنے لگتی اور آنکھوں میں اترتا خمار سب کو اس کی خوشی کا پتا دیتا، سنعیہ کے خالی دل میں اس خوبصورت موقع پر کوئی لوتھی نہ سنسنی بلکہ ایک بیزار اور مضطربانہ انداز جو اس کے انتشار کو ظاہر کر رہے تھے۔

کاٹن کے سفید کلف لگے سوٹ میں پیلا پٹکا گلے میں لٹکائے اس کے برابر بیٹھا بندہ اپنے لمبے چوڑے وجیہہ سراپے کے ساتھ اتنا اچھا لگ رہا تھا کہ سارے ماحول پر چھایا ہوا تھا اور اپنے سوگوار سراپے کے ساتھ کسی پر لطف چھیڑ چھاڑ پہ وہ بدقت مسکراتی تو شہریار اس کی بے دلی پر اندر سے بجھ جاتا۔

اب بھی بہت خوبصورت گیت پہ ان کے کزنز رقص کر رہے تھے اور سب مسکرا رہے تھے۔

''بہت ہو گیا گانا بجانا لڑکیو اب بس کرو، سو جاؤ صبح ولیمہ ورخصتی کا فنکشن بھی اٹینڈ کرنا ہے تم لوگوں کو۔'' کسی بزرگ خاتون نے دہائی دی، مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے سب اپنے اپنے موڈ میں لگے رہے، پھر صبا کو ہی خیال آیا سعیہ کی بیزاری عیاں ہوتے دیکھ کر وہ ایکدم بولی۔

''میرا خیال ہے محفل کو برخاست کر دیا جائے چار بج رہے ہیں سونا کب ہے۔''

''مگر ہم شہریار بھائی سے کچھ سننا چاہتے ہیں مہندی کے آخری آئٹم کے طور پر ایک زوردار نظم یا غزل۔'' لڑکے لڑکیوں نے کورس کے انداز میں نئی فرمائش کی۔

''بہت خوب۔'' شہریار اپنی خوشنما آنکھوں کو خفیف سی جنبش دیتے ہوئے ہنسا۔

''شعروشاعری سے تو میرا دور کا بھی واسطہ نہیں۔'' اب وہ شرارت سے بولا

''محبت سے تو ہے اور محبت کرنے والا اور کچھ کرے نہ کرے شاعری ضرور کرتا ہے۔''

''بھئی مانا خوبصورت الفاظ اور محبت کی تعریف شاعری میں متاثر کن لگتی ہے مگر اب آئی ٹی کا دور ہے اب محبت بیتنے، پوچھنے والی نہیں بتانے والی چیز ہے۔''

''تو بتا دیں۔'' ایک اونچی آواز آئی۔

''جذبات خواہ کیسے ہی ہوں کسی کے ہاتھ میں کیوں دیں احتیاط لازم ہے۔'' وہ پھر بدکا۔

''اچھا لگ رہا ہے یہ اسٹائل بھی لیکن کبھی کبھی خود کو جذبات کے دھارے پر چھوڑ دینا اچھا ہوتا ہے۔'' اس کے پہلو تہی کرنے والے انداز پر صبا نے ہنس کر کہا تو وہ گہری سانس لے کر ذرا سا سیدھا ہوا کچھ یوں کہ سعیہ بالکل اس کی نگاہوں میں تصویر بن کر ٹھہر گئی۔

''واقعی اگر خوبصورتی اور معصومیت کو مجسم کیا جائے تو نام یقیناً سعیہ علی خان ہوگا۔'' اسے دیکھتے ہوئے شہریار کا دل تفاخر سے بھرنے کے ساتھ لبوں کی تراش میں نرم سی مسکراہٹ ٹھہر گئی تھی، ہونٹوں پہ آسودگی وطمانیت بھری ہلکی سی مسکراہٹ لئے وہ دلکش لب ولہجہ میں بولنے لگا تو جیسے ساری کائنات ٹھہر کر سننے لگی تھی۔

میری آواز کا جادو
تیری آواز کی بانہوں میں
بانہیں ڈالنے کا منتظر ہے
نئے موسم تمہارے جسم کی بنجر زمینوں پر
گلابی پھول کھلانے کی بشارت دے رہے ہیں
تم اپنی ذات سے
محرومیوں اور بے یقینی کے
سبھی پردے اتار دو
اور سمے کے پانیوں میں پھینک کر
میری محبت اوڑھ لو

با کی آواز لرزی اور لہجہ بھیگا۔

''مجھے بھی اپنی شادی میں کوئی انٹرسٹ نہیں مگر مجھے بھی اپنوں کی خاطر بہت کچھ ان چاہا کرنا ہے، ہم لڑکیوں کو قدرت نے بنایا ہی ایثار ووفا کے لئے ہے۔'' وہ بھیگے لہجہ میں ہنسی تو سعیہ کو صبا کے آنسو اپنے آنسو لگے اس کی ہار اپنی ہار وہ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی جس کے آنسو رخساروں کو بھگو رہے تھے اس کی بیسٹ فرینڈ مشکل میں تھی اور وہ شاید اس کے لئے کچھ نہ کر سکتی تھی، سعیہ کو بے بسی محسوس ہونے لگی تو وہ بے اختیار صبا کے گلے لگ کر ٹوٹ کر رونے لگی۔

کتنا دشوار لگتا ہے
کرب کے لمحے چنتے ہوئے
آنسوؤں کے نوحے سنتے ہوئے
کھلی آنکھوں دھوکہ کھاتے ہوئے
جیون زیاں بنتے ہوئے
جھوٹ جانتے ہوئے سب اور
جھوٹ کو سچ مانتے ہوئے
فریب کا حصہ بنتے ہوئے
دل کو صبر کی نیند سلانا
کسی کو کچھ بھی نہ جتانا
کتنا دشوار لگتا ہے

☆☆☆

میرے ہاتھوں میں قدرت نے ہنر کچھ ایسا بخشا ہے
کبھی پا کر بناتا ہوں کبھی کھو کر بناتا ہوں
میں جب بھی ٹوٹ جاتا ہوں کسی سے کچھ نہیں کہتا
میں چکنا چور کر بھی نئے منظر بناتا ہوں

امید ایسی چیز ہے کہ جب تک زندہ رہتی ہے انسان اس کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے اور محبت ایسا احساس جب تک لودے دل کی نہوں میں اجالا بکھرا رہتا ہے مگر محبت کو شک کی اذیت مار ڈالے تو کرب سے زندگی کیسے نجات پاتی ہے جبکہ دل اس بے ایمان سے ہٹ کر کچھ اور سوچنے کو تیار نہ ہو، یہ ایسا سوال تھا جو اس کے خالی ذہن میں کھوٹے سکے کی طرح کھنکتا رہا، کہ محبت کو بھی ناراضگی کی بغل مارے بدگمانی کی دھند میں لپٹی اسے پہچاننے سے بھی انکاری تھی۔

''میں حالات سے دنیا سے تقدیر سے خود سے ہار سکتی ہوں دل سے شکست کھا سکتی ہوں مگر تمہیں نہیں ہار سکتی وہاج تم پلیز میرے ساتھ ایسا نہ کرو۔'' سوچتے ہوئے اس کی آنکھیں بہت آہستگی سے بھیگی تھیں اور طیبہ نے پریشانی سے دیکھا تھا۔

''اریبہ تم پہلے مشکلات کا شکار ہو اپنے آپ کو مزید ڈسٹرب مت کرو۔''

''اس کی ترقی ہو گئی اسے کار اور اپنا گھر مل گیا اور اس بات کو مہینہ گزر گیا پورا اس نے مٹھائی

شہریار کے الفاظ، خواہشات، جذبات وہ دم سادھے سن رہی تھی اپنے آپ کو بھلے اس نے بے حسی اور سرد مہری کے پردے میں لپیٹ رکھا تھا مگر اس شخص کا سامنا، رویہ اور اسے جھیلنا سب آسان تو نہ تھا روح کو جھلسا دینے والی آگ تھی جو اسے پل پل لپیٹ میں لے رہی تھی، چند گھنٹے صرف چند گھنٹے تھے اور پھر وہ اس شخص کی ہو جاتی، وہ جس کے لئے اس نے گزرتے ہر پل میں اپنے دل میں نفرت محسوس کی تھی جس سے جان چھڑانے کو اس نے کسی انتہائی اقدام کا سوچا تھا مگر پھر اپنوں کے لئے ان کی خوشی کی خاطر اسے یہ سب کرنا پڑا جو کسی طور گوارہ نہ تھا۔

اپنے مما پیا، فرینڈز گلی محلہ سب کچھ چھوٹنے والا تھا بہت چاہنے والے لوگ بچھڑنے والے تھے، وہ سب کچھ چھوڑنے والی تھی اس بے مہر اور سنگدل شخص کے لئے، اس کے اعصاب کی کشیدگی میں جیسے ایکدم سے اضافہ ہوا اور دل بھر بھر آیا تو وہ جھٹکے سے اٹھی۔

''کیا تھا یہ اتنی کڑی آزمائش۔''

''میرے خدا میری کمزوری کو چھپا لے، مجھے اس صورتحال سے نپٹنے کا حوصلہ عطا کر۔'' بھر آئی آنکھیں لئے وہ آسمانوں کو دیکھنے لگی، صبا اس کے پیچھے آ کر بولی۔

''سنعیہ تھوڑا سا ریسٹ کر لو تھک جاؤ گی جاگ جاگ کر۔''

''اب تو شاید میں نے عمر بھر یونہی جاگنا ہے، ہر رات دکھ جلتے آنکھوں میں کاٹ کر۔'' اس کے آنسو ہر رکاوٹ کو توڑ کر نکلے تو صبا دکھ اور تاسف سے دیکھتی رہ گئی۔

وہ ایک ناپسندیدہ زندگی گزارنے جا رہی تھی جسے جینا اس کی خوشی نہیں بلکہ مجبوری تھا اور اس کے اعصابی کھنچاؤ کا صبا کو اچھی طرح اندازہ تھا۔

''ہم سب اتنے خود غرض کیوں ہوتے ہیں صبا کہ دوسروں کی خوشی کا خیال ہی نہیں رکھتے یہ سب کے ساتھ ہنستا مسکراتا شخص کتنی مکارانہ ذہنیت رکھتا ہے کاش میں سب کو چیخ چیخ کر بتا سکتی۔'' وہ روتے ہوئے بولی تو صبا کا دل جیسے ڈوب سا گیا۔

''نہیں سنعیہ تم بہت اچھی لڑکی ہو سب کی خوشی و مان کا خیال رکھنے والی تم ایسا کچھ نہیں کرو گی جو تمہاری دوست یا مما پیا کو شرمندہ کر دے۔'' اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتی ہوئی وہ بولی تو سنعیہ کا چہرہ بھیگتا چلا گیا انداز میں اک عجیب بے بسی تھی۔

''یہ محبتیں ہی تو ہیں جنہوں نے میرا راستہ روک رکھا ہے ورنہ میں کیسے ہارتی وہ بھی اس شخص سے۔''

''مجھے دیکھو سنعیہ میرے پیرنٹس بھی مجھے بنا پوچھے بنا بتائے میری پھپھو کے بیٹے سے بیاہ رہے ہیں اگلے مہینہ اور میں نے کچھ بھی کہے بغیر مشرقی لڑکی کی طرح سر جھکا دیا کیا کریں ہم لڑکیاں اپنے بڑوں کا سر نہیں جھکا سکتیں۔'' وہ دلسوزی سے بولی تو سنعیہ دیکھتی رہ گئی اس کے پاس تسلی دینے کے دو لفظ بھی نہ تھے۔

''تم پھر بھی خوش قسمت ہو کہ شہریار بھائی ایک پرفیکٹ انسان ہیں ان میں کوئی کمی نہیں جبکہ میری پھپھو کا بیٹا پہلے کسی میں انوالو رہا ہے اور یہ شادی صرف اسے راہ راست پر لانے کو کی جا رہی ہے تمہیں شہری بھیا پورے کے پورے خالص تو ملیں گے ناں، مجھے تو شاید ادھورا بندہ بھی نہ ملے۔''

کھلانا تو دور کی بات مجھے بتانا گوارہ نہیں کیا پھر خالہ ثمن سب کے رویے اجنبی سے ہیں یہ صورتحال خطرے کا باعث ہے اپنے گھر کے لئے کچھ کرنا باہر نکلنا یا بوقت مشکل کسی سے مدد لے لینا میرے لئے ایسے حالات کا باعث بن سکتا ہے اگر مجھے پتا ہوتا تو میں کبھی تلاش معاش یا حصول رزق میں نہ نکلتی۔'' وہ آنسوؤں کے درمیان بول رہی تھی، طیبہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''جو کچھ ہوا اس میں تمہارا قصور قطعی نہیں اگر تم اس روز کسی کے ساتھ نہ آتیں تب بھی شاید سب ایسے ہوتا، تم کسی کو نہ تو راہ راست پر لا سکتی ہو نہ منع کر سکتی ہو، لہٰذا خوامخواہ پریشانی لینے سے فائدہ جبکہ تم نے ایسا کچھ نہیں کیا جو قابل گرفت ٹھہرے بس یہ جان لو کہ بعض لوگوں کو پیسہ یا عزت راس نہیں آتی اور وہ پرانے رشتوں ناتوں سے جان چھڑانے کو گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہیں بس اور کچھ نہیں۔''

''مگر ہمارے درمیان تو محبت تھی بڑا مضبوط حوالہ۔'' وہ جیسے سسکی۔

''وہ شخص تمہارے منہ پر کہہ گیا ہے کہ وہ محبت اس کی غلطی تھی اور ہو سکتا ہے اس غلطی کے ازالے کے لئے بہت جلد وہ تم سے ہاتھ چھڑا کے آگے بڑھ جائے یا کسی بھی موڑ پر فرار کا نیا راستہ اختیار کر لے اور تم اس کی محبت کے لئے رو رہی ہو۔'' طیبہ کھ چڑ کر غصہ سے بولی۔

''اور تمہاری زندگی میں وہ لمحات جلد آئیں گے جب یہ انکشافات سچ ہوں گے بہتر ہو گا کہ تم وقت و حالات کا ادراک کرتے ہوئے حقیقت شناس بنو اور خود کو ہر طرح کے وقت کا سامنا کرنے کو تیار رکھو۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو کچھ اور بھی تواتر سے بہنے لگے تھے، طیبہ نے اسے تھام کر ساتھ لگا لیا تھا۔

''وہ مجھے چاہے نہ چاہے میں اسے چاہتی ہوں بے حد بے حساب میرے لئے یہی حقیقت کافی ہے۔'' وہ ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑتے ہوئے بولی تو طیبہ نے شدید ترین حیرت سے دیکھا تھا۔

''میں تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتی سوائے اس کے کہ محبت کرنے اس کے ساتھ ہونے اور ساتھ رہنے میں بڑا فرق ہے جانے حقیقت میں یہ ملے گا بھی کہ نہیں۔'' انتہائی سنجیدگی سے مضبوط لہجے میں باور کراتے ہوئے طیبہ نے اسے دیکھا تھا اور اریبہ کی پلکیں بس بھیگتی رہیں۔

''تم نے اس کی خفگی و ناراضگی کے ڈر سے ٹیوشن چھوڑ دی یہ سوچے بغیر کہ تمہارا گھر کس قدر ڈسٹرب ہوا ہے اس قلیل آمدنی کے کھو جانے سے جس پہ گزر اوقات کا انحصار تھا اور تمہاری بہنوں کا مستقبل اس واحد آسرے کو گنوا کر مخدوش ہو سکتا ہے جب تم سنو تو کچھ کہنا بھی فضول ہے اور میرا مقصد تمہیں زک پہنچانا نہیں پھر بھی تم برا محسوس کرو تو معذرت کیونکہ ایک مخلص دوست ہونے کے ناطے میرا فرض بنتا ہے تمہیں سمجھاؤں کہ جو شخص تمہیں دکھ دے کر ذرہ بھر پروا نہیں کرتا، اس کے لئے خود کو اتنی بندشوں کا پابند کرنا فضول ہے، زندگی پہ جتنا حق اس کا ہے تمہارا بھی ہے پھر جب حقائق سامنے ہوں تو اپنے اندر کے گھٹن زدہ بوسیدہ ماحول کو دور کر کے کبھی کبھی دل سے انحراف کرنا اچھا ہے کھل کر سانس لینے سے جو تر و تازگی ذہن و دماغ میں سرایت کرتی ہے، خاص اور خوبصورت ہے۔'' اریبہ نے حیرتوں میں گم خاموشی سے دیکھا تھا طیبہ کو اس پر ترس سا آنے لگا۔

''محبت کی ناؤ ہمیشہ ڈگمگاتی ہے اور مانا اندیشے بھی لازم ہیں مگر تمہیں اپنے گھر اپنے رشتوں کے لئے کچھ اقدام کرنے ہیں تو فی الوقت محبت کو پس پشت ڈال لو بلکہ وقت پر چھوڑ دو جلد یا بدیر بہتر حل نکل آئے گا اور اگر وہ تم سے مخلص ہے تو ورنہ تم اپنے لئے بے کار کے واہموں سے ہٹ کر مصرف سوچو، ایگزامز سر پر ہیں پوری یکسوئی سے توجہ سے ان سے نپٹو پھر ساتھ ایک جاب کرو تاکہ تمہارا خرچہ چلتا رہے اور ہوسکتا ہے کسی روز پشیمان ہو کر وہ شخص خود تم تک آ پہنچے، فی الحال اسے آزاد چھوڑ دو تمہارا ہوا تو کہیں جائے لوٹے گا تو تم تک ہی آئے گا تمہارا نہ ہوا تو یہ واویلا، آنسو، وقت کا ضیاع سب بے کار کیا سمجھیں۔'' طیبہ نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا تھا، جو کچھ دیر خاموش رہ کر سر اثبات میں ہلا گئی۔

''گڈ گرل، اب نہ رونا ہے نہ کچھ سوچنا ہے، کیونکہ دنیا میں جینے کے لئے یہ عادت کچھ اچھی نہیں، جو لوگ زندگی کو جیتنا چاہتے ہیں وہ نارمل بی ہیو کرتے ہیں۔'' طیبہ مسکرا کے بولی۔

''آؤ اب تمہیں اچھا سا لنچ کرواتی ہوں پھر گھر چھوڑ دوں گی۔'' طیبہ نے اپنائیت سے کہا تو وہ ناچار اٹھ گئی ورنہ دل کھانے کیا جینے سے بھی اچاٹ تھا، گھر کے سامنے سے اتار کر طیبہ تھوڑی دیر کو اندر آئی سب سے ملی پھر اس کے پاس رکتی ہوئی بولی۔

''آج ہر فکر اور پریشانی کو ذہن سے جھٹک کر سونا تمہیں میں جلد ہی کسی بہتر جگہ اچھے ماحول میں جاب دلانے کی کوشش کرتی ہوں اور غم نہ کرنا کہ محبت اگر مخلص ہو تو اپنی دلجوئی آپ کرواتی ہے۔'' اس کا انداز حوصلہ دینے والا تھا، اس پل احساس ممنونیت سے کئی جگنو اریبہ کی آنکھوں میں چمک اٹھے جب وہ اس کی والدہ کے لئے دوائیاں اور کچھ روپے ان کے تکیے کے پاس رکھ کر مڑی، تو اریبہ نے اس کا ہاتھ روکا۔

''یہ ایک بیٹی کی محبت ہے ماں کے لئے تم پر کوئی احسان نہیں اس لئے نو انکار تو، تھینکس او کے بائے خوش رہو۔'' اس کے رخسار کو پیار سے چھوتی وہ بیرونی دروازہ پار کر گئی تو اریبہ گہرا سانس لیتی اندر بڑھی۔

اگرچہ حوصلہ کرنا آسان نہ تھا مگر وہ طیبہ کے سمجھانے پر اس کے الفاظ کی روشنی میں اپنے گھریلو حالات و مشکلات کو دیکھتی خود کو پھر سے ہمت دلانے لگتی، ذہن یکسو نہ ہونے کے باوجود وہ کتابوں کو سامنے رکھے رہتی کہ اندھیروں میں روشنی کی کرن یہ واحد سہارا تھیں جو اس کے دکھ سنتیں اس کے ساتھ روتی ہنستی تھیں، وہ ان کتابوں سے کیسے منہ موڑ سکتی تھی پھر جیسے تیسے اس نے خود کو سنبھال لیا اور فائنل ایگزامز کے مرحلے سے بخوبی گزر گئی، اس تمام عرصہ میں ثمن اور ہما ایک دن آئیں وہی پرانے انداز اور اپنائیت جو وہ تلاشتی تھی ناپید تھی، اگرچہ بہت مسکرا رہی تھیں مگر کچھ کمی تھی جو اسے بری طرح محسوس ہوئی، ان کے انداز و اطوار ویسے ہی تھے جیسے نو دولتے لوگوں کے ہوتے ہیں، پیسے کی فروانی نے خاصا اثر ڈالا تھا، کہ پہلے سے خاصی بدلی عادات اور پہناوا مختلف تھا اور انہیں لینے وہاج آیا وہ اسے جاتے دیکھ نہیں پائی اسی لئے امی کے پاس چلی آئی مگر اسے امی کے پاس بیٹھ دیکھ کر بری طرح ٹھٹکی امید نہیں تھی کہ وہ یوں اچانک آ موجود ہوگا، ویکسر اسے نظر انداز کر گیا دیکھ تک نہیں رہا تھا، وہ لمحہ بھر کو رکی تھی۔

وہ جیسے اس کے آنے سے ڈھارس ملتی تھی پریشانیوں، مایوسیوں میں سہارا ملتا تھا اس کے ہونے سے، اس کو پانے کی امید دل کو حوصلہ دیا کرتی تو وہ اس کی خوشیوں کی دن رات دعائیں کرتی اور وہ اس سے لاپرواہ بنا اماں کی لایعنی باتیں سن رہا تھا، اریبہ کو بے طرح رونا آیا مگر اس کے سامنے کمزور پڑ کے وہ خود کو مزید شکستہ نہیں کرنا چاہتی تھی، سنو خود بھی اس پر بنا توجہ دیئے اماں کو دبانے لگی، جویریہ چائے لائی تو اس نے انکار کر کے ثمن ہما کو چلنے کا آرڈر دیا۔

''بھائی اتنے دنوں بعد آئے ہیں بیٹھیں چائے تو پی لیں۔'' ربیعہ نے اصرار کیا۔

''آفس سے تھکا ہوا آیا تھا امی نے فون کر کے انہیں لانے کو کہہ دیا۔'' اس کے لہجے میں جو ناگواری تھی چھپ نہیں سکی، وہ مجبوراً آیا تھا سو چلا گیا اور وہ بس خاموش بنی ہوئی تھی، چلتے سمے بس لحظہ بھر کو وہ اسے دیکھ کر مڑ گیا اور اریبہ جیسے اسی لمحے میں رک گئی، کیسی آنکھیں تھیں جن میں محبت، اپنائیت نام کی کوئی ہلکی رمق تک نہ تھی ہر جذبے سے خالی اجنبیت انڈیلتی نگاہیں، کیا زندگی کا منظر نامہ واقعی بدلنے والا تھا مگر کیوں؟ اس کے اندر اک بے چین اور متاسف کر دینے والی خلش اٹھی۔

☆☆☆

لق و دق صحرا تھا تا حد نظر، چلچلاتی دھوپ، پیروں کو جھلساتی ریت اتنی گرم ہوا کے تھپیڑے جو وجود کو گرمی کی دل گھبراتی وحشت سے پگھلائے دے رہے تھے سانسوں میں خون کی جگہ لگ رہا تھا لاوا دوڑ رہا ہے اور گھٹن و حبس کا ایسا احساس کہ حلق میں کانٹے اُگ آئے تھے مارے پیاس کے۔

''پانی دو بوند پانی۔'' اس نے اک جاں کنی کے عالم میں پکارا تھا مگر وہاں دشت و صحرا کے اس جہنم میں کون تھا سننے والا، وہ اٹھ کر پھر سے چلنے کی کوشش کرنے لگی مگر پاؤں تپتی ریت میں دھنسے اور بھنے جا رہے تھے بڑے بڑے سرخ آبلے پڑ چکے تھے تلوؤں پر گرم لو کے ساتھ ریت اڑاتی ہوا چلتی تو آنکھوں، سانسوں میں ریت جاتی تھی اس کی جاں اور بھی وحشت میں گھر جاتی، وہ گھبرا کر آسمان کی وسعتوں کو دیکھتی دو بوند پانی کی حرص لئے اس کی دکھتی آنکھیں سورج کی آتش فشانی کو سہہ نہ پاتیں تو اپنا نڈھال وجود لڑکھڑاتی ٹانگیں سنبھالتی پھر سے پکارتی۔

''میں مر رہی ہوں Please help me, help me۔'' وہ گھٹے گھٹے انداز میں وقفے، وقفے سے پکار رہی تھی سننے والا کوئی نہ تھا آنکھوں کو چہار اطراف کسی ذی روح کی تلاش میں دوڑاتے، ناکام واپس پلٹتے پا کر وہ رونے لگی اپنے سر پہ ہاتھ رکھے زور زور سے وحشت و خوف میں پھوٹ پھوٹ کر روتی وہ افسردگی، وحشت، اذیت و خوف، بے بسی و بے وطنی کا اک عظیم مجسمہ معلوم ہوتی تھی۔

''کوئی ہے جو مجھے مرنے سے بچالے، جو مجھے تکلیف و وحشت کے اس عذاب انگیز عالم سے نجات دلا دے کوئی ہے تو مدد کرے Help me please help me۔'' وہ سجدے کے عالم میں اوندھے منہ نیچے گری گریہ وزاری کرنے لگی۔

اللہ اکبر ، اللہ اکبر

دل کو چھونے روح کو کھینچنے والی اک بے حد خوش الحان صدا ابھر رہی تھی جس کے ساتھ نرم ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آئے اک چھاؤں کا سکون بخش احساس جو اس کی جانکنی کا عذاب ہلکا کرنے

لگا۔

اللہ اکبر ، اللہ اکبر

وہ سر اٹھا کر اس خوبصورت پکار کی سمت کا اندازہ کرنے لگی کہ یکا یک اک تیز جھکڑ کے ساتھ سیاہ آندھی کا ہیولہ اٹھا تھا اور اس سیاہی نے پورے منظر کو لپیٹ میں لیا وہ خوف و دہشت کے اک شدید ترین احساس کا شکار ہوئی تھی اور فلک شگاف چیخ اس کے حلق سے برآمد ہوئی۔

''ماریا کیا ہوا، آنکھیں کھولو۔'' اک آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''Help me please help me۔'' وہ بے بسی سے بڑبڑائی۔

''ماریا کیا ہو رہا ہے تمہیں، آنکھیں کھولو۔'' کیتھرین نے اسے اچھی طرح جھنجھوڑ ڈالا تو اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولی تھیں اس کی آنکھوں میں بے پناہ ڈر خوف اور بے بسی کا تاثر تھا اس کا چہرہ، پیشانی بلکہ پورا جسم اس بے حد سرد اور برف آلود موسم میں پسینے سے تر تھا جو کیتھرین کو استعجاب آمیز حیرت میں مبتلا کر گیا۔

''Maria are you ok?'' وہ پریشانی سے پوچھ رہی تھی۔

''Plesae drink me water۔'' اس کے چہرے کو دیکھے بنا وہ بولی تو کیتھرین نے سرعت سے گلاس بھر کر تھمایا، ایک ہی گھونٹ میں پورا گلاس خالی کر کے اس نے ایک اور گلاس مانگا جو کیتھرین نے دیا۔

''ماریا کیا ہوا ہے تمہیں، کیوں اتنی زرد اور خوفزدہ ہو۔''

''I feet not well, I am dipressed۔''

''Why?۔'' کیتھرین بے طرح پریشان ہو گئی اس کی اضطرابی کیفیت دیکھ کر۔

''بے حد ڈراؤنا بہت خوفناک خواب دیکھا ہے پھر اک پیاری حد سے زیادہ دلآویز پکار سنی ہے بعد میں جہنم جیسا اندھیرا، وحشت، گرمی میں مر رہی تھی اور کوئی مجھے بچانے والا نہ تھا میری گریہ زاری سننے والا کوئی نہ تھا۔'' وہ بھرائی آواز میں بتا رہی تھی۔

''کیا اس سے پہلے بھی تمہیں ایسے خواب ہی آتے رہے ہیں۔''

''ہاں بچپن میں پھر لڑکپن میں یہی آواز یہی جہنم یہی خوف و وحشت مجھے خوابوں میں اکثر دکھائی دیتی رہی ہے مگر پچھلے تین سال سے جب سے میں مختلف مذاہب کو پرکھ رہی تھی یہ خواب بند ہو گئے تھے اب کئی سال بعد آج یہ خواب انہی جزئیات و کیفیات اور مناظر سے بھرا نظر آیا ہے جیسے کبھی پہلے آتا تھا۔'' وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

''وہ پکار جو تم نے سنی کیا تمہیں یاد ہے۔'' کیتھرین نے بے حد اہم سوال کیا۔

''نہیں وہ کسی اجنبی زبان کے الفاظ تھے جو مجھے سمجھ نہیں آ سکے مگر میں انہیں حقیقت میں سنوں تو پہچان سکتی ہوں، کیونکہ سمجھ میں نہ آنے کے باوجود میں ان سے اجنبی نہیں، ان الفاظ سے خوش ذوقی و خوبصورتی کا جو تاثر پیدا ہوتا ہے جو دل کو کھنچاؤ لگتا ہے وہ اک پرانی شناسائی کا حصہ ہے۔'' وہ جیسے کسی یاد میں گم بولی تھی۔

''پرانی شناسائی کیا مطلب؟ اک اجنبی زبان جو تم نے کبھی بولی نہ سنی، جس کے مطلب و

مفہوم سے بھی آشنائی نہیں اس کے چند الفاظ تمہاری اک پرانی شناسائی کا حصہ ہیں مگر کیسے۔'' کیتھرین چونک کر پوچھنے لگی۔

''جن دنوں میں سکول میں پڑھتی تھی تو میری سکول وین اک مسلم کمیونٹی کے علاقہ سے گزرتی سکول تک جاتی تھی مجھے وہاں سے اکثر یہی پکار سنتی تھی جو اس وقت بھی میرے دل پر بڑا کیف آفریں تاثر پیدا کرتی اور محض یہ پکار سننے کو میں کئی بار راستے میں وین رکوا لیا کرتی تھی، پھر زندگی، رشتوں، تعلقات اور مذہب سے تعلق میرے اندر جیسے جیسے بیزاری، ابہام، بے چینی بڑھنے لگی الجھنیں، سوالات اور اضطراب مجھے ہر رشتے، ہر عقیدے سے وحشت دلانے لگے میں زندگی کا مقصد ڈھونڈنے لگی، اک صحیح، درست مذہبی عقیدے کی تلاش میں ہر مذہب کی طرف مسیحائی کو لپکنے لگی تو ڈراؤنے خوابوں کے ساتھ یہ پکار بھی پھر میری نیندوں کا حصہ بننے لگی۔'' دھیرے دھیرے بولتی وہ خاموش ہوئی تو کیتھرین نے کچھ دیر اسے بڑے پرسوچ انداز میں دیکھا پھر اک سوال پوچھا۔

''کیا تمہیں وہ راستہ، وہ علاقہ یاد ہے یہاں سے گزر کر تم سکول جاتی تھیں۔''

''ہاں، کیونکہ میں کبھی اسے بھلا ہی نہیں سکی۔'' وہ گم سی بولی۔

''اگر میں تمہیں ایک بار پھر وہاں لے چلوں تو تم چلو گی۔'' کیتھرین اس کے ستے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولی۔

''ضرور جاؤں گی، میں وہاں ضرور جاؤں گی، تم کب لے کر جاؤ گی مجھے؟'' وہ کچھ بے چین لہجے میں بولی۔

''بہت جلد، بس تھوڑا کام ہے اسے نبٹا کر Next week تک ہم چلیں گے تمہارے ماضی کے راستوں پہ سفر کرنے تمہارے بچپن کے نشانات ڈھونڈنے، تمہاری الجھنوں کا سرا تلاشنے۔'' کیتھرین نے اک تسلی آمیز تبسم اچھالتے ہوئے اپنے روبرو بیٹھی ماریا جوزف کو دیکھا تھا، جس کے چہرے پر اک ٹھہراؤ اک سکون سا تھا اس پل اور یہ سکون اک پرانی شناسائی سے پھر ملنے کے شوق نے ابھارا تھا۔

☆☆☆

اک بہت ہنگاموں بھرا اور خوبصورت دن طلوع ہوا تھا، خان ولا میں ہنسی، قہقہے، شوخیوں، پھولوں کی مہکار لئے آنے والی دھنک رنگ پر رونق صبح، وہ چہرہ وہ آنکھیں، وہ لب و رخسار جنہیں بہت دیکھنے چھونے کی خواہش تھی، آج عمر بھر کو اس کے ہو رہے تھے، سنعیہ وہ لڑکی تھی جو ہر نگاہ میں ہر پل اس کی توجہ سمیٹ کر لے جاتی تھی جس کی سادگی، معصومیت اسے عزیز تھی جس سے محبت پہ اسے اعتبار تھا، ناز تھا جبکہ اس کے ساتھ عرصے سے بہت نازک احساسات و تعلق کا رشتہ بھی جڑ چکا تھا وہ کتنے سال پہلے اس کے نکاح میں آ چکی تھی تو اسے سوچنا، چاہنا اور خوابوں، خیالوں میں سجانا شہریار کو فطری طور پر اچھا لگا تھا پھر آج تو وہ ان کی ہمقدم ہونے کو تھی دل کتنا خوش اور پرجوش تھا کہ چہرہ چمکتا اور کھلا پڑ رہا تھا اس کا اور سنعیہ کا جیسے کسی نے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا، اس کی پرسکوت آنکھوں میں خوشی کی کوئی رمق نہ تھی، بہت بے تاثر چہرہ تھا، خود کو جتنی شکستہ اور کمزور اس نے آج سمجھا

تھا شاید پہلے کبھی نہیں، عجب اضطراب اور واہمے گھیرے ہوئے تھے ایسے چند گھنٹے تھے اس کے اس گھر سے رخصت ہونے میں اور آنکھوں کی شفاف سطح بار بار نم ہو رہی تھی ماں باپ سے جدا ہونے کے غم میں۔

شائستہ بیگم کی آنکھیں بھی بار بار نمی چھلکا رہی تھیں جبکہ عفنان علی خان ضبط کیے گلابی آنکھوں سے سب کام دیکھ رہے تھے کہ اکلوتی بیٹی تھی کوئی کمی نہ رہے، پھر وہ چند گھنٹے جیسے منٹوں میں گزرے، ڈیپ ریڈ کلر کے راجستھانی لہنگے میں ملبوس زیورات سے لدی پھندی ہمیشہ سادہ رہنے والی سعیہ پر آج ٹوٹ کر حسن برسا تھا شعلہ صفت حسن لئے ہشاش بشاش ہنستے مسکراتے بہت پر سکون اور بااعتماد شہریار خان کے پہلو میں بیٹھی وہ سب کی توصیفی نگاہوں کا مرکز تھی، کھانے، سلامی، دودھ پلائی کی رسموں سے نپٹ کر جیسے ہی رخصتی کا وقت ہوا تو سعیہ کا دل جیسے ڈوبنے لگا اسے لگا تھا آج اس پل سب کچھ ختم ہو رہا ہے، بے حد محبت کرنے والے ماں باپ سکھیاں اپنا گھر گلیاں۔

بابل کی گلیاں چھوڑی ہیں
جھولے یہ سکھیاں چھوڑی ہیں
ہر موڑ پہ دل کو موڑا ہے
ہر طاق میں گڑیاں چھوڑی ہیں
جب تجھ سے ناطہ جوڑا ہے
مت پوچھ کہ کیا کچھ چھوڑا ہے

اس کی آنکھوں کی سطح اضطراب زدہ ہونے لگی تو صبا نے جیسے التجا کی تھی۔

''سعیہ پلیز رونا نہیں۔'' اور خود کو بہت سنبھالنے، لاکھ ضبط کرنے کے باوجود وہ عمر بھر کی آزردگیوں کا شکار ہونے لگی، شائستہ بیگم اسے رخصت کرنے کو اٹھ کر آگے آئیں لحہ بھر ماں کو بھیگی آنکھوں سے دیکھتے رہنے کے بعد وہ ان سے لپٹ کر سسکیاں بھرنے لگی اور بہت ضبط سے کام لیتے ہوئے بھی شائستہ بیگم ضبط نہیں کر پائیں۔

ایک فرض کے ادا ہو جانے کی خوشی اور اطمینان اپنی جگہ مگر اکلوتی لاڈلی بیٹی کو اتنے لاڈ پیار اور آسائشوں میں پالنے کے بعد عمر بھر کو کسی اور کو سونپ دینا اور وہ چاہے شہریار ہی تھا مگر ماں باپ کا دل تو ماں باپ کا تھا ناں بے شک وہ اچھے شخص کے ساتھ رخصت ہو رہی تھی مگر دل اور آنگن کی اداسی کیسے کلیجہ نوچ رہی تھی کوئی ان سے پوچھتا، جو روتے ہوئے بہت نرمی اور آہستگی سے دونوں ہاتھوں میں لاڈلی بیٹی کا چہرہ تھامتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''شہریار تمہارے لئے بہترین شریک سفر سمجھ کر چنا تھا ہم نے اور تم سے محبت بھی بہت کرتا ہے، تم اجنبیت برت کر اس محبت کو کمزور یا کھوکھلی مت کرنا، نہ ہی بلاوجہ کی نفرت اور تلخ کلامی سے اپنے رشتے میں کڑواہٹ لانی ہے کیونکہ میاں بیوی کا رشتہ اور دل کے راستے دونوں بہت نازک ہوتے ہیں، ایسی راہ دلوں میں نہیں پڑتی جس پر سمجھوتے آتے ہوں، تم بھی اسے سمجھوتہ ٹرین سمجھ کر نہیں یا مصلحت کے تقاضے بنا کر نہیں بلکہ محبت، احساسات اور قناعت کو لے کر نبھانا، زندگی جینے کو

بہت تھوڑی ہے اسے گریز پا یا بے وجہ نفرتوں میں نہیں گنوانا، فاصلے بڑھتے گئے تو بہت مشکل ہو گا جینا، شہریار ایک خالص شخص ہے اور تم خوش قسمت ہو کہ وہ تمہیں ملا ہے، باقی رہے خیالات اور نظریات آپس میں ملتے ہوں یا نہیں تقدیریں تو مل گئیں یہی سوچ کر خطاؤں، کمیوں اور غلطیوں کو دفن کرنا سیکھ لو۔'' انہوں نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے سر بہت محبت سے تھپکا تھا اور پھر عفنان علی خان اسے پیار دینے بڑھے تو جدائی کا دکھ جیسے اور بھی سوا ہو گیا، وہ ان کے شانے سے لگی یوں روئی کہ ہر آنکھ اشکبار ہو گئی بلکہ شہریار کا اپنا دل اندر سے بے چین ہو اٹھا۔

''بس بیٹا روؤ نہیں خوشی خوشی رخصت ہوں اللہ آپ کو اپنے گھر آباد رکھے ہم سے ملنا جلنا تو رہے گا۔'' وہ بھیگے لہجے میں بولے اور اس کا سر تھپکا پھر ماموں اور ان کے بیٹے اسے عروسی گاڑی تک لے گئے بیٹھنے سے لحہ بھر قبل وہ صبا کے گلے لگ کر اتنا روئی کہ بمشکل کھینچ کر الگ کیا اور سب نے صبا سے بھی کہا۔

''بس اسے رلاؤ مت بہن ہے تمہاری صرف دوست نہیں دعاؤں میں رخصت کرو۔'' اور پھر مزید کسی سے ملنے نہیں دیا گیا، اس کے اتنا رونے سے سب اداس تھے، ایک ہنستے مسکراتے دن کا اختتام بہت اداسی اور آنسوؤں سے لبریز تھا، بیٹی کے رخصت ہونے کی خوشی اپنی جگہ مگر جدائی کا احساس بھی تو کم نہ تھا، اسے گلی کے آخری موڑ تک دیکھتے عفنان علی خان شدت گریہ سے سرخ آنکھیں لئے پلٹے تو کاریڈور کے ستون سے سر ٹکا کے بے بسی اور دکھ سے رو پڑے اک بے طرح کی اداسی نے جیسے خان ولا کی ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا شائستہ بیگم جو گلی کے آخری موڑ پہ شہریار سے کچھ کہتی پلٹیں۔

''شہریار سعیہ بہت خالص جذبات و احساسات سے گندھی لڑکی ہے، اتنی پیاری اور اچھی کہ کوئی اسے ٹھکرا نہیں سکتا میرے بیٹے کی شریک سفر ایسی ہی لڑکی ہونی چاہیے تھی بس بیٹا اس انتخاب کی لاج رکھنا وہ تھوڑی موڈی ضرور ہے پیار سے سمجھاؤ گے تو جلد سمجھ لے گی اپنا سبھاؤ نرم ہی رکھنا۔''

''مما نو مور ٹینشن آپ پورا اطمینان رکھیں آپ کا بیٹا ہمیشہ آپ کا مان سلامت رکھے گا۔'' ان کے ہاتھ تھامتے تسلی دیتا وہ گاڑی میں بیٹھا تو شائستہ کی آنکھیں بھر بھر آنے لگیں، وہ آ کر عفنان علی خان کے شانے پہ سر رکھ کے رو پڑیں۔

کبھی کبھی ویران اسٹیشنوں پر رک کر
میں دیکھتا تھا سوچتا تھا
لحہ بہ لحہ دور ہوتی ٹرین میں کوئی تمثیل ہے
یہ کیا ہے؟ یاد نہیں آتا تھا
اور جب یاد آتا تو میں نے دیکھا کہ
پٹڑی کے ہاتھ خالی رہ گئے ہیں
سارے اسٹیشن سوالی رہ گئے ہیں
اب مجھے یاد آیا ہے

دور ہوتی ٹرین میں کیا تمثیل ہوتی ہے؟
مگر مجھے جاننا ہے کہ
میرا دل کیوں سوالی ہے؟
اور یہ رسم کس نے ڈالی ہے؟
پٹری کیوں خالی ہے؟
کیوں بیٹیاں مسافروں کی
طرح ہوتی ہیں؟
کیوں بیٹیاں مسافروں کی
طرح ہوتی ہیں؟

☆☆☆

محبت بہت نازک جذبہ ہے اسے ہر چیز پر مقدم ہونا چاہیے یہ کن دنیا میں جب تک انسان نما درندے موجود ہیں محبت مقدم نہیں ہوسکتی ویسے بھی یہاں کون ہے جو آپ کے دل کی کرتا ہے ہر شخص صرف اپنی غرض پہ مرتا ہے اپنی خوشی ڈھونڈتا ہے اور ہم جہالت کی حد تک پاگل پن کا مظاہرہ کرتے اس پہ اعتماد کر لیتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا جینیس سمجھتے سارے جذبے وفائیں، محبتیں، خواب، خواہشات اس پہ لٹاتے اپنے اندر کو خالی کرتے جاتے ہیں اک جھوٹ پہ جان لٹانے کو تیار خبطی اور دیوانی محبت کو جب ٹھوکر لگتی ہے تو دل ایسے سناٹے میں آجاتا ہے کہ ہاتھ کچھ نہیں آتا بس بے اعتنائیوں کی آگ میں جھلستا جاتا ہے، وہ بھر سر تا پا سلگ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔

”یہ رشتے ناطے انسان کو کتنا دکھ دیتے ہیں، کتنا تڑپاتے ہیں جس کو دنیا میں سب سے بڑھ کر چاہا، مانا اور اپنا سمجھا جاتا ہے وہ سب سے زیادہ بیگانگی کی مار، مارتا ہے اور ہم جو اس پہ مرتے ایک لمحہ میں زندگی، توقعات انا گنوا چکے ہوتے ہیں، اس کی سرد مہری سے تھکتے تھکتے خود کو تلاش کرتے ہیں تو کھلتا ہے، ہم تو اس سفر میں اپنے کہیں رہے ہی نہیں، بس ایک محبت کمائی تھی کاسہ عمر میں وہ بھی لہولہو کر گئی۔“

اس نے کہیں پڑھا تھا کہ ”کسی انسان کی عظمت وشرافت پرکھنے کا آخری پیمانہ یہ ہے کہ اس کا رویہ ان لوگوں سے کیسا ہے جو اسے کچھ نہیں دے سکتے۔“

اور وہاج حسن پرکھا جا چکا تھا، کچھ یوں کہ آنکھوں کی نمی خود اپنے ہونے سے مکر گئی تھی، زندہ افراد ایک دوسرے کے لئے کیسے مر جاتے ہیں، یہ وقت دکھلا رہا تھا مگر احساس وحرمت مرنے کے باوجود یہ خون کے رشتے انسان چاہے بھی تو ان سے منہ نہیں موڑ سکتا، کیونکہ محبت پیروں کی زنجیر بن جاتی ہے اور ان کو چاہنے، ان کے اپنا ہونے کی کسک ہمیں ایسا کرنے سے روک دیتی ہے، اسے لگا تھا زندگی کو اپنا بنانے کی اس کی ساری اسٹریٹجی فضول ہے ایک شخص جس سے وہ بے پناہ توقعات لگائے بہت سی محبتیں لٹائے بیٹھی تھی وہ ایک شخص تو اس کا ہو نہیں رہا تھا پوری زندگی کیا بنتی، احساس زیاں اور اہانت کے شدید ترین غلبے سے اس کی آنکھوں میں بہت سا نمکین پانی جمع ہونے لگا۔

اک غفلت تمام نے بینا بنا دیا

اک ساعت تمام پھر بینائی لے گئی
جذبے حصول رزق کے رستوں میں چھل گئے
خوابوں کو میرے عہد کی سچائی لے گئی

زندگی میں بعض اوقات سکھ ایسے ہی ہو جاتا ہے جیسے پانی پہ بنی راہیں جو بس کھو جاتی ہیں اور محبت کے سفر میں مدمقابل شخص کی بے پایاں شدتیں دیکھنے کے بعد اعتبار و بے اعتباری کے درمیان اجنبیت، بیگانگی کی مار سہتے لٹکتے رہنا آسان نہ تھا، سوا سے طیبہ کا مشورہ اچھا لگا کہ اس سے کہیں بہتر تھا وہ اس تمام معاملے کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دیتی اور زندگی کو پھر سے ایک ڈگر پہ لانے کی کوشش کرتی، اسے ایک صائب رائے اور بہترین مشورہ جانتے ہوئے وہ اپنے گھر کی محرومیوں اور غربت کا ازالہ کرنے کی کوشش میں پھر سے اعصاب مضبوط کرنے لگی اور اخبار میں روز خالی ویکینسیاں دیکھنے کے ساتھ اردگرد کے علاقہ میں کھلے پرائیویٹ سکولز اور اکیڈمیوں کے چکر لگانے لگی جاب کی تلاش میں کئی جگہ درخواستیں بھی دے چکی تھی اور طیبہ بھی اس کے لئے پریشان تھی جانتی تھی کہ پہلے وہ قدم قدم پر فکرات سے دوچار ہے اندیشوں میں گھری ہے، پھر یہ تو جوان لڑکی کے لئے مزید خطرات تھے جگہ جگہ برے ذہن کے غلط لوگ گھات لگائے سیدھی، معصوم اور مجبور لڑکیوں کی راہ دیکھتے تھے مبادا وہ کسی غلط نہ پھنس جائے برے لوگوں کے ہتھے نہ چڑھ جائے، ہائی سوسائٹی سے لنک ہونے کی وجہ سے وہ باآسانی اس کا کام کر سکتی تھی، کہ اس کی ضرورت کا اندازہ بھی تھا مگر خواہش یہی تھی کہ وہ جو بھی جاب حاصل کرکے اپنی ذاتی ذہانت وکوشش کی بنیاد پر نہ کہ سفارش پر۔

خود ان کی اپنی کمپنی میں جاب موجود تھی اور سیلری بھی اچھی ملتی کہ نہ صرف اریبہ کی فکریں کم ہو جاتیں بلکہ اس کی پریشانی بھی دور ہو جاتی کہ وہ اچھی جگہ اچھے لوگوں کے درمیان موجود ہے اور پھر چند دنوں میں طیبہ نے اسے اپنا پیا کے دفتر میں جاب دلوا دی تھی اگرچہ وہ ناتجربہ کار تھی پھر پے در پے پریشانیوں نے اس کا اعتماد لوگوں سے ختم کر دیا تھا، خود اپنے اندر بھی وہ بہت ڈری سہمی لڑکی بن گئی تھی، مگر طیبہ نے جس بے غرضی سے ان مشکل حالات میں اس کا خیال رکھا مدد کی اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ ایسے بے غرض لوگ موجود ہیں جو بے لوث ہو کر کسی کے کام آتے ہیں اس نے تو اپنے مطلب کے غلام اپنی غرض کے قیدی ہی دیکھے تھے، جو وقت پڑنے پر انتہائی قریبی رشتے و تعلقات بھی بھلا دیتے ہیں۔

دفتر میں اگرچہ وہ عارضی طور پر اپائنٹ ہوئی تھی مگر تسلی تھی کہ یہیں جلد اس کی جگہ بن جائے گی جو ڈر سا پہلے دل کے اندر تھا، وہ یکسر نکل چکا تھا کہ اچھا ماحول، صاف ستھرے ذہنوں کے اچھے لوگوں کے درمیان تھی وہ ڈسپلن، ذمہ داری اور کنوینس کی سہولت زندگی جیسے آسان سی ہو رہی تھی اور ہفتہ بھر جوائن کرنے کے بعد ویک اینڈ پہ وہ طیبہ سے ملی تو اس کے ہاتھ تھامتی احساس ممنونیت سے نم لب ولہجہ میں بولی۔

”بہت شکریہ طیبہ میرے لئے اتنا کچھ کرنے کا، تم نے بغیر کسی رشتے ناطے کے جس طرح ہمارا ساتھ دیا میں اس کا بدلہ نہیں دے سکتی۔“

''کم آن ریبا، میں نے کچھ نہیں کیا کیوں شرمندہ کررہی ہو۔''

''تم نے بہت کچھ کیا ہے امی کے لئے قیمتی دوائیں اور مستقل نرس کا بندوبست، جویریہ اور ربیعہ کا خرچ پھر میری مدد ساتھ جاب۔''

''یہ بہت چھوٹی سی بات ہے انسانیت کے ناطے ہمارا فرض بنتا ہے کہ اگر ہم اپنے سامنے کسی کو تنگدستی، پریشانی یا کسمپرسی کا شکار دیکھیں اور ہم میں ہمت و استطاعت بھی ہو تو اس کی مدد کریں اور میرے پاس استطاعت تھی تو تھوڑا بہت کر دیا اس کے لئے اتنا ممنون ہونا کہ مجھے خوامخواہ شرمندگی ہونے لگی یا بڑائی کا احساس جاگے اچھا نہیں۔'' وہ نرمی سے بولی اور اریبہ کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی، اس نے کب دیکھے تھے ایسے بے لوث لوگ، جو اپنے تھے جن سے خون کے اور دل کے رشتے تھے وہ اجنبی بن گئے اس سے تو پھر دوستی کا ناطہ تھا بس، طیبہ نے اسے نرم نگاہوں سے دیکھا پھر اس کا ذہن بٹانے کو بات کا موضوع بدلتی ہوئی بولی۔

''ہماری دوستی ان تکلفات کی محتاج نہیں اریبہ تم مجھے بہت عزیز ہو میں محبت کر چکی ہوں جانتی ہوں نارسائی کا کرب کیا ہوتا ہے، میں تمہیں صرف اس برے وقت سے بچانا چاہتی ہوں، جب محبت کے خواب بنا تعبیر پائے آنکھوں میں ہی ٹوٹ کر کرچیوں کے مانند چبھتے اور لہو رلواتے رہتے ہیں، پتا ہے محبت میں، میں بھی معمولی معمولی باتوں، رویوں اور چیزوں کے لئے اتنی ہی جذباتی ہوا کرتی تھی جتنی تم ہو، یہ کن محبت ایسی چیز ہے کہ اگر ذرہ برابر بھی شک یا ریا کا خدشہ پیدا ہو جائے پھر سب کھو جاتا ہے تعلق، رشتہ خواب ہر چیز رفیوز ہو جاتی ہے، وہاج حسن بھی جو کچھ تمہارے ساتھ کر رہا ہے اس میں کچھ غلط ضرور ہے اور تمہارے جھٹلانے یا رد کرنے سے کچھ نہ بدلے گا جب تک تمہیں اس حقیقت کا یقین آنا ہے بہت دیر ہو چکی ہوگی، تم دیر کرنے سے پہلے خود کو سنبھالنا ہر قسم کے حالات، رویے اور مشکل کے لئے تیار رہنا سیکھو کہ میں کل کو تمہیں سنبھالنے یا سمجھانے کو موجود نہ ہونگی۔'' اریبہ نے چونک کر اسے پریشانی سے دیکھا تو وہ تاسف سے مسکرائی۔

''ہاں اریبہ ہم لوگ بہت جلد دبئی شفٹ ہو رہے ہیں اور پاپا بھی چند ماہ تک اپنا تمام بزنس وائنڈ اپ کر کے وہیں ہونگے تمہاری جاب کا کوئی اور اچھا بہتر بندوبست ہماری کمپنی شفٹنگ سے پہلے کر دے گی۔'' اس نے بے چینی سے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں طیبہ تم ایک ہی تو میری دوست و ہمدرد ہو، تمہارے بعد تو میں بالکل اکیلی ہو جاؤنگی۔'' اریبہ کے لہجے میں اضطراری اور تاسف تھا۔

''میرا تم سے رابطہ رہے گا خون پر، پھر یہ سب اچانک لگے ہوا ہے خیر تم اب خود کو کمزور سمجھنا اور سہاروں کے لئے دوسروں کی طرف دیکھنا چھوڑ دو، خود کو بہادر مضبوط اور حوصلہ چند بناؤ You must be a lucky girl۔'' وہ دوستانہ انداز میں اس کے گھر کے باہر گاڑی روکتے ہوئے بولی اور اریبہ مسکرا بھی نہ سکی بس پل بھر میں چہرہ متغیر ہونے کے ساتھ آنسو بہنے لگے طیبہ نے اک گہری سانس بھرتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا اور پھر ملائمت سے دیکھتی رسان سے بولی۔

''زندگی میں ملنا، بچھڑنا، پانا کھونا لگا رہتا ہے تم دکھوں غموں کے ساتھ جینا سیکھو، میں تمہاری

خیر خواہ اور مخلص ہوں اور یہی دعا کرتی ہوں کہ تمہیں تکلیفوں سے واسطہ نہ پڑے اور تم جو چاہو پاؤ، اپنی بہترین دوست کو میں یقیناً پریشان دیکھنا نہیں چاہتی سو یہاں تمہارے ساتھ غلط ہوتے دیکھا اپنی سمجھ کے مطابق سمجھایا پھر بھی تمہیں کسی بات یہ میری وجہ سے تمہارا دل دکھا ہو تو معاف کر دینا میرا مقصد صرف مخلصانہ تھا۔'' وہ ایک تاسف سے بس ساکت دیکھتی رہ گئی کیا کہتی کہنے کو کیا تھا اس پل۔

''اریبہ وہاج جیسا بھی ہے میں اب بھی یہی چاہتی ہوں تمہاری طرف لوٹ آئے اور تمہاری محبتیں رائیگاں نہ جائیں، وہی تعلق تم دونوں کے بیچ قائم ہو جائے جو پہلے تھا لیکن اگر تمہیں ایسا نہ لگے تو خود کو ضائع نہ کرنا اپنی وفاؤں کو صبر کے راستوں کی ڈھول نہ بنانا کوئی بہتر قدم لینا جس سے تمہارے راستے آسان ہو سکیں؟'' وہ مخلصانہ انداز میں غم الفاظ لئے بولی اور اس کے شانوں پر ہاتھ دیئے جو بولے بغیر بھیگی آنکھوں میں گہرا کرب لئے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اتنی مایوسی اور اداس کیوں ہو، زندگی کا کوئی خانہ مستقل خالی نہیں رہتا ہر کسی کی جگہ بھر جاتی ہے میں نہ ہوں گی کوئی مجھ سی اور دوست تمہیں مل جائے گی، بس خود کو سنبھالو اور مسکراؤ میں اپنے تصور میں ہمیشہ اس مسکراتی لڑکی کو یاد رکھنا چاہتی ہوں جو زندگی کا مقابلہ ڈٹ کر رہی ہے۔'' اریبہ کی آنکھوں کے آگے نمی کا غلاف پھیل گیا تو طیبہ کی نگاہیں بھی دھواں ہونے لگیں پھر وہ بے اختیار اس کے گلے لگ کر اس کے ساتھ رونے لگی۔

ہر نئے موڑ پہ اک زخم نیا لگا دیتے ہیں
دوست کیا خوب وفاؤں کا صلہ دیتے ہیں
تم سے تو خیر گھڑی بھر کی ملاقات رہی
لوگ صدیوں کی رفاقت بھی بھلا دیتے ہیں

☆☆☆

''انسان کا سب سے بڑا دشمن انسان ہی ہوتا ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ اگر ہم خود سے دوستی کر لیں تو اس سے بہترین دوستی کوئی اور ہو نہیں سکتی لیکن اس تبدیلی کے لئے ہمیں آپ سے مخلص ہونا پڑے گا، لیکن ہمارا اندرونی خوف ہمیں ایسا کرنے سے روکتا ہے جب تک ہم اپنے خوابوں کی دنیا سے باہر نہیں آئیں گے ایک ذمہ دار فرد کی حیثیت سے معاشرے میں واضح مقام حاصل نہیں کر سکتے اور اس کے لئے ہمیں تصوراتی دنیا کو اپنے خوابوں سے کھرچ کر مٹانا ہوگا، لیکن اس کے جتنا ضروری اعتماد ہے اتنا ہی ضروری یہ ہے کہ آپ اپنی کمزوری کا احساس کمتری نہ سمجھیں، کیونکہ اگر آپ غور کریں تو محسوس کریں گے کہ چاند میں بھی داغ ہوتا ہے لیکن پھر بھی دنیا اس کی دیوانی ہے چنانچہ ثابت ہوا کہ کسی کی خامی اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔''

اپنا لیکچر ختم کر کے وہ ڈائس سے ذرا پیچھے ہوئی تو سامنے بیٹھے بڑے ہجوم نے پرجوش تالیوں سے داد ہوتے ہوئے اس کے الفاظ و تخیلات کو خراج عقیدت بخشا تھا، ماریا جوزف کا مسکراتا چہرہ چمکتی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ اپنی منزل میں مسلسل رکاوٹیں پانے اور ڈراؤنے، غیر مبہم خواب دیکھنے کے باوجود وہ ڈپریشن کے خیز سے نکل آئی ہے اور اپنی زندگی میں آنے والی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو

محسوس کرتی جینے کا مقصد اور آسودگی پارہی ہے۔

وہ اس وقت دہلی کے سب سے بڑے گورنمنٹ کالج کے سالانہ کانووکیشن کے موقع پر مدعو تھے اور کالج کے منتظمین واساتذہ کی خواہش پر سب نے اپنے اپنے ویوز دیئے تھے زندگی کے حوالہ سے، ماریا نے بھی اپنے خیالات و تجربات کی روشنی میں کچھ قابل غور نکات، شیئر کیے جس سے کیتھرین کو دلی خوشی کے ساتھ ذہنی اطمینان کا بھی اک گہرا احساس ہوا ورنہ دو دن پہلے وہ جس بری طرح سوتے میں ڈر گئی تھی، اس نے ویلنگٹن واپسی کا پروگرام بنالیا تھا، لیکن اب اس جگہ ماریا کو مثبت انداز میں بولتے مسکراتے اور اپنے اندرونی خوف کو زائل کرتے دیکھ کر اس کی پریشانی طمانیت میں بدل چکی تھی، اپنی اس طمانیت کا اظہار اس نے ماریا سے کیا تو وہ مسکرائی پھر سنجیدگی سے بولی۔

''فینگ شوئی سے مدد لیتی اپنے ذہن کو میں اس بات پہ قائل کر چکی ہوں کہ طویل المیعاد پریشانی سے صرف طاقت اور قوت برداشت کا ضیاع ہوتا ہے جبکہ عملیات پسندی اور صحت مندانہ زاویہ نظر سے مسائل کا بہ غور جائزہ لے کر انہیں حال کرنے کی کوشش کرنا بہتر ہے۔''

''گڈ تھنکنگ ویسے بھی صورتحال آپ کی دسترس سے باہر ہو تو پریشان ہونا بے کار ہے اگر مسئلہ کے حل کے لئے کچھ کیا جاسکتا ہو تو کر گزریئے بصورت دیگر سوائے پریشانی، پچھتاوے اور تناؤ کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔'' کیتھرین نے اس کی تائید کی۔

''اسی لئے بہت سوچنے کے بعد میں نے اپنے خوابوں اور پریشانی کا رخ تخلیقی اور تعمیری جانب موڑنے کا ارادہ کیا ہے۔''

''مطلب کیسے؟'' کیتھرین نے متجسس انداز میں پوچھا۔

''مطلب ایسے کہ اگر میں ہر مذہب کی سمجھ نہ آنے والی باتوں غلط رسم و رواج اور اپنے خوابوں کے ڈر، وہم کو خود پہ حاوی کرلوں گی تو کبھی اپنے مقصد کو نہیں پاسکتی، یہ زندگی ہے اور اسے اپنا بنانے کے لئے خوشگوار سوچوں صحت مند طرز زندگی ہی ضروری ہے میں تسلیم کر چکی ہوں کہ ہم خود اپنی خوشیوں اور بھلائی کے امیدوار ہیں تو ہماری روزمرہ زندگی میں خوبصورت اور اعلیٰ مقاصد کے ساتھ خوشگوار سکون واطمینان ظاہر ہونے لگتا ہے اور یہ اچھی بامقصد زندگی کے لئے بہت اہم ہے۔''

''مجھے خوشی ہے کہ تمہارا رویہ، سوچ، الفاظ اور اظہار کا طریقہ تقریباً ہمیشہ سے زیادہ موثر اور پاورفل ہے اور یاد رکھو جن کی ول پاور مضبوط ہو وہ دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔'' کیتھرین پرجوش انداز میں بولی تو ماریا کے سنہری چہرے پر بڑی آسودہ مسکراہٹ ابھری۔

''اسی لئے میں نے ہر طرح کے ڈپریشن، اسٹریس، منفی خیالات اور خوف کو جھٹکتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ میں پاکستان جاؤں گی یہاں اتنے مذاہب کو پرکھا ہے، اتنے ناجائز رواج غلط رسوم دیکھی ہیں ایک تجربہ اور ریسرچ اور سہی کیونکہ کہاوت ہے ''کسی انسان کے چہرے پر نہ جاؤ کیونکہ ہر انسان ایک بند کتاب کی مانند ہے جس کا سرورق کچھ ہوتا ہے اور اندرونی صفحات پر کچھ اور تحریر ہوتا ہے۔''

''تو دوسروں کے منفی انداز یا منفی احساسات کو حرف آخر سمجھ کر میں بھی اکتفا نہیں کرسکتی ہوسکتا ہے سچ اس کے برعکس ہو۔'' اس کا لہجہ اور الفاظ اتنے سنجیدہ ومضبوط تھے کہ کیتھرین کچھ پل کو خاموش رہ گئی پھر اک گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

''میں تمہیں تجربہ کرنے یا مشاہدے سے روکوں گی نہیں کیونکہ اگر تم یہودیت کے لئے اسرائیل، مراکش یا فلسطین اور بدھ مت کے لئے چین پھر ہندومت کو پرکھنے انڈیا آسکتی ہو تو پاکستان کیوں نہیں مگر ایک بار سوچ لینا کیونکہ تم جو تقابلی ادیان کی کتابیں پڑھتی ہو ان میں بھی عالمی مفکرین، فلاسفر اور دانشوروں نے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق کچھ بلکہ بہت زیادہ حد تک اچھی رائے کا اظہار نہیں کیا لہٰذا ہوسکے تو تمہیں ان لوگوں سے دور ہی رہنا چاہیے۔'' کیتھرین کا انداز ناصحانہ تھا ماریا بس مسکرا کر رہ گئی۔

''ان لوگوں کے حلقے سے دور رہنا ہی بہتر ہے جو دوسروں پر بم پھینک کر گولیاں برسا کر ان کی پریشانیوں اور نقصانات کو بہت انجوائے کرتے ہیں۔'' وہ پھر بولی۔

''ہوسکتا ہے ہم تک پہنچائی گئی معلومات، غلط ہوں ہمیں محض اس مذہب یا اس کے اثر سے بچانے کو ہمارے اساتذہ اور رائٹرز نے منفی ویوز دیے ہوں۔'' ماریا نے اپنے خیال کا اظہار کیا تو کیتھرین نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''یہ خیال قرین حقیقت نہیں کیونکہ یہ رائٹرز لوگ عموماً بڑی کھوجی قسم کے ہوتے ہیں، دوسروں کے بارے میں بڑی کرید کرید کر معلومات حاصل کرتے ہیں، یہ لوگ کسی بات کو سرسری نہیں لیتے، اس لئے ان کی ریسرچ، معلومات، یا علم کو ہم یکسر رد نہیں کرسکتے۔''

''کیتھی تم میری اس وقت واحد ہمدرد اور دوست ہو میں تمہیں غلط نہیں کہوں گی، لیکن میرا اپنا شروع سے اپنے مقصد کے متعلق ایک خیال بڑا مضبوط رہا ہے کہ کسی کے مشورے پر عمل نہیں کرنا یہ خوف اور وہم میں مبتلا کر دیتے ہیں، ویسے بھی ایک بات طے ہے کہ خدا نے دنیا میں کوئی بھی شے بے مقصد اور بے کار نہیں بنائی، اس نے تو سانپ کے زہر میں بھی شفا رکھی ہے اور مختلف بہ ظاہر فضول اور بے کار چیزوں میں بھی بہت سے فائدے پوشیدہ رکھے ہیں، تو ان موذی لوگوں میں بھی کچھ باتیں تو کام کی ہوں گی، جو وہ ابھی تک زمانے میں موجود نہیں ہوتا ہے ناں ایسا کہ ایک مثبت سوچ کا شخص، منفی سوچ والے سے بھی کچھ نہ کچھ ضرور سیکھتا ہے، مجھے بھی دیکھنا ہے کہ وہ کون سی خوبیاں ہیں جو اتنے نامساعد حالات کے باوجود ان لوگوں کو محض جذبہ کے زور پر زندہ رکھتی ہیں، وہ بھوکے پیٹ، ننگے تن بھی جہاد کا نعرہ لگاتے لڑتے ہیں تو کس وجہ سے اور ان میں کیا کیا خامیاں، کمزوریاں ہیں جو وہ دنیا بھر میں ناپسندیدہ جانے اور گردانے جاتے ہیں۔''

کتنا کچھ کہہ دیا تھا اس نے اپنے فیصلے کے دفاع میں کبھی یہودیت اپنانے کے لئے بھی وہ یونہی اپنے کلاس فیلوز اور فرینڈز سے بحث کرتی تھی، کیتھرین نے اسے کچھ بے بسی سے دیکھا پھر بہت بے چارگی سے بولی۔

''ماریا ان لوگوں میں وہی فرق ہے جو روشنیوں اور اندھیروں میں ہے یہ ایسے لوگ نہیں جو کچھ نہ بھی کرسکتے ہوں تو بھی خیالوں ہی خیالوں میں ہم جیسوں کو کبھی دیواروں میں چنوا دیتے ہیں، کبھی

خیالوں میں کچھ لوگوں کو ذبح کر رہے ہوتے ہیں اور جو استطاعت رکھتے ہیں وہ پھر طالبان بن کر نوع انسانی کے لئے خطرہ بن جاتے ہیں، ان کی موجودگی خوشگوار اور دوستانہ فضا کو مکدر کر دیتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح گرد وغبار اور دھواں صاف ستھری فضا کو آلودہ کر دیتا ہے۔"

"کیا مسلمان ان ہندوؤں سے بھی زیادہ برے ہیں جو بیوہ عورت پہ زندگی کی خوشیاں حرام کر کے اسے زندہ جلا دیتے ہیں۔" اس کے سوال نے لاجواب کر کے کیتھرین کو یکسر چپ کرا دیا، وہ جان چکی تھی کچھ بھی کہا سنا جائے ماریا اپنے فیصلے سے انچ بھر نہ سرکے گی اس کی ضدی اور تھرلنگ طبیعت کے تجسس سے وہ واقف تھی سو صرف دعائے خیر کر سکتی تھی۔

☆☆☆

میں نے سوچا تھا تیری زلف کے سایوں تلے
اک خواب کا حسین شہر کروں گا آباد
جن کے ہاتھوں میں ہو سورج کی کرن کی تقسیم
ایسی صبحوں سے بہت دور، افق کے اس پار

بہت معطر فضا میں لپٹا کمرہ، دلفریب اور خمار آلود خواب کا منظر پیش کر رہا تھا، گلاب و موتیا کے تر و تازہ پھولوں کی لڑیاں انتہائی مہارت و خوبصورتی سے بیڈ کے اطراف میں سجائی گئی تھیں اور وسط میں امپورٹڈ مخملی بیڈ شیٹ کے اوپر جا بجا بکھری گلابی پتیاں بہت انفرادی پچ لئے لگا بلیک وڈ فرنیچر سب بے حد دلکشی سمیٹے ہوئے تھا، اس کے استقبال کو یہاں پہلے سے نزہت آنٹی اور صبا پہنچ چکی تھیں اور انہیں بٹھانے پانی پلانے کے بعد نئے سرے سے مووی سیشن شروع ہو چکا تھا، جبکہ مہندی کی رات بھی جاگتے رہنے کی تھکن اور دن بھر ایک ہی پوزیشن میں اکڑ کر بیٹھے رہنے کی وجہ سے اس کی کمر تختہ ہو چکی تھی، خوابیدہ اعصاب اور تھکن زدہ جسم دل چاہ رہا تھا بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کے اک لمبی اور خوشگوار نیند لے لے، مگر خوشگواریت کے لمحے تو شاید اب اک لمبے عرصہ کے لئے اس کی قسمت سے روٹھ چکے تھے بس ایک روح کو جھلسا دینے والی آگ تھی اور شکستگی کا گہرا احساس جو اسے اپنی لپیٹ میں کچھ یوں لئے تھا کہ ان دلکش لمحات کا حسن و دلفریبی موجودہ رشتے کی بے اختیاری و نزاکت کے ساتھ شب عروس کی اولیں جادوگری کچھ بھی اس کے اعصاب پہ کارگر نہ ہو رہا تھا، اک متاثر کن پرسنالٹی، شاندار حیثیت کا مالک وجیہہ اور ہینڈسم بندہ اس کے قریب سب کچھ بنا بیٹھا تھا اور وہ خود کیسے شعلہ فشاں حسن کی آب و تاب لئے نگاہوں کی خیرہ کر رہی تھی کچھ بھی تو اس کے احساسات کو مہکانے میں ناکام تھے، اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک کے بجائے ہار کا دھواں سا اٹھ رہا تھا اور وہ پلکیں جھپک جھپک کر بار بار امنڈتے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتی اپنے اندر ہی کہیں مدغم کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ خدا خدا کر کے مووی سیشن تمام ہوا اور وہاج مووی میکر کو رخصت کرنے باہر نکلا تو وہ اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی چہار اطراف دیکھنے لگی، دروازے سے لے کر بستر تک کمرہ پورے کا پورا بہت خوبصورت ڈیزائننگ کلر اسکیم اور مکمل ڈیکوریشن لئے تھا، صبا جو اپنے گھر واپسی کے لئے تقریباً تیار تھی اس کے ہاتھ تھامتی لجاجت اور نرمی سے بولی۔

"سنعیہ تم نے بہت حوصلہ دکھایا میں تم آخر تک ڈرتی رہی تمہارا ضبط ٹوٹنے کے ڈر سے، جیسی سمجھ داری اب تک دکھائی ہے آگے بھی اسی سے کام لینا کوئی بیوقوفی نہ کرنا شہریار بھائی بہت اچھے ہیں اور تم بہت لکی کہ جو شادی سے قبل ہی ان کی پسندیدگی کی سند حاصل کر چکی ہو، فضول کے مفروضوں میں پڑ کر زندگی کے یہ خوبصورت اور دلکش لمحات ضائع مت کرنا پھر بساط بچھ ہی چکی تو یہ بھاگنا، دوڑنا، فرار اور حقیقت کو جھٹلانا کیسا جب گیم سٹارٹ ہے تو کھیلنے میں کیا حرج؟ وہ بہت مخلص اور محبت کرنے والے شخص ہیں اور یاد رکھنا شادی شدہ عورت کے لئے گھر اور باہر یہ محبت و احترام ہی معتبر و منظور نظر ہونے کی سند جاری کرتا ہے، تمہیں اپنا مقام مضبوط کرنا ہے کمزور نہیں کہ تم اب وہ لاابالی اور ضدی سنعیہ نہیں ایک سہاگن ہو اور سہاگن وہی جو پیا من بھائے۔"

صبا اسے ملتی ہوئی اٹھی تو وہ بدقت مسکرا پائی کہتی کیا کہ دل میں فقط درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں کاریڈور میں شہریار کو روک کر بھی اس نے بہت ملتجی انداز میں استدعا کی تھی۔

"شہری بھائی آپ اچھی طرح جانتے ہیں سنعیہ تھوڑی موڈی اور غصیلی ہے مگر دل کی بہت اچھی اور نرم مزاج ہے وہ ابھی تک اس تعلق کے تقاضے و لوازمات سمجھ نہ پائی ہو تو پلیز ذرا درگزر سے کام لیجئے گا ویسے بھی بے اعتنائی خواہ کیسی شدید ہو محبت اپنا آپ خود منوا لیتی ہے، سو پلیز محبت کو محبت سے ہی برتیئے گا باقی سب اللہ ٹھیک کرے گا۔"

"صبا تم اتنی کانشس نہ ہو تمہاری دوست کتنی روڈ اور اکھڑ ہو تمہارا بھائی بہت سمجھ دار ہے۔" شہریار نرمی سے بولا تو وہ گہرا سانس لیتی الوداعی سلام کر کے پلٹی۔

"اتنی رات میں اکیلی جاؤ گی میں ڈرائیور کو ساتھ بھجواتا ہوں۔" شہریار نے اسے روکا۔

"اگین تھینکس بھائی، ہمارا ڈرائیور اور گاڑی موجود ہے۔" وہ ممنونیت سے مسکرائی۔

"او کے بیٹا خیال رکھنا سنعیہ کا صبح ملاقات ہو گی۔" نزہت نے اس کا شانہ تھپکا اور وہ احتراماً ان کو سی آف کرنے گیٹ تک ساتھ گیا۔

سنعیہ جو زیور وغیرہ اتارنے کی غرض سے بمشکل اپنے بھاری بھر کم عروسی ملبوس کو سنبھالتی سنگھار میز تک آئی تھی، اپنے سجے سنورے سراپے پر نگاہ پڑی تو ایک پل کو خود بھی دنگ رہ گئی کس قدر ماورائی روپ اور شعلہ فشاں حسن تھا اور یہ سب سجاوٹ اس شخص کے لئے تھی جس کو اس نے ہر لمحہ اپنے خیال و ذہن کے دریچوں سے جھٹکنے کی کوشش کی تھی اور پھر اپنے ماما، پاپا کو ہر تکلیف سے بچانے کی خاطر اس نے اس بے مہر اور سنگدل شخص کا ساتھ جبراً قبول کیا تھا اور اس جبراً قبولیت کے بعد کیا ہونے والا تھا، سوچتے ہی سنعیہ کا دل ڈوبنے لگا، کہ اسی پل کمرے کا دروازہ کھلا، قدموں کی چاپ ابھری اور قریب آ کر رک گئی، سنعیہ کی دھڑکنیں تھم سی گئیں اور وجود جیسے ساکت ہو گیا تھا، آئینے کے سامنے کھڑی وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش بھی بھول چکی تھی اور شہریار خان اسے بہ غور دیکھ رہا تھا۔

دلہناپے کا دلآویز اور دلفریب روپ سجائے کومل و نازک سا سراپا سوگوار سے چہرے پر چھائی ملامت اور معصومیت ایک خواب جو تعبیر میں ڈھل چکا تھا جس کے اپنا ہونے کی خوشی سارے وجود کو حصار میں لئے ہوئے تھی اور سنعیہ اس کی بھوری آنکھیں آنچ دینے لگیں یہ سوچتے ہی،" کہ وہ اب

تنہا یہاں اس شخص کے رحم وکرم پہ ہو گی جس سے اچھائی کی کوئی امید نہ تھی نہ جانے کیسے لمحوں نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا، اس پل سارا اندر دھواں دھواں ہوا تھا شہریار نے ذرا سا ہاتھ بڑھا کر اس کا جھکا چہرہ کسی قدر اوپر اٹھا دیا تھا اور مسکرایا تھا پھر اپنی نگاہیں اس کے دلنواز سراپے پہ دوڑاتے ہوئے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک چھوٹا سا مخملی کیس نکالا اور ڈائمنڈ لگی گولڈ کی جگمگاتی رنگ اس کے نازک شانوں کو تھاما تھا اور سعیہ کے پورے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی پھر اپنے بازو کے حصار میں لئے بیڈ کی طرف بڑھنے لگا اس کے دل کا عجیب حال تھا وجود کسی قیامت کے زیر اثر تھا، اک الاؤ تھا جو سارے وجود میں جل رہا تھا، اسے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے وہ کوٹ اتارتا ڈریسنگ روم میں چلا گیا، سعیہ نے اپنے ہاتھ میں چمکتی انگوٹھی کو دیکھا جس پہ شہریار کا لمس تھا، وہ اندر آیا اور اس کے سامنے آ بیٹھا۔

شہریار کے لبوں پہ اک دلکش مسکراہٹ تھی، آنکھوں میں مسکراہٹ کے ساتھ عجب سرشاری کا احساس ہلکورے لے رہا تھا کیسا تفاخر زدہ اور فاتحانہ انداز تھا اور ٹھیک تو تھا فاتح ہی تو تھا وہ شکستہ تو وہ تھی، صورتحال کو اپنے بس میں کر کے وہ کتنا مطمئن اور پرسکون نظر آ رہا تھا، جبکہ وہ خود کو ابتک ساتنک و جامد محسوس کر رہی تھی بے تاثر بن جانا اتنا آسان نہیں ہوتا اور ان معاملات میں تو قطعاً نہیں جو آپ سے ملتے ہوں، اس کے لئے بھی یہ عمل جھیلنا آسان نہ تھا مگر راہ فرار میں اختیار سے باہر تھی یہ وہ شخص تھا جس کے سامنے ہمیشہ وہ سر جھکائے کھڑی ہوتی تھی مگر اس لمحے اس پل اس کا غرور، تمکنت اور نسوانی وقار سب مٹی کا ڈھیر دکھائی دے رہے تھے، مصلحت کے تقاضے کچھ بھی سہی مگر وہ خود کو اپنے طے شدہ اصولوں کے مقام سے نیچے نہیں لا سکتی تھی، مگر خود کو مضبوط کرنے کے باوجود اس میں کچھ کہنے یا بولنے کی ہمت ابھی ناپید تھی، اس شخص کے سامنے خود کو ارزاں کرنا اسے کسی طور گوارہ نہ تھا مگر شکست خوردگی کا احساس اتنا شدید تھا کہ تحیر زدہ نگاہیں پانیوں سے بھیگتی چلی گئی اور شہریار خان نے محظوظ ہوتے ہوئے تاسف سے نفی میں سر ہلایا پھر اس کے رخسار کو ہولے سے تھپتھپا کے مسکرا کے کہا تھا۔

''بس اتنی ہمت کی مالک تھیں تم سعیہ خان اور چلی تھیں اپنا ضبط آزمانے، حوصلہ نہیں تھا تو ایسے قدم کیوں اٹھایا؟'' وہ خالی نظروں سے بس دیکھ کر رہ گئی، جبکہ شہریار کے لبوں پہ مسکراہٹ اور گہری ہو گئی، کیسا لمحہ تھا جو اسے منوں مٹی تلے اتارتا جا رہا تھا، وہ گنگنایا تھا کچھ۔

تیرے اختیار سے باہر، میری پناہ سے فرار

اور اعصاب چونکنے کے ساتھ اس کی صبیح پیشانی بھی عرق آلود ہوئی تھی۔

(جاری ہے)

''مبارک باد''

ہماری پیاری مصنفہ فلک ارم ذاکر دو نومبر کو پیا گھر سدھار گئیں، ادارہ حنا کی طرف سے فلک ارم ذاکر کو دلی مبارک باد۔

جب کوئی مسلمان نماز ادا کر رہا ہوتا ہے تو ایک فرشتہ پکارتا ہے کہ ”اے نمازی اگر تو دیکھ لے کے تیرے سامنے کون ہے اور تو کس سے بات کر رہا ہے تو اللہ کی قسم تو قیامت تک سلام نہ پھیرے۔“ آمنہ بی بی نے بہت امید سے نوید کی طرف دیکھتے ہوئے رسانیت سے کہا تو عزیز احمد نٹ سے بول پڑے۔

”بیوی! یہ بات نمازی کو مخاطب کر کے کہی گئی ہے بے نمازی کو نہیں۔“

”اللہ نے خود فرمایا ہے کہ مجھے تمہاری نمازوں کی ضرورت نہیں ہے۔“ نوید نے کمال بے نیازی سے جواب دیا۔

”لو اور سنو۔“ عزیز احمد نے آمنہ بی بی کو ابرو کے اشارے سے نوید کی طرف توجہ دلائی اور سر جھٹک کر بائیک کھینچتے ہوئے باہر نکل گئے۔

”اللہ کو نہیں ہے ضرورت، پر ہمیں تو ہے ضرورت نمازوں اور سجدوں کی۔“ آمنہ بی بی نے بیٹے کو سمجھانے کی کوشش کی۔

”ہاں تو تم پڑھو نمازیں، کیے جاؤ سجدے، مجھے جب ضرورت محسوس ہوگی میں بھی ماتھا ٹیک دوں گا اس کے سامنے۔“ نوید احمد نے کینوس پہ آڑھی ترچھی لکیریں کھینچتے ہوئے بیزاری سے جواب دیا۔

”تجھے تو اللہ سمجھے نوید احمد۔“

”ہاں ہاں! ہر کام اللہ پر چھوڑ دو خود کچھ نہ کرنا پہلے اپنا عمل پورا کرو، پھر چھوڑو اللہ پہ، خود تو ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھے رہیں گے، کام جو کرنے کے ہیں اللہ پہ چھوڑ دیں گے، تسبیح و وظائف کیے جاؤ بس کوشش مت کرا، انسان گھر سے باہر نکلتا ہے اچھے لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے، تعلق بناتا ہے اولاد کا اس کے مستقبل کا سوچتا ہے مگر تمہیں جی ادھر تو بنے بنائے تعلقات بھی خراب اور ختم کیے جا رہے ہیں، ہر مسئلے کا حل آپ لوگوں کے پاس ایک ہی ہے اور وہ ہے بائیکاٹ، تعلق منقطع کر، ملنا جلنا ختم کر دو، منہ پھیر کے چپ سادھے بیٹھے رہو، اس سے کیا ہوگا کبھی سوچا بھی ہے آپ لوگوں نے؟ آپ لوگ ساری دنیا سے کٹ کے رہ جاؤ گے، خود ہی اکیلے ہوتے چلے جاؤ گے، کل کو کوئی ہمارے جنازے کو کندھا دینے والا بھی نہیں ملے گا، بلکہ یہ والے آ کے دفنا جائیں تو ان کی مہربانی سمجھنا۔“

نوید احمد کے اندر نجانے کب سے لاوا ایک رہا تھا جو یکا یک آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا تھا، کینوس پر اس کا ہاتھ غصے میں تیزی سے بے ترتیب لکیریں گھسیٹ رہا تھا، کینوس کے بدن پر اس کے اندر کا غصہ اتر رہا تھا، برش نیزے کی طرح کینوس شیٹ کا بدن چاک کر رہا تھا۔

”ہائے اللہ نہ کرے کہ ہمیں بلکہ یہ والے آ کے دفنائیں ہم کوئی لاوارث تو نہیں ہیں، شرم تو نہیں آتی ماں باپ سے بدتمیزی کرتے، جو منہ میں آتا ہے بکے چلا جاتا ہے، یہی سکھایا ہے ہم نے تمہیں، نہ نماز، روزے کے، نہ کام کاج کے بس زبان ہے ڈھائی ہاتھ کی جتنی مرضی چلوا لو، بکتے شرم نہیں آتی، آنکھوں کا پانی مر گیا ہے تیرا تو۔“ آمنہ بی بی بھی غصیلے اور تیز لہجے میں چیخ پڑیں۔

”اور آپ لوگوں کا احساس ذمے داری مر گیا ہے، دو بیٹیوں کو پینتیس اڑتیس سال کی عمروں میں بیاہ کے سمجھتے ہیں بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، اتنی پکی عمروں میں بیٹیوں کے رشتے بھی تو ایسے اعلیٰ پائے کے لوگوں میں ملنے تھے نا، فرحت اور رفعت باجی دونوں کے سسرال والے لالچی، گھٹیا اور کمینے ہیں، خوش نہیں ہیں وہ اپنے گھروں میں، مگر خوش نظر آنے کا ناٹک بہت اچھا کرتی ہیں تا کہ آپ کو اور ابو کو دکھ نہ ہو، بہت بیٹھے بن بن کر ملتے تھے نا ان لوگوں سے وہ تو آسمان پر پہنچے ہی تھے اب بھگتو، آپ کیا بھگتیں گے، بیٹیاں ہیں نہ وہاں بھگتنے کے لئے ان کو تو مفت کی نوکرانیاں مل گئی ہیں اور پیسہ بھی ہر مہینے کچھ نہ کچھ کما ہی لیتی ہیں بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر، ایسی شادی سے بہتر تھا کہ وہ اسی گھر میں جل کڑھ کر مر جاتیں، آپ کا کیا وہ بھگت رہی ہیں سسرال میں۔“ نوید نے تیز اور تلخ لہجے میں کہتے ہوئے کینوس شیٹ پھاڑ ڈالی۔

”وہ کیوں بھگتیں گی، ان کے سسرال والے بھگتیں گے اور برباد ہوں گے ان کے سسرال والے۔“ آمنہ بی بی نے جلے دل سے بددعا کی۔

”بس امی حضور آپ کا زور بھی زبان پر ہی چلتا ہے جتنی مرضی چلا لو، ہونہہ آپ کی دعائیں تو لگتی نہیں ہیں بددعائیں لگیں گی انہیں۔“ نوید احمد نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

”چپ کر جا نوید ورنہ قینچی سے تیزی زبان کاٹ دوں گی۔“ آمنہ بی بی غصے سے بولیں۔

”کس کس کی زبان کاٹیں گی امی حضور، ذرا باہر نکل کے دیکھیں محلے والے کیا اور خاندان کیا بھی جگہ لوگ ہماری باتیں کر رہے ہیں، مذاق اڑا رہے ہیں کہ عزیز احمد اور آمنہ نے اتنی پکی عمروں میں بیٹیوں کی شادیاں کی ہیں اور وہ بھی اپنے سے انتہائی کم حیثیت لوگوں میں بھئی جب غریب اور بھوکے ننگے، ندیدے لوگوں میں ہی بیٹیوں کو بیاہنا تھا تو اتنے برس کیا سوچ کے انہیں گھر بٹھائے رکھا، پہلے ہی کسی غریب کے ساتھ رخصت کر دیا ہوتا کسی نوجوان سے تو شادی ہو جاتی۔“

”بس چپ کر جا، لوگوں کی خوب کہی تو نے لوگ تو کسی بھی حال میں چین نہیں لینے دیتے، مر جاؤ تو تب بھی کہہ دیں گے کہ ابھی تو اس کے مرنے کے عمر نہیں تھی ابھی کیوں مر گیا، لوگوں کی زبان تو زہر اگلتی ہی ہے اب اگر ہم وہ زہر اپنے حلق میں اتار لیں تو جی لئے ہم تو۔“ آمنہ بی بی نے تلخی سے کہا تو نوید پانی کا گلاس غٹاغٹ خالی کر کے گلاس میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

”آپ کچھ بھی کہہ لیں امی حضور، لیکن ابو کا قصور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، مگر ان کا بھی قصور نہیں ہے، وہ تو خود ابھی تک اپنے آپ کو نوجوان سمجھتے ہیں، دوسروں کی جوان بیٹیوں کے چاند چہروں پر جن کی نظر ٹکتی ہو انہیں اپنی بیٹیوں کے سر میں اترتی چاندی کیوں نظر آنے لگی؟ ان کے چہروں میں چھپی سلوٹیں مرجھائی ہوئی صورتیں ان کی آنکھوں کی ماند پڑتی جوت اور بینائی ان کو کہاں نظر آئے گی، انہیں تو اپنی آنکھوں کی روشنیاں بڑھانے سے ہی فرصت نہیں ہے ادھر ان کی اولاد کی آنکھوں کے خواب مر رہے ہیں اور وہ غیر کی اولادوں کو بیٹیوں کو دیکھ دیکھ کر جی رہے ہیں۔“

”بدتمیز شرم نہیں آئی تمہیں اپنے باپ کے بارے میں ایسی بے ہودہ باتیں کرتے ہوئے۔“ آمنہ بی بی نے غصے سے بے قابو ہو کر نوید کے گال پر تھپڑ جڑ دیا۔

”نہیں آئی مجھے شرم، کیونکہ میں ایک بے شرم باپ کا بیٹا ہوں۔“ نوید احمد لرزتی آواز میں بہت ضبط سے بولا۔

”اب میں ایک لفظ نہ سنوں تمہاری زبان سے اپنے باپ کے خلاف سمجھے۔“

”مجھے تو چپ کروا سکتی ہیں آپ لوگوں کی زبانیں نہیں پکڑ سکتیں، دعا کریں کے وہ وقت نہ آئے کے لوگوں کی زبانوں کا شور آپ کے

کانوں کے پردے پھاڑنے لگے، سمجھا لیجئے، اپنے مجازی خدا کو کہ من کو اپنے دل کو پاک صاف کر کے مصلے پر کھڑے ہوا کریں، پاپی من کے ساتھ زمین پہ ٹکریں مارنے اور دکھاوے کی نمازیں ادا کرنے سے عبادت کا حق ادا نہیں ہوتا۔" یہ کہہ کر وہ رکا نہیں تھا غصے میں گھر سے باہر نکل گیا تا کہ تازہ ہوا میں سانس لے سکے، آمنہ بی بی گہری سوچ میں گم جہاں کی تہاں بیٹھی رہ گئیں۔

☆☆☆

عزیز احمد دوہرے معیار اور مزاج کے آدمی تھے، ایک جنرل اسٹور کے مالک تھے، ایک دکان کرایے پہ دے رکھی تھی، جس کا کرایہ پچیس ہزار ہر مہینے آتا تھا، پیسے کی تنگی نہیں تھی، دل کی تنگی تھی، گھر والوں پر خرچ کرتے ہوئے ان کو کبھی دلی خوشی نہیں ہوتی تھی، اپنا فرض بھی وہ احسان سمجھ کر جتایا کرتے تھے، چار بیٹیاں تھیں ایک بیٹا تھا فرحت اور رفعت کی شادی پینتیس اور چھتیس سال کی عمر میں کی تھی انہوں نے دونوں نے بی اے کیا تھا، گھر داری میں تاک تھیں، اچھی شکل صورت کی مالک تھیں، مگر عزیز احمد نے انہیں وقت پر نہ بیاہ کر ان کے دل کے ارمان اور جینے کی امنگ ہی ختم کر ڈالی تھی، یوں تو کہتے ہیں کہ نکاح کا ایک وقت مقرر ہے جب وہ وقت آتا ہے تو پھر لمحہ لگتا ہے دو اجنبی ایک ہو جاتے ہیں، دونوں بیٹیاں رشتے داروں میں بیاہی گئیں تھیں اور ان لوگوں نے بھی زیادہ جہیز کے لالچ میں شادی کی تھی اور یہ بھی سوچ رکھا تھا کہ عزیز احمد دامادوں کو پیسہ لگا کر کوئی چھوٹا موٹا کاروبار بھی کروا دیں تو کیا ہی اچھا ہو، ان کا لالچ دونوں بہنوں فرحت اور رفعت پر کھل چکا تھا اور وہ دونوں ہی دکھی تھیں اور کوشش میں لگی رہتی تھیں کہ

کسی طرح اپنے اپنے شوہر کو راہ راست پر لا سکیں، ان کے بعد مسرت اور عزت تھیں، دونوں ایم اے کر کے گھر بیٹھی تھیں اور تمیں بتیس کی ہو رہی تھیں، نوید احمد سب سے چھوٹا تھا، پتنگ بازی کا شوق تھا، ویسے اس نے میتھ اکنامکس انگلش میں ماسٹرز کیا تھا اور ایک بینک میں جاب کر رہا تھا، بہت شاندار تنخواہ تھی اس کی اس لئے رشتے بھی خوب اچھے آرہے تھے عزیز احمد نے بھی کئی جگہ اس کی شادی کا خیال ظاہر کیا مگر نوید نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کے اس کی بہنوں کی شادیاں ہوں گی پھر وہ اپنی شادی کے بارے میں سوچے گا، اس معاملے پر کئی بار باپ بیٹے کے بیچ تلخ کلامی بھی ہو چکی تھی، عزیز احمد نے تو اسے نافرمان اولاد قرار دے دیا تھا اور نوید نے انہیں شوقین مزاج باپ کہہ کر ان کے غصے کو دعوت دے ڈالی تھی، نوید کو باپ کے مشاغل سے بھی سخت چڑ تھی، ڈش کیبل عزیز احمد کے کمرے میں لگی تھی اور ان کے کمرے میں تو ان کی بیوی آمنہ بی بی بھی سوائے کمرے کی صفائی کرانے کے نہیں جا سکتی تھیں، عزیز احمد کا دل ہوا سب کے ساتھ بیٹھ کر ہنسی مذاق کر لیا ورنہ ہر وقت سختی الفاظ اور لہجے رویے اور عمل سے ظاہر کرتے تھے، آمنہ بی بی ڈری سہمی رہتی تھیں، بیٹیوں میں اعتماد کی کمی ہو گئی تھی، ہر آنے والے رشتے میں سو عیب نکالے جاتے اور پھر انکار کر دیا جاتا، نوید تو صاف کہتا تھا کہ ابو بیٹیوں کو بیاہنا ہی نہیں چاہتے، پھر نجانے کیوں رفعت اور فرحت باجی کی شادی پھپھو اور تایا کے گھر ہو گئی تھی، بقول نوید کے ان کے بیٹوں کے نالائقی کی وجہ سے کسی نے انہیں منہ نہیں لگایا، ان کے روز روز نوکری چھوڑنے کی عادت کے سبب کوئی شخص انہیں اپنی بیٹی دینے کو تیار نہیں تھا، عزیز احمد کو انہوں نے

چکنی چپڑی باتیں کر کے ان کی جھوٹی تعریفیں کر کے جھوٹی محبت جتا کر رشتے کی گہرائی کا احساس دلا کر رام کر لیا تھا اور یوں فرحت اور رفعت باجی کی شادی ہو گئی تھی، عزیز احمد کو بیٹیوں کے سروں میں اترتی سفیدی تو نظر نہیں آتی تھی مگر اپنے سر کے بال ہر مہینے رنگواتے تھے، نمازیں پوری پڑھتے تھے اور گھر میں بھی سب کو تلقین کرتے تھے، گالی دینا بھی جائز سمجھتے تھے اور پھر واعظ دینے بھی بیٹھ جاتے تھے گھر کا ماحول ہر وقت گھٹا گھٹا سا اور ٹینس رہتا تھا، دکھاوے کی نمازیں اور فرائض تھے جو وہ ادا کر کے گویا احسان کرتے تھے، جمعے اور عید بقر عید کی نماز ہمیشہ مسجد اور عید گاہ جا کر ادا کرتے تھے، باہر لوگوں سے اخلاق ایسا اچھا کے لوگ ان کی مثال دیا کرتے اور گھر میں زبان اتنا زہر اگلتی کے گھر والے ان سے پناہ مانگا کرتے، جتنی دیر وہ گھر سے باہر رہتے گھر والے کھل کر سانس لیتے تھے، ان کے گھر میں داخل ہوتے ہی سب کی سانسیں بھی پھونک پھونک کر قدم رکھتی تھیں، باہر وہ آتی جاتی عورتوں پر گہری نظر رکھتے، جنرل سٹور پر اکثر خواتین آیا کرتی تھیں جو من کو بھا گئی اس کو سودا انتہائی سستا دیا جاتا دوسری تیسری بار آ جاتی تو مفت بھی دے دیتے تھے، عورتیں بھی ان کو بیوقوف بنا جاتی تھیں، عورت، مرد کی آنکھوں کی زبان خوب سمجھتی ہے وہ دیکھ لیتی کے عزیز احمد بچھا چلا جا رہا ہے تو وہ بھی ایک دو جملے ہنسی مذاق میں بول دیتی اور عزیز احمد ریٹ کم کر دیتے اور پھر انتظار کرتے کے وہ دوبارہ ان کے سٹور پر آئے گی، مگر بار بار تو دو چار ہی آئی تھیں، خوب سودا سلف خریدا، معمولی سی رقم اور بڑے بڑے قہقہے تھما کر چلی گئیں۔

عزیز احمد بیٹیوں کو کالج چھوڑنے اور لینے جاتے تو وہاں بھی ہر لڑکی پر نظر رکھتے اور بیٹیوں سے پوچھتے ہی رہتے کے وہ کون تھی؟ کس کے ساتھ پڑھتی ہے؟ کس کی بیٹی ہے؟ کبھی کبھی بس اسٹاپ پر کھڑی لڑکیوں کو سٹی بجا کر چھیڑنے کو بھی ان کا دل مچلتا مگر وہ نوجوان لڑکوں کی طرح ایسا کبھی کر نہ سکے، کیونکہ انہیں اپنی ساکھ کی بھی فکر رہتی تھی کے کسی جاننے والے نے واقف کار نے دیکھ لیا تو عزت منوں مٹی میں مل جائے گی، وہ ستاون برس کے تھے مگر اپنی عمر سے دس بارہ سال کم ہی نظر آتے تھے، اچھی خوراک، اچھی نیند، بے فکری تھی پھر بھلا صحت کیوں خراب ہوتی، بیٹیوں کے بیاہ کی کبھی ٹینشن ہی نہیں لی تھی، انہوں نے کہتے تھے کہ جب ان کے نصیب میں ہوگا ہو جائے گی شادی یہ تو اللہ کے کام ہیں میں کیوں ٹینشن لوں؟

☆☆☆

موسم بہت سہانا ہو گیا تھا یکا یک ابھی تو دن کے ساڑھے گیارہ بجے تھے، آسمان پر چھائی کالی بدلیاں بارش کی طرف اشارہ کر رہی تھیں، عزیز احمد کے جنرل اسٹور پر آج صبح صبح ہی کافی بکری (سیل) ہو گئی تھی، وہ بہت خوش تھے اور موسم کے تیور دیکھ کر انہوں نے گھر جا کر موسم انجوائے کرنے کا سوچا گھر فون کر دیا کے پکوڑے اور حلوہ پکانے کی تیاری کر لو بارش ہو گی تو کھانے کا لطف آئے گا، مسرت بیسن نکال کر پکوڑوں کے لئے گھولنے لگی۔

عزیز احمد نے اپنے ملازم کو بارش تک سٹور پر بیٹھنے کا حکم دیا اور بارش ہو جانے پر اسٹور بند کر کے چھٹی کرنے کا کہا تو وہ بھی خوش ہو گیا اور عزیز احمد اپنی بائیک لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گئے، تیز ٹھنڈی ہوا بادلوں کی گرج، بجلی کی چمک ان کے مزاج کو مزید عاشقانہ بنا رہی تھی، ان کی

نگاہوں کی آوارگی پھر سے عود آئی تھی، موسم انجوائے کرنے کی غرض سے کئی نوجوان گروپ کی شکل میں سڑکوں پر نکل آئے تھے، لڑکیاں بھی باؤں کے ساتھ بچوں کے ساتھ واک کر رہی تھیں، عزیز احمد کی بائیک کا رخ آپ ہی آپ دوسری جانب ہو گیا، بس اسٹاپ پر اس وقت دو تین لڑکیاں بس کے انتظار میں کھڑی تھیں، عزیز احمد کی بائیک خود بخود ایک برقع پوش لڑکی کے قریب آ کر رک گئی کیونکہ وہ لڑکی انہیں بہت گھبرائی ہوئی لگی تھی شاید موسم خراب ہونے کی وجہ سے، بس لیٹ ہو جانے کے سبب یا پھر اسے گھر پہنچنے کی جلدی تھی اور اس کی یہ پریشانی برقعے میں ہونے کے باوجود عزیز احمد کی عقابی نظروں نے بھانپ لی تھی۔

''کیوں بھئی کس کا انتظار ہے؟'' عزیز احمد نے برقع پوش لڑکی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر بڑے مشکوک انداز میں سوال کیا تو وہ سٹپٹا کر ایکدم پیچھے ہٹی۔

''لفٹ چاہیے کہاں جانا ہے آؤ بیٹھو میں لفٹ دے دیتا ہوں۔'' عزیز احمد نے بڑے لفنگے انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ابو! میں ہوں آپ کی عزت۔'' اس مانوس سی آواز کے ساتھ نقاب الٹا تھا، نقاب کیا الٹا تھا عزیز احمد کی دنیا ہی الٹ گئی تھی، وہ جس لڑکی کو پرائی لڑکی سمجھ کر چھیڑ رہے تھے وہ ان کی اپنی بیٹی عزت تھی، انہیں ایک پل میں زمین آسمان گھومتے دکھائی دے رہے تھے، ایسا لگ رہا تھا جیسے پوری کائنات ان پر ہنس رہی ہو، سورج بھی مارے شرم کے سیاہ بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا تھا، انہیں اپنے اعمال کی سیاہی اپنے چہرے پر صاف نظر آ رہی تھی، کیونکہ جب کچھ نظر نہیں آتا، تب بھی اندھیرا صاف نظر آتا ہے، عزیز احمد کو لگا جیسے ان کی بیٹی نے ان کے چہرے پر طمانچہ [illegible] بس آ گئی تھی اور وہ اس میں بیٹھ کر گھر جا چکی تھی اور عزیز احمد کو کسی اور رستے پر ڈال کر بے بس اور بے جان کر گئی تھی، دوسروں کی بیٹیوں پر بری نظر رکھنے والے عزیز احمد کو آج قدرت نے ان کی اپنی بیٹی کی نظروں سے گرا دیا تھا اور خود اپنی نظروں میں تو وہ ایسے گرے تھے کے اٹھنے کی تاب بھی نہ تھی، عزت تو کب کی بس میں سوار ہو کر گھر کی جانب جا چکی تھی لیکن عزیز احمد...... ذلت کی جس بس میں سوار ہوئے تھے اس کی کوئی منزل تھی نہ ٹھکانہ، کوئی گھر تھا نہ آستانہ، انہیں ہر طرف لعنت، ملامت اور ذلت ہی ذلت دکھائی دے رہی تھی، وہ ندامت شرمساری اور پچھتاوے کی ایسی گہری کھائی میں جا گرے تھے کہ وہاں سے نکلنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی محسوس ہو رہا تھا، ایک لمحے کی کمزوری نے ایک عمر کی ریاضت خاک میں ملا دی تھی، ان میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی اب کے وہ گھر کا رخ کرتے، بیٹی کا سامنا کیسے کریں گے وہ؟ یہ خیال ہی انہیں ذہن میں گاڑھے جا رہا تا، وہ بارش میں بھیگ رہے تھے، ندامت اور ذلت کی بارش میں اور اوپر آسمان بھی برس رہا تھا، شاید ان کے آنسوؤں کا بھرم رکھنا چاہ رہا تھا، راہ چلتے لوگوں کی نظروں میں ان کے آنسوؤں کو بارش کے پانی میں جذب کر کے۔

''میں معافی مانگ لوں گا ان سب سے، عزت سے۔'' عزیز احمد کے لب ہلے وہ بائیک پارک کے قریب کھڑی کر کے سنگی بینچ پر آ بیٹھے تھے۔

''معاف، کس کس بات کی معافی مانگو گے تم اپنی بیٹیوں سے؟'' دماغ نے جرح کی۔

''بیٹیوں کے خواب ریزہ ریزہ کرنے کی

معافی انہیں بڑھاپے کی دہلیز تک پہنچانے کی معافی، یا ان کے حصے کی محبت و شفقت پرائی لڑکیوں میں بانٹنے کی معافی؟ کس کس بات کی، کس کس زیادتی اور ناانصافی کی معافی مانگو گے تم ان سے؟ بیوی کو ہمہ وقت لونڈی سمجھنے کی معافی، اسے لعن طعن کرنے ذلیل کرنے کی معافی؟ بیوی تو تمہاری سدا کی صابر شاکر عورت ہے، اللہ میاں کی گائے ہے جسے ساری زندگی تم نے ملازمہ بنائے رکھا نہ اس کے جذبات و احساسات کا خیال رکھا، نہ اس کی محبت اور خدمت کی قدر کی، تم نے اس سے تو اپنی ضرورت پوری کی مگر کبھی اس کی ضرورت کا خیال نہیں رکھا، تم نے بچوں کی ضروریات بھی رلا رلا کر ترسا ترسا کر پوری کیں، ان سے اپنی خدمت تو خوب کروائی اپنا حق سمجھ کر لیکن اپنا فرض بھی تم نے ادا کیا تو احسان جتا جتا کر، تم ہمیشہ اپنی ذمے داریوں سے جان چھڑاتے رہے، تم نے ذمے داریوں کو ہمیشہ بوجھ سمجھا، چار پیسے تم گھر میں دیتے تھے اور چار سو گالیاں، کس کس ظلم کی معافی مانگو گے تم عزیز احمد؟'' ایسے بہت سے سوالوں کا بوجھ ان کے کندھوں پر ہی نہیں دل پر بھی بوجھ کی طرح بڑھ رہا تھا، پہاڑ محسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

''تمہارے ابو کہاں رہ گئے؟ فون کر کے کہہ رہے تھے کہ آدھے گھنٹے میں گھر پہنچ رہا ہوں، خدا جانے کہاں پہنچ گئے؟''

آمنہ بی بی نے فکرمندی سے کہا نظریں دروازے پر جمی تھیں، عزت گم صم سی بیٹھی تھی، مسرت اور نوید خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے، عزت یونیورسٹی سے اپنی ایم اے کی ڈگری نکلوانے گئی تھی، کیونکہ آج کل وہ جاب کرنے کا سوچ رہی تھی، جانتی تھی کے اجازت نہیں ملے گی لیکن وہ کوشش کرنا چاہتی تھی اور یونیورسٹی سے واپسی پر جب وہ اپنے روٹ کی بس کے انتظار میں بس اسٹاپ پر کھڑی تھی تو عزیز احمد کی بائیک کو اپنے قریب رکتی دیکھ کر گھبرا گئی تھی، اس سے پہلے کے وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتی عزیز احمد کی زبان سے نکلے الفاظ نے اسے حیرت دکھ اور صدمے سے چور ہو گئی تھی، اپنے باپ کو ایک سڑک چھاپ چھچھورے اور آوارہ مزاج مرد کے روپ میں دیکھ کر اس کے دل میں سجا باپ کی عظمت کا بت گر کے پاش پاش ہو گیا تھا، بے شک وہ اپنے باپ کی حد درجہ سختی سے ڈرتی کڑھتی تھی، نفرت کرتی تھی ان کے منفی رویے سے مگر پھر بھی وہ ان سے محبت کرتی تھی کے وہ اس کے باپ تھے اور کوئی بھی لڑکی اپنے باپ کے بارے میں ایسا تصور بھی نہیں کر سکتی جیسا کہ آج وہ دیکھ کر سن کر خود تجربے سے گزر کر آئی تھی، وہ بے جان سی ہو گئی تھی، ٹوٹ گئی تھی، گھر آ کر کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا، غصہ تو آ رہا تھا دل بھی چاہ رہا تھا کے سب گھر والوں کے سامنے اپنے باپ کا چہرہ بے نقاب کر دے ان کے آج کے کارنامے کے بارے میں سب کو بتا دے مگر جانے کیوں وہ کسی کو کچھ بتا نہیں پائی، شاید کہیں اندر اب بھی اسے ان کی عزت کا خیال تھا، وہ انہیں سب کی نظروں سے گرانا نہیں چاہتی تھی، ان کے سدھرنے سنبھلنے کے لئے آج کا واقعہ ہی کافی تھا، شاید قدرت انہیں ایک موقع دے رہی تھی، اپنی غلطیوں کو درست کرنے کا اسے اپنی زیادتیوں کے ازالے کا، اپنے آپ کو سدھارنے کا اور پھر اس نے پڑھا تھا کہ دو عمل ایسے ہیں جن کے کرنے والے قیامت کے دن عرش کا سایہ نصیب ہو گا، ایک دل نہ چاہتے ہوئے بھی معاف کر دینا اور دوسرا کسی کے عیب پر پردہ رکھنا۔

اور عزت خود کو بہت بڑے امتحان سے گزرتا ہوا محسوس کر رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جب ابو سامنے آئیں گے تو وہ کیسے خود پر قابو رکھ پائے گی، کیا وہ ان کو معاف کر سکے گی، کیا وہ ان کا سامنا کر سکے گی؟

''میں ایسا کیوں سوچ رہی ہوں سامنا کرنے کے قابل تو وہ نہیں رہے، ایسی اوچھی حرکت کرنے کے بعد وہ اپنی بیٹی کا سامنا کر سکیں گے کیا؟ نہیں جبھی تو اب تک گھر نہیں آئے۔'' وہ خود سے سوال جواب کرتی الجھ رہی تھی۔

''نوید بیٹا جا کے دیکھنا اپنے ابو کو کہاں رہ گئے، دیکھو پتا تو کرو کسی دوست کے ہاں نہ چلے گئے ہوں، سٹور تو بند ہے رات کے بارہ بج گئے ہیں۔'' آمنہ بی بی نے پریشانی کے عالم میں وال کلاک پر ٹائم دیکھتے ہوئے نوید سے کہا تو چڑ کر کہنے لگا۔

''بیٹھے ہوں گے کسی دوست کے پاس موسم کے مزے لے رہے ہوں گے، ویسے بھی جب وہ کہیں جاتے ہیں تو انہیں وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہوتا، ہوتا تو ایک فون یا میسج کر کے بتا سکتے تھے کے دیر سے آئیں گے۔''

''فون کر کے تو بتایا تھا کہ پکوڑے اور حلوہ بناؤ میں آدھے گھنٹے تک گھر پہنچ رہا ہوں، اب تک نہیں پہنچے تو پریشانی کی بات تو ہے نا، خدا نخواستہ ان کے ساتھ کوئی حادثہ تو پیش نہیں آ گیا، موسم بھی سہ پہر سے بہت خراب ہو رہا ہے۔'' آمنہ بی بی نے پریشانی سے کہا مگر وہ بے نیازی سے بولا۔

''واہ امی، اتنے سہانے اور اچھے موسم کو آپ خراب موسم کہہ رہی ہیں۔''

''جن کو پریشانی یا دکھ نہیں ہے ان کے لئے یہ موسم سہانا اور اچھا ہے مگر جو پریشان حال ہیں دکھی ہیں ان کے لئے تو یہ موسم خراب ہی ہو گا نا، جو کوئی کسی حادثے کا شکار ہوا ہو گا اس موسم میں اس کے لئے تو یہ موسم خراب ہی ہوا نا۔'' عزت نے سنجیدگی سے کہا تو نوید ہنس دیا۔

''تمہیں کیا دکھ ہے کہ ابو نوکری نہیں کرنے دیں گے تو تم اس دکھ کو لے کر اتنے اچھے موسم کا مزا خراب کر رہی ہو۔''

''نوید، ابو کو اب تک گھر آ جانا چاہیے تھا امی کی پریشانی درست ہے خدانخواستہ کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو ابو کے ساتھ ورنہ ابو جان ضرور کر دیتے۔'' مسرت نے کہا۔

''ہاں تم جا کر تلاش کرو انہیں۔'' آمنہ بی بی نے کہا تو کفی میں سر جھٹک کر اٹھتے ہوئے بولا۔

''یہاں تو الٹی گنگا بہتی ہے لوگ اپنی اولاد کو ڈھونڈتے پھرتے اور یہاں اولاد باپ کو ڈھونڈنے نکل رہی ہے۔''

''الٹی سیدھی بکواس کیے جاتا ہے ہر وقت۔'' آمنہ بی بی غصے سے بولیں۔

''موبائل کیوں بند کر رکھا ہے ابو نے؟'' مسرت نے عزیز احمد کے نمبر پر کال ملانے کی کوشش کی تھی ان کا سیل فون آف تھا وہ پریشان ہو کر بولی۔

''گھر آ جائیں تو خود ہی پوچھ لینا۔'' نوید یہ کہہ کر باہر نکل گیا، بارش تھم گئی تھی مگر بادل ابھی بھی آسمان پر سیاہ چادر تانے کھڑے تھے بارش کا امکان لئے۔

''ہو سکتا ہے ان کے موبائل کی بیٹری ختم ہو گئی ہو۔'' مسرت نے خود ہی قیاس لگایا، عزت کی نگاہوں میں تو وہی منظر گھوم رہا تھا، مگر وہ بھی اب پریشان ہو گئی تھی کے ابو کہاں چلے گئے، گھر کیوں نہیں آ رہے؟ نوید بھی عزیز احمد کی تلاش میں ناکام لوٹ آیا تھا، آمنہ بی بی مصلحہ بچھائے نماز پڑھ کر دعا مانگ رہی تھیں، مسرت اور عزت اپنے اپنے بستر پر لیٹی تھیں، مسرت کو تو اونگھ آ گئی تھی لیکن عزت کی آنکھیں دروازے پر جمی تھیں۔

''کہیں ابو خود کو کوئی نقصان نہ پہنچا لیں۔'' یہ خیال آتے ہی وہ پسینے میں نہا گئی اور گھبرا کے اٹھ بیٹھی۔

رات کے پورے دو بجے تھے، جب عزیز احمد نے گھر میں قدم رکھا، رات بہت سیاہ ان کے اعمال کی طرح یا شاید انہیں ہی محسوس ہو رہی تھی، ہر سیاہ رات کے بعد ایک صبح ضرور ہوتی ہے بس کہیں سے یہ ہلکی سی امید کی کرن ان کے اندر پھوٹی تھی وہ اسی امید کی کرن کے آسرے پہ گھر کے آنگن میں آن پہنچے تھے۔

عزت نے آہٹ پر دیکھا عزیز احمد کی حالت دیکھ کر وہ سہم سی گئی، چند گھنٹوں میں ہی وہ برسوں کے اجڑے گھر کا نقشہ پیش کر رہے تھے یوں لگ رہا تھا جیسے اپنے کسی عزیز رشتے دار کو دفنا کر اس کی موت کا غم منا کر آ رہے ہیں، عزت کے دل پہ گھونسہ سا لگا تھا اسے ان کی حالت دیکھ کر اندازہ ہو گیا کے وہ اپنے کیے پر شرمسار ہیں، وہ تیزی سے کمرے سے باہر آئی۔

''ابو!'' عزیز احمد نے بمشکل اس کی طرف ایک پل کو دیکھا اور پھر تھکے تھکے اور مرے مرے قدموں سے چلتے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔

''کیا ہوا؟'' آمنہ بی بی نے آ کر اس سے پوچھا۔

''صبح کا بھولا گھر لوٹ آیا ہے امی۔'' عزت نے معنی خیز جواب دیا اور واپس پلٹ گئی، آمنہ بی بی حیران پریشان سی شوہر کے کمرے کی طرف بڑھیں تھیں۔

عزیز احمد میں لاکھ نظر بازی کی عادت تھی مگر انہوں نے اس طرح کبھی کسی بس اسٹاپ پر کھڑی لڑکی کو رک کر لفٹ دینے کی پیشکش نہیں کی تھی، نجانے آج کیا ہو گیا تھا کہ وہ بہک گئے تھے، بھٹک گئے تھے، شاید قدرت انہیں سبق سکھانا چاہتی تھی شاید جبھی ان کے سامنے ان کی اپنی بیٹی آ کھڑی ہوئی تھی، بعض چور پہلی ہی چوری پر پکڑے جاتے ہیں عزیز احمد کے ساتھ ہی اس معاملے میں ایسا ہی ہوا تھا، اولاد کی نظروں میں اور بالخصوص بیٹی کی نظروں میں گرنا بہت شرمناک اور افسوس ناک بات ہوتی ہے اور عزیز احمد عزت سے نظر ملانے کے قابل نہیں رہے تھے، عزت کی نظروں میں عزت نہیں رہی تھی، عزت سوچ رہی تھی کے وہ کیا کرے؟ اگر ان کو اپنی تمام زیادتیوں اور غلطیوں کا احساس اس ایک غلطی کی وجہ سے ہو گیا ہے تو انہیں معاف کر دینا چاہیے تاکہ وہ ایک نئے اور اچھے انسان کی حیثیت سے ایک نئی زندگی کا آغاز کریں، تاکہ اس کے رویے سے مزید شرمسار ہو کر کوئی غلط قدم اٹھا لیں۔

''نہیں میں ابو کو اب مزید کوئی غلطی نہیں کرنے دوں گی۔'' عزت نے دل میں کہا تو دماغ کہنے لگا۔

''مگر جو کچھ انہوں نے آج تک ہم سب کے ساتھ کیا میرے ساتھ کیا ہر وقت ڈانٹنا، طنز، تنقید، ہر کام میں کیڑے نکالنا، حوصلہ شکنی کرنا، خود اعتمادی سے محروم کرنا، شادی کی عمر ڈھلنے کا احساس تک نہ ہونا، وہ سب۔''

''ابو نے ہمیں تعلیم دلوائی، ہماری خوراک لباس ہر چیز کا خیال رکھا چاہے جتایا سنایا کچھ بھی کیا مگر ہمیں لاوارثوں کی طرح تو کبھی نہیں چھوڑا، تو بھلا ایسے وقت میں ابو کو اکیلا کیسے چھوڑ سکتی ہوں اور معاف کرنا تو خدائی صفت ہے اور......

عزت کو اپنی مرحومہ دادی کی سنائی ہوئی ایک کہانی یاد آرہی تھی۔

''ایک دیوتا کا نام صنم تھا، ایک کافر اس کا پکا رہا تھا یا صنم یا صنم اچانک کافر کو نیند کا جھونکا آیا اور اس کی زبان سے یا صنم کی جگہ یا صمد نکل گیا ارش سے فوراً آواز آئی۔''

''لبیک یا عبدی۔''

''بول میرے بندے۔''

''فرشتوں نے کہا، یا باری تعالیٰ اس نے تو بھول کر غلطی سے تجھے پکارا ہے۔''

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔''

''اگر میں بھی جواب نہ دیتا تو صنم میں اور صمد میں کیا فرق رہ جاتا۔''

اور عزت کو یہ بھی سمجھ میں آگیا تھا کہ معاف کرنے اور کسی سے معافی مانگنے میں بہت جلدی کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تو موجود ہے اس کی مخلوق رہے نہ رہے۔

''نہیں میں ابو کو ایسا کچھ نہیں کرنے دوں گی کے ان کا احساس ندامت بھی انہیں مایوسی کے اندھیروں میں جانے سے نہ بچا سکے۔'' عزت نے با آواز کہا اور اٹھ کر عزیز احمد کے کمرے میں چلی آئی، اس نے دیکھا وہ ہاتھ میں سلیپنگ پلز لئے بیٹھے تھے گویا وہ ٹھیک وقت پہ پہنچ گئی تھی، آمنہ بی بی نجانے کہاں تھیں، جب عزت نے عزیز احمد کا ہاتھ پکڑ لیا، وہ بری طرح چونک گئے، عزت نے دیکھا ان کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا۔

''ابو! یہ آپ کیا کر رہے تھے؟''

''اس کے سوا کوئی راستہ بچا بھی نہیں ہے۔'' عزیز احمد نے روتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

''اشک ندامت کے بعد تو ایک نیا اور روشن راستہ شروع ہوتا ہے ابو، آپ اپنے ان آنسوؤں کو اپنی معافی اور توبہ کے آنسوؤں کو حرام موت مر کر ضائع کرنا چاہتے ہیں، نہیں ابو میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گی، توبہ کے آنسو جہنم کی آگ کو بھی بجھا دیتے ہیں، معافی کے اشک دوزخ کے دہکتے انگاروں کو ٹھنڈا کر دیتے ہیں اور آپ یہ قیمتی جواہر ضائع کرنے چلے ہیں نہیں ابو آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے اور آئندہ ایسا سوچیئے گا بھی مت۔''

''عزت میری بیٹی۔'' وہ رو پڑے۔

''کبھی کبھی پہلا قدم ہی انسان کو گہری کھائی میں لا پھینکتا ہے جہاں سے اسے باہر نکلنے کا کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا۔'' عزیز احمد نے تاسف زدہ لہجے میں کہا ان کے لہجے میں پچھتاوے لو دے رہے تھے۔

''اور کبھی کبھی پہلا قدم ہی انسان کو صحیح راستے پر لے آتا ہے، ابو ہر سیاہ رات کے آخر میں ایک صبح ضرور ہوتی ہے ایک روشن اور چمکدار صبح، دیکھیے رات ختم ہو رہی ہے اذان کی پکار ایک نئی صبح کا پیغام دے رہی ہے، اٹھیے ابو وضو کر کے اللہ کے حضور حاضری دیں۔''

''میں آج اس کے سامنے کھڑا ہونے کے قابل نہیں ہوں بیٹی۔'' عزیز احمد نے روتے ہوئے کہا تو اس نے دیوتا والی کہانی انہیں سنائی، عزیز احمد نے بہت فخر سے اسے دیکھا تھا۔

''ابو! میں نے ہم سب نے آپ کو دل سے معاف کر دیا ہے، اللہ بھی آپ کو معاف کر دے گا اور آپ کے یہ آنسو اس بات کا ثبوت ہیں کے اللہ نے آپ کو معاف کر دیا ہے چلیں نماز ادا کریں اور زندگی کی نئی صبح کا خوشی سے استقبال کریں۔'' عزت نے انہیں بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا تو دروازے میں نوید مسرت اور آمنہ بی بی کو

کھڑے پایا۔

''کیوں بھئی آج با جماعت نماز ادا کرنے کا پروگرام ہے کیا؟'' عزت نے ان تینوں کو دیکھتے ہوئے کہا تو سب مسکرا دیئے۔

''اس سے اچھی بات اور کیا ہو گی چلو سب وضو کر کے آؤ۔'' آمنہ بی بی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لیکن امامت میں کراؤں گا۔'' نوید نے آواز بلند کی۔

''اچھا مولوی صاحب! پہلے وضو تو کر لیں۔'' مسرت نے کہا تو عزیز احمد بھی ہنس پڑے۔

انہیں اس لمحے شدت سے احساس ہو رہا تھا کے انہوں نے اپنی اولاد کو بے جا سختی کر کے خود سے دور کر دیا تھا اور وہ سب ان سے کتنی محبت کرتے تھے ان کا احساس کرتے تھے، خیال رکھتے تھے ان کے لئے پریشان ہوتے تھے۔

''جیتی رہو بیٹی۔'' عزیز احمد نے عزت کے سر پر دست شفقت رکھتے ہوئے پرنم لہجے میں کہا تو وہ کہنے لگی۔

''اللہ آپ کو سلامت رکھے ابو۔''

''آمین۔'' آمنہ بی بی کی آواز ان کے کانوں میں پڑی، ان کی خدمت گزار وفا شعار بیوی کی آواز وہ ان کے بھی مقروض تھے اور اللہ کے شکر گزار تھے کے اس نے انہیں اتنی مہلت دے دی تھی کہ وہ ان سب کی محبتوں کا کچھ حق ادا کر سکیں۔

''اللہ اکبر، اللہ اکبر۔''

موذن فجر کی نماز کے لئے پکار رہا تھا اور عزیز احمد وضو کر کے اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے پورے خشوع وخضوع کے ساتھ، نئے اجلے دن کی ساعتیں ان کے استقبال کے لئے اپنا دامن وا کیے انہیں خوش آمدید کہہ رہی تھیں اور وہ دل و جان سے لبیک اللھما لبیک کی تصویر بنے ہوئے تھے۔

☆☆☆

● مصباح نورین ●

''تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟'' وہ جو اپنے ہی دھیان میں بائیک پہ بیٹھی تھی حیرانی سے کیے گئے سوال پہ چونک کے مڑی تھی۔

''ج...... جی......'' مقابل کو دیکھتے ہی اس کی سٹی گم ہو چکی تھی، بمشکل تھوک نگلا۔

''فارسی بول رہا ہوں کیا جو سمجھ نہیں آیا میں نے پوچھا ہے یہاں کیا کر رہی ہو اس وقت...... کس کے ساتھ آئی ہو رات گئے اور کس کام سے؟'' وہ ہمیشہ کی طرح اسے شکی نظروں سے گھور رہا تھا رانی کا دل کٹ کٹ کے گرا، اس کی نظروں سے چھلکتی بدگمانی اسے خود سے خائف کیے دے رہی تھی، وہ خاموش کھڑی رہی ویسے بھی اس کی بتائی وضاحت کا بھلا کہاں وہ یقین کرنے والا تھا۔

کیے بغیر بول پڑے کہ کیا وہ اس کے سامنے اپنے کسی بھی فعل کے متعلق جوابدہ ہے، مگر وہ ہمیشہ کی طرح کچھ بھی نہیں کہہ پائی تھی۔

''دوا لینے آئی تھی یہاں؟'' اس نے جھکے سر کے ساتھ جیسے کسی جرم کا اعتراف کیا تھا۔

''کس کے ساتھ؟'' اب کی بار لہجہ اور بھی کڑک تھا۔

''ہمایوں لایا ہے؟'' اس نے جیسے پل صراط پر کھڑے اسے بتایا تھا جانتی تھی کہ وہ بے حد ناراض ہوگا ہمایوں کے ساتھ آنے پر، مگر وہ اسے کیسے یقین دلاتی کہ اسے ابا نے اس کے ساتھ بھیجا ہے وہ خود نہیں آئی۔

''اوہ...... تو یوں کہو ناں کہ ڈاکٹر کے پاس آنے کا تو صرف ایک بہانہ ہے اصل مقصد تو

مکمل ناول

نہیں کرتی۔"

"اور بچے؟" رانی نے جو حیرت سے اس کی باتیں سن رہی تھی اچانک پوچھ بیٹھی۔

"تو بابا کس نے کہا کہ لیونگ ریلشن میں بچے پیدا کرنے پہ کوئی پابندی ہے، بچے بھی ہو جاتے ہیں اور ان کی پرورش بھی اچھی کر لی جاتی ہے۔" بائیک کو گھر کے سامنے روک کر ہیلمٹ اتارتے ہمایوں نے رانی کے تحیر آمیز تاثرات کو دیکھتے اسے بتایا تھا۔

"تو پھر وہ لوگ شادی کیوں نہیں کرتے؟" رانی سے ہضم نہ ہو رہی تھی وہاں کی صورتحال جبھی کچھ دیر کے توقف کے بعد بول پڑی تھی ہمایوں مسکرایا دفعتاً اس کا جواب گول کرتے مسکرایا۔

"میں بھی نہیں کروں گا؟" رانی پہ حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ کے گرے۔

"تو کیا تم بھی انہی کے رنگ میں...... او مائی گاڈ۔" ہمایوں ہنوز مسکراتا رہا تبھی رانی اس کی شرارت جان کر اسے مارنے کو لپکی تھی۔

☆☆☆

"اور کتنی دیر لگے گی تمہیں آملیٹ بنانے میں؟" ہمایوں کچن میں چوکی پہ بیٹھا دہائیاں دے رہا تھا جبکہ رانی نہایت توجہ سے اپنا پسندیدہ آملیٹ بنانے میں مگن تھی جو رانی کے بقول اس کا اسپیشل آملیٹ ہوتا تھا۔

"تمہیں کیا پرابلم ہے تم اپنا ناشتہ مکمل کرو۔" رانی نے اس کے سامنے پلیٹ میں رکھے سنکے توس کے درمیان ابلے ہوئے انڈوں کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتے اسے جتایا تھا۔

"آج میں تمہارے والا ناشتہ کروں گا آملیٹ اور پراٹھا اور تم میرا ناشتہ کرو گی بھی ابلے ہوئے انڈے اور سنکے توس کے ساتھ بلیک کافی کا ایک بڑا سا مگ، کیا خیال ہے؟" ہمایوں نے چٹخارے دینے والے انداز میں اپنا آئیڈیا پیش کیا جس کے مسترد ہونے کے ننانوے فی صدی چانس تھا۔

"نو تھینکس، مجھے تو بخشو میں تو یہ مریضوں والا کھانا کھانے سے رہی؟"

"یہ مریضوں کا نہیں فٹ لوگوں کا کھانا ہے، اس سے کولسٹرول لیول نہیں بڑھتا اور ویٹ بھی پرفیکٹ رہتا ہے مگر تم کیا جانو اسی لئے تو پاکستانی خواتین موٹاپے جیسے موذی مرض میں اوائل عمری میں ہی مبتلا ہو جاتی ہے چہ...... چہ...... اتنا تر بتر کھانا کھانے سے یہ سب تو ہو گا ہی۔" ہمایوں نے افسردہ انداز میں کہتے مکھن کے بنے پراٹھے اور توے پہ گھی میں ڈوبے آملیٹ کو حسرت سے دیکھتے گل افشانی کی تھی صرف رانی کو ڈرانے کے لئے مگر مقابل بھی رانی تھی جو اپنے کھانے میں غذائیت سے زیادہ لذت پہ توجہ دینے کی حامل تھی سو اس پر ہمایوں کی کسی بھی بات کا اثر ہونا ناممکن تھا۔

"لو کھا لو۔" آملیٹ بنانے کے بعد رانی نے اپنا ناشتہ ہمایوں کے سامنے رکھتے کہا تھا، وہ حیران ہوا۔

"تو کیا تم میرا ناشتہ کرو گی؟" وہ حیرت سے استفسار کر رہا تھا۔

"نہیں میں اپنے لئے اور ناشتہ بنا لوں گی۔" اس نے دودھ پتی کا مگ بھی اس کے سامنے رکھا۔

"اوکے۔" ہمایوں نے کندھے اچکائے اور مزے سے کھانے لگا ابھی پہلا نوالہ بھی کھا نہ پایا ہو گا کہ کھانسی کے ایک طویل دورہ کی زد میں آ گیا اور پھر تو جو کھانسنا شروع کیا تو کھانستا ہی رہا، حتیٰ کہ آنکھیں پانی سے لبالب بھر گئیں ناک الگ بہنے لگی تھی۔

ہمایوں کے ساتھ آؤٹنگ اور شاپنگ کرتا ہے۔" میڈیکل سٹور سے باہر نکلتے ہمایوں پہ نظریں گاڑے وہ شدت ضبط سے پھنکارا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ غلط سمجھ رہے ہیں؟" وہ رونے والی ہو گئی، اس نے ایک نظر اپنے سامنے کھڑے ساڑھے پانچ فٹ کے فربی مائل پینتالیس کے پیٹے میں محو سفر اپنے جیون ساتھی کو دیکھا جو اس کے والدین نے اس کے لئے منتخب کیا تھا، خاندان کا سب سے مضبوط مالی طور پہ مستحکم اور اکلوتا چشم و چراغ، جس پہ سارے خاندان کی لڑکیاں نظریں ٹکائے بیٹھی تھیں مگر قرعہ فال رانی کے نام نکلا تھا جس نے باقی خاندان کی لڑکیوں پہ ان کے بقول شب خون مارا تھا مگر یہ تو کوئی رانی سے پوچھتا جو ان سب "بچ" جانے والی لڑکیوں پہ کسی قسمت پہ رشک کرتی تھی۔

"جو بات سامنے نظر آ رہی ہو اس کی گہرائی میں جانے کا مجھے کوئی شوق نہیں ہے؟" وہ ہمایوں کے قریب آنے سے پہلے درشت مگر آہستہ آواز میں بولا تھا۔

"آؤ رانی گھر چلیں۔" ہمایوں اپنی ہی دھن میں چلا آ رہا تھا اس نے یقیناً قاسم علی کو نہیں دیکھا تھا تبھی رانی فوراً بولی تھی۔

"ہمایوں ان سے ملو یہ قاسم علی ہیں میرے منگیتر۔" جانے کیوں مگر ہمایوں کے سامنے اس رشتے کے تعارف نے رانی کا سر جھکا دیا تھا وجہ شاید وہ حیرت و استعجاب تھی جس کا مظاہرہ قاسم علی سے ملنے کے بعد ہمایوں نے کرنا تھا، وہ آگے مصافحہ کے لئے بڑھا تو ناچار قاسم علی کو بھی اس سے ہاتھ ملانا پڑا ہاں البتہ اپنے تیوری کے بل اس نے کم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی شاید اپنے زعم میں مبتلا وہ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا تھا۔

"ٹھیک ہے جاؤ اب گھر، سیدھا گھر ہی جانا؟" قاسم علی نے خود ہی انہیں اجازت دیتے پھاڑ کھانے والے انداز میں نصیحت کی تھی رانی کے حلق تک کانٹے اگ آئے جانتی تھی کہ اس کے اس کی چارج شیٹ میں ایک اور ناکردہ جرم جمع ہو گیا ہے۔

"یہ تمہارا منگیتر تھا؟" وہی ہوا جس بات کا رانی کو ڈر تھا بائیک روڈ پہ لاتے ہی ہمایوں بے صبری سے بول پڑا تھا۔

"نصیحت تو ایسے کر رہا تھا جیسے کوئی باپ اپنی بیٹی کو کرتا ہے، خیر عمر میں تو تم ہو بھی اس کی بیٹی کے برابر، مگر عمروں کا تضاد ہمیشہ فرسٹریشن کو جنم دیتا ہے، یہ تو سراسر ظلم ہے تمہارے ساتھ، تم کیسے گزارو گی اس جیسے کھڑوس کے ساتھ اپنی پوری زندگی حیرت ہے ماموں جان نے یہ سب سوچا کیوں نہیں؟" وہ حیرت زدہ سا گویا ہوا۔

"ایسی کوئی انہونی نہیں ہوئی میرے ساتھ، ستر فی صد خواتین کے شوہر حضرات ان سے آدھی عمر بڑے ہی ہوتے ہیں یہاں؟" رانی نے پتہ نہیں خود کو تسلی دی تھی یا ہمایوں کو وہ سمجھ نہیں پائی۔

"خیر وہ تو نظر آ ہی رہا ہے اسی لئے تو پاکستان میں شادی کو کمپرومائز کا دوسرا نام کہا جاتا ہے۔" ہمایوں مطمئن نہیں ہوا اسی لئے رانی کی بات کو چٹکی میں اڑاتے فوراً بولا تھا۔

"تو تمہارے مغرب میں کیا ہوتا ہے؟" رانی نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہمارے مغرب میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا دل چاہا تو کچھ عرصہ بوائے فرینڈ کے ساتھ رہ کر دیکھ لیا کہ کیا اس کے ساتھ گزارا ممکن ہے اگر تو ٹھیک تو پھر عمر کے کسی حصے میں دونوں فریقین کی مرضی سے شادی کر لی جاتی ہے ورنہ ساری عمر یونہی بھی اس ڈال پہ تو کبھی اس ڈال پہ، شادی جیسا اضافی بوجھ وہ قوم اپنے کندھوں پہ لادنا پسند

''آخ......تھو......'' بے تحاشا کھانستے اور چھینکتے اس نے پلیٹ رانی کی طرف کھسکائی تھی۔

''اوہ میرے خدا رانی، تم اتنی مرچیں ڈالتی ہو آملیٹ میں؟'' رانی کے دوپٹے سے ناک اور آنکھیں صاف کر کے اس نے استفسار کیا تھا رانی کی ہنسی چھوٹ گئی ہمایوں کی حالت بھی تو دیدنی تھی۔

''مجھے پتہ تھا تم سے نہیں کھایا جائے گا؟'' رانی نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''جانے کس جنم کا بدلہ لیا تم نے مجھ معصوم سے، ایسے نادر آملیٹ اپنے اس کھڑوس منگیتر کو کھلانا؟''

''پہلے کیا کم مرچیں چبائے رکھتے ہیں موصوف جو مزید کی کسر میں پوری کر دوں۔'' رانی نے اس کا مذاق سمجھتے کہا تھا۔

''رانی!'' وہ جو اپنے ہی کسی دھیان میں مگن تھی ہمایوں کے پکارنے پر چونکی اسے ہمایوں کے چہرے پہ غیر معمولی سنجیدگی نظر آئی تھی۔

''کیا تم اس رشتے سے خوش ہو؟'' رانی کو امید نہیں تھی کہ ہمایوں اس سے ایسا سوال کرے گا جبھی فوراً کچھ نہیں کہہ پائی دھیرے سے رخ موڑ گئی۔

''رانی میری بات کا جواب دو؟'' ہمایوں نے دوبارہ پوچھا تھا، رانی اپنے اندر کے درد کو چھپا کے مسکرائی۔

''پتہ نہیں ہمایوں میں نے کبھی اس بارے میں سوچا نہیں؟''

''کیوں...... کیوں رانی یہ تمہاری زندگی کا سوال ہے، پوری زندگی، تم کیسے ایک ایسے بندے کے ساتھ گزار سکتی ہو جو کسی بھی لحاظ سے تمہارے قابل نہیں ہے، نہ شکل صورت میں نہ ہی سیرت میں نہ کسی انداز و اطوار سے، تم پہ ظلم کیا جا رہا ہے اور مزے کی بات تم بخوشی اس ظلم کو سہنے پہ راضی بہ رضا ہو، کھیل سمجھا ہے کیا اپنی زندگی کو۔'' ہمایوں دکھ سے چور بولتا چلا گیا۔

''ایک بات کہوں ہمایوں، ہمارے معاشرے میں لڑکی کو ایسا کوئی حق نہیں دیا جاتا، ہم والدین پہ ایک ایسے بوجھ کی مانند مسلط رہتی ہیں، جنہیں وہ کسی بھی طرح جلد از جلد اتارنے کے چکر میں خود جانے کتنی مصیبتیں مول لے بیٹھتے ہیں، ہم گائے بکریوں کی طرح سے بھی نہیں کہ جس کھونٹے سے باندھا اگر وہ کھونٹا پسند نہ ہو چلا کہ اپنی ناگواری واضح کر سکیں، ہم اس سے بھی بدتر قسمت والی ہیں، ہمارے والدین کا قصور سفید پوشی کا بھرم رکھنے کے ساتھ ساتھ بیٹوں کے ماں باپ ہونا بھی ہے اور ہم خود اذیتی کے حصار میں گھری تمام عمر والدین سے نظریں چرائے رہنے پر مجبور ہو جاتی ہیں پہلے کیا کم دکھ ہیں ان کی زندگیوں میں جو ہم ان کی زندگی مزید مشکل بنا دیں اور رہی بات قاسم علی کی تو اسے رشتوں کی کمی نہیں ہے مجھ سے شادی کا فیصلہ کر کے اس نے میرے والدین اور مجھ پہ ایک احسان کیا ہے، ورنہ خاندان بھرا پڑا ہے لڑکیوں سے، جس پر بھی انگلی رکھے وہ اس کے نام ہو جائے۔'' رانی نے اسے تفصیلاً اپنے حالات بتائے۔

''اور تمہارے خواب، خواہشات ان کا کیا؟'' ہمایوں رانی کی اتنی لمبی تقریر سے ذرہ بھر بھی متاثر نہیں ہوا جبھی اگلے ہی لمحے اس کے خاموش ہوتے ہی اتنا نوکیلا سوال پوچھا تھا۔

''خواب اور خواہشات پوری ہوں یہ ضروری تو نہیں۔'' رانی نے بدقت تمام مسکرانے کی کوشش کی۔

''تمہیں لگتا ہے کہ ان کے بغیر زندگی گزر سکتی ہے۔'' ہمایوں نے الجھتے ہوئے سوال کیا۔

''شاید......'' وہ کچھ دیر بڑی عجیب نظروں سے اسے گھورتا رہا دفعتاً بولا۔

''کیوں خود کو دھوکا دے رہی ہو؟'' ہمایوں نے تاسف سے رانی کے کومل چہرے کی ملاحت کو دیکھتے کہا تھا۔

''میں اسے خود کو دھوکا دینا نہیں سمجھتی، جب انسان یہ خود کو سمجھا لے ناں کہ اسے ہر حال میں خوش رہنا ہے تو پھر وہ خوش رہنا سیکھ جاتا ہے اور میں بھی خوش رہنا سیکھ رہی ہوں ہمایوں، کیونکہ میں خوش رہنا چاہتی ہوں ہر حال میں۔'' رانی نے اتنا کہتے چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا تھا ہمایوں بھی مزید کچھ نہیں بولا اسے اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔

☆☆☆

''دوپہر کو کیا بناؤں امی جان!'' تخت پر لیٹی نصرت جہاں کے پیروں کی مالش کرتے رانی نے ان سے پوچھا تھا۔

''تمہارے ابا سبزی گوشت دے گئے تھے، وہی بنا لو اور ہمایوں سے پوچھ لو وہ کیا کھائے گا بازار سے منگوا لیں گے۔''

''بازار سے کیوں امی جان! گھر پہ ہی ہلکی نمک مرچ ڈال کر سالن بنا لوں گی ویسے بھی وہ روز روز ہوٹلوں کے کھانے کھا بھی نہیں سکتا پتہ تو ہے آپ کو فوراً بیمار پڑ جاتا ہے۔'' تیل کی شیشی کا ڈھکن بند کرتے رانی نے ماں کو بتایا تھا۔

''چلو جیسے تمہاری مرضی، ویسے آج گڑ کے چاول بھی بنا لینا تمہارے ابا آج صبح دکان پہ جاتے فرمائش کر کے گئے تھے۔'' رانی نصرت جہاں کی بات سن کر مسکرا دی تھی جانتی تھی کہ صدیق علی کو رانی کے ہاتھ کے بنے گڑ کے چاول بہت پسند تھے اور اکثر فرمائش کر کے پکوایا کرتے تھے۔

''بن جائیں گے امی جان اور کوئی حکم۔'' رانی خوشدلی سے پوچھ رہی تھی۔

''جیتی رہو، سدا آباد اور خوش و خرم رہو۔'' نصرت جہاں نے بے ساختہ اپنی سعادت مند بیٹی کو دعا دی جو گھر کا تمام تر بوجھ خود اٹھا کے انہیں آرام مہیا کر رہی تھی اکثر نصرت جہاں رانی کی رخصتی کے تصور سے ہی ہول اٹھتی تھیں رانی نے اچھا خاصا انہیں معذور بنا ڈالا تھا، جب سے وہ ایف اے کر کے تعلیم کو خیر آباد کہہ کے گھر بیٹھی تھی نصرت جہاں کو تو کسی بھی کام کو ہاتھ تک نہ لگانے دیتی تھی، حالانکہ جب سے ہمایوں آیا تھا اس کی ذمہ داری دوہری ہو گئی تھی مگر پھر بھی وہ نصرت جہاں سے کوئی مدد نہیں لیتی تھی حالانکہ ہمایوں اسے پھرکی کی طرح سارا دن گھمائے رکھتا تھا مگر رانی مہمان نواز ایسی کہ کبھی لمحے بھر کو بھی اکتائی تک نہ تھی۔

ہمایوں اس کی پھپھو کا بیٹا تھا جو اکرام آفریدی سے کورٹ میرج کر کے ہمیشہ کے لئے لندن سدھار گئیں تھیں، ان کے خاندان میں غیر برادری میں رشتہ کرنا معیوب بات سمجھی جاتی تھی مگر پھپھو اپنے خاندان کی پہلی خاتون تھیں جنہوں نے یونیورسٹی میں داخلہ بھی لیا اور اپنی پسند سے اپنے جیون ساتھی کو بھی چنا تھا، ان کے اس اقدام نے خاندان بھر میں بھونچال مچا دیا تھا مگر صدیق علی نے اپنی بہن سے کبھی رشتہ ناتا نہیں توڑا تھا حالانکہ انہیں بے حد مجبور کیا گیا تھا، کافی عرصہ تو خاندان والوں نے ان سے قطع تعلق کیے رکھا تھا پھر دادی کی وفات پہ زینب پھپھو کو اطلاع دی گئی تھی اور وہ چار سالہ ہمایوں کے ہمراہ پاکستان واپس اپنے میکے آئی تھیں اب کی بار زینب پھپھو کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا وجہ شاید لندن جیسے شہر میں زندگی گزارنا کے ساتھ ان کے آسودہ چہرے کے

چمک تھی یا چار سالہ ہمایوں کے ساتھ فر فر انگریزی میں بات چیت کرنے کا انداز جو انہیں اپنے مڈل کلاس خاندان میں منفرد ظاہر کر رہا تھا بہرحال بات جو بھی تھی مگر واپسی کے دروازے مسز زینب اکرام کے لئے کھول دیئے گئے تھے، مگر اس کے ساتھ ساتھ ان کے خاندان کے ہر مرد نے جیسے خود سے یہ فیصلہ لیا تھا کہ ان کی غفلت کے باعث کہیں کوئی اور زینب کسی کے گھر نہ جنم لے سکوں یوں زینب علی اپنی زندگی کو تو سنوار گئیں مگر خاندان کی باقی لڑکیوں کے نصیب پہ تالے لگا گئیں اور پچیس برس گزر جانے کے بعد بھی ان کے خاندان میں ہی رشتے ڈھونڈے جاتے اگر چاہے کسی کا بر ملے نہ ملے چاہے کوئی بھی لڑکی عمر بھر والدین کی دہلیز پہ ہی بوڑھی ہو جاتی تو ہو جائے مگر خاندان سے باہر رشتہ دینا انہیں اپنی ہتک محسوس ہوتی نہ ہی زینب علی کے بعد کسی لڑکی نے یونیورسٹی کا نام لیا تھا۔

☆☆☆

وہ نہا کر باہر نکلی تو سامنے ہی برآمدے میں تخت پر براجمان اپنی ساس محترمہ کو دیکھا جو بڑی بیزاری شکل بناتے بیٹھی تھیں رانی نے لپک کر تار سے تولیہ کھینچ کے گیلے بالوں کو ڈھانپا اور ان سے ملنے کو آگے بڑھی۔

''السلام علیکم خالہ جان! کیسی ہیں آپ؟''

''وعلیکم السلام جیتی رہو، بس کیا بتاؤں جوڑوں کا درد ہی جان کا روگ بنا ہے پچھلے چند روز سے اسی لئے تو تجھ سے ملنے نہیں آسکی، قاسم علی سے کتنی مرتبہ کہا بھی کہ گاڑی میں بٹھا کے ہی ملوانے لے آئے مگر تم تو جانتی ہی ہو اس کے پاس اتنا وقت کہاں، بس آج طبیعت کچھ سنبھلی تو چلی آئی سناؤ تم کیسی ہو؟'' تفصیلی جواب کے بعد بالآخر انہیں رانی کا خیال آ ہی گیا تھا۔

''میں بھی ٹھیک ہوں خالہ جان۔'' متانت سے مسکرائی نصرت جہاں شاید نماز پڑھ رہی تھیں اس وقت وہ ساس بہو اکیلی برآمدے میں بیٹھی تھیں۔

''اے لو، خاک ٹھیک ہو پیلی ہلدی کی طرح سے رنگ نکال رکھا ہے۔'' انہوں نے رانی کی بات چٹکی میں اڑائی انہیں اس کی بات پر یقین نہیں تھا دونوں ہی ماں بیٹے کی یہ عادت مشترک تھی کہ اپنے علاوہ کسی کا بات کا یقین نہیں کرتے تھے۔

''قاسم علی بتا رہا تھا کہ چار روز پہلے تم ہمایوں کے ساتھ شاپنگ کرنے گئی تھیں، جبکہ جب ہمایوں نے تمہیں ساتھ چلنے کو کہا آئسکریم کھانے کے لئے جو تم نے منع کر دیا، ناراض ہو رہا تھا، تم جانتی تو ہو اس کی فطرت کو، اسے ایسی بے تکلفی پسند نہیں غیر مردوں کے ساتھ تمہاری، اور پھر کیا ضروری تھا کہ تم ہمایوں کے ساتھ ہی جاتیں صدیق علی سے کہہ دیتیں یا پھر قاسم علی کو فون کر کے بلوا لیتیں، وہ لے جاتا۔'' رانی کو لمحے کے ہزارویں حصے میں اپنی ساس کی آمد کا مقصد پتا چل گیا تھا، یقیناً قاسم علی نے گھر جا کے اپنی مرضی کا مطلب اخذ کرتے ہوئے بات بنا کے اپنی ماں کے گوش گزار کی تھی جبھی وہ آج تفتیش کرنے پہنچ گئی تھیں رانی نے ان کی بات سن کے ایک تھکی تھکی سی سانس لی۔

''میں ہمایوں کے ساتھ شاپنگ کرنے نہیں بلکہ ڈاکٹر سے دوا لینے گئی تھی خالہ جان اور مجھے قاسم علی نے آئسکریم کی آفر نہیں کی، بلکہ وہ تو ٹھیک طرح سے مجھ سے بات بھی نہیں کر رہے تھے میرے بتانے کے باوجود انہوں نے مجھ سے پوچھا تک نہیں کہ میں ڈاکٹر کے پاس آئی کس لئے ہوں۔'' جانے کیوں اس رات ہونے والی اہانت اور بے عزتی رانی بھول نہیں پائی تھی، رہ رہ کر قاسم علی کی شک میں ڈوبی نشتر چلاتی آواز بازگشت بن کے کانوں میں گونجتی رہتی کچھ اس طرح کہ بے بسی و بے وقعتی کا احساس دو چند ہونے لگتا ابھی بھی اس اذیت سے دامن بچانے کو آنکھوں میں اچانک امڈ آنے والے آنسوؤں کو چھپانے کو سر جھکا گئی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے تم پریشان نہ ہو میں بات کروں گی قاسم علی سے، کیوں دل دکھاتا ہے تیرا۔'' بانو بیگم فوراً ہی رانی کو شکوہ کرتے دیکھ کر ساری صورتحال سمجھ گئی تھیں شاید نہیں یقیناً قصور قاسم علی کا تھا اسی نے کچھ الٹا سیدھا کہا ہو گا رانی سے ورنہ رانی جیسی نیک نیت لڑکی کسی کے ساتھ زیادتی کر ہی نہیں سکتی کجا قاسم علی کے ساتھ نظر انداز کرنے جیسا رویہ روا رکھنا۔

''رہنے دیجئے گا خالہ جان، پھر مزید خفا ہوں گے کہ میں نے ان کی آپ کی سے شکایت کی ہے۔'' رانی نے فوراً سے پیشتر روکا، جبھی نصرت جہاں ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھامے ان کے قریب چلی آئیں۔

''معاف کرنا بانو بہن، میں ذرا ظہر کے ساتھ وظائف کرتی ہوں اسی میں دیر ہو گئی۔'' نصرت جہاں نے چائے کی ٹرے تخت پہ رکھتے ہوئے وضاحت کی تھی۔

''ارے نہیں نہیں نصرت، میرا اپنا گھر ہے ویسے بھی میں اکیلی کہاں رہی میری بیٹی میرے پاس بیٹھی رہی ہے۔'' انہوں نے چائے کا کپ نصرت جہاں کے ہاتھوں سے لیتے ہوئے خوشدلی سے بتایا تھا۔

''امی جان آپ نے کیوں اتنی تکلیف کی میں بس بنانے جا ہی رہی تھی؟''

''سارا دن تو کام میں لگی رہتی ہو کچھ دیر آرام بھی کر لیا کرو، ایسا کرو تھوڑی دیر نیند لے لو پھر فریش ہو جاؤ گی۔'' انہوں نے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے اسے تاکید کی تھی۔

''ہمایوں ابھی تک نہیں آیا بس اسے کھانا کھلا دوں پھر آرام بھی کر لوں گی۔'' رانی کے بتانے پہ بانو بیگم کے ماتھے پہ آیا بل صاف دیکھا جا سکتا تھا تاہم بولی کچھ نہیں اور وہ کچھ نہ بھی بولتیں سب کو معلوم تھا کہ ہمایوں کا ان کے گھر آنا اور رہنا بانو بیگم اور قاسم علی کے لئے کس قدر ناپسندیدہ عمل تھا۔

''ہمایوں سے یاد آیا نصرت یہ کب تک رہے گا یہاں مہینے سے اوپر تو ہو چلا ہے اسے یہاں آئے ہوئے۔'' بانو بیگم تو شاید انگلیوں پہ دن گن رہی تھیں اس سے پہلے کہ نصرت جہاں کوئی جواب دیتیں تبھی وہاں ہمایوں چلا آیا۔

''السلام علیکم۔'' اس نے سب کو مشترکہ سلام کیا پھر بانو بیگم کی جانب مڑتے ہوئے استعجاب سے بولا تھا۔

''آہ...... ہا...... رانی کی ساس صاحبہ تشریف لائی ہیں کیسی ہے آپ، آپ کی ایک خوبی مجھے بہت متاثر کرتی ہے خالہ جان۔'' وہ ان کے نزدیک چارپائی پہ بیٹھتے ہوئے بولا تھا بانو بیگم نے ناچار اپنا رخ اس کی جانب موڑتے اسے سوالیہ نظروں سے گھورا تھا۔

''آپ کی یادداشت کمال کی ہے میں کب یہاں آیا تھا مجھے یاد نہیں مگر آپ کو اچھی طرح سے ازبر ہے واہ کیا بات ہے۔'' اور نصرت جہاں کو ہنسی چھپانا دوبھر ہو گیا رانی جانتی تھی وہ اپنے انداز سے اب بانو بیگم کو سنائے گا۔

''ہاں لڑکے بھول تو تم واقعی چکے ہو کہ کتنے دنوں سے اجنبی دیس میں زبردستی کے مہمان بن کے رہ رہے ہو۔'' بانو بیگم نے سلگتے ہوئے اس پر

چوٹ کی تھی۔

"ارے اجنبی دیس کیسا خالہ جان، میرا تو وطن ہی پاکستان ہے اجنبی دیس تو یہ انگلینڈ ہے جہاں میں رہتا ہوں اور میں بڑا محب الوطن بندہ ہوں حب الوطنی کا جذبہ تو میرے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور دوسرا میں تو اپنے گھر میں رہ رہا ہوں اپنے گھر میں رہنے والا کوئی مہمان تھوڑی ہوتا ہے یہ تو میرے نانا کا گھر ہے ہے نا ممانی جان۔"

"بے شک...... بے شک تمہارا اپنا گھر ہے جب تک جی چاہے رہو۔" نصرت جہاں نے پیار سے چمکارتے ہوئے کہا تھا ہمایوں نے بھنویں اچکاتے بانو بیگم کو جتاتی نگاہوں سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو "دیکھ لیا میں نا کہتا تھا کہ یہ میرا ہی گھر ہے۔" بانو بیگم نے یوں برے برے منہ بنائے جیسے نا چاہتے ہوئے انہیں کڑوی گولی کھا بغیر پانی کے کھانے پہ مجبور کیا گیا ہو۔

"رانی! میرے اور خالہ کے لئے کھانا لاؤ آج ہم اکٹھے کھانا کھائیں گے۔" اگلے ہی لمحے وہ شیر شکر بنا رانی کو حکم دے رہا تھا رانی اس کی شرارت جان گئی تھی کہ خالہ کو مکھن لگانے کی کوشش میں تھا مگر بانو بیگم دل ہی دل میں خوب پیچ و تاب کھا رہی تھیں تبھی دل جلے انداز میں فوراً بولیں تھیں۔

"اے ہٹو، میں کیوں کھانے لگی، تمہارے ساتھ کھانا، میں نے تو آج تک اللہ بخشے مراد بخش کے ساتھ کبھی نہیں کھایا تھا جس کے ساتھ شرعی حکم تھا پھر تم جیسے کل کے لونڈے کے ساتھ کہاں کھاؤں گی۔"

"اچھا خالہ جان مرضی آپ کی، میں تو بس یونہی ثواب کمانا چاہتا تھا۔" ہمایوں مصنوعی ٹھنڈی سانس بھر کے تخت پر سے اٹھتے ہوئے افسردگی سے بولا تھا رانی نے کچن میں جا کے کھانا گرم کرنا شروع کیا تھا۔

☆☆☆

شام کے سائے ہولے ہولے اپنے پر پھیلا رہے تھے افق کے پار نارنجی تھال بس ڈوبنے کو تھا نصرت جہاں آج چھوٹی بیٹی سارہ کے ہمراہ بازار سے اسکول کی کچھ کتابیں وغیرہ دلانے گئی تھیں ابا حسب معمول دکان پر تھے اور ہمایوں شہر کی گلیوں کی خاک چھاننے گشت پر تھا رانی گھر میں اکیلی تھی پانچ مرلے کا گھر تھا جس کے تین کمرے اور برآمدہ کچن نیچے تھے جب کہ چھت پر ایک گیسٹ روم ٹائپ کمرہ بنایا گیا تھا جو آج کل ہمایوں کے تصرف میں تھا چھوٹا سا صحن جبکہ کونے میں ایک چھوٹا سا رانی نے باغیچہ بنا رکھا تھا، شام کا سارا وقت وہ پھولوں پودوں کی کانٹ چھانٹ کرنے میں گزار دیتی، اس وقت بھی وہ اپنے باغیچے میں نئے لگانے والے پودوں کی گوڈی کر رہی تھی جبھی فون کی بیل ہوئی تھی رانی نے نا پسندیدہ نظروں سے برآمدے میں رکھے ٹیلی فون اسٹینڈ کی جانب دیکھا اور بے دلی سے ہاتھ جھاڑتے اٹھ کھڑی ہوئی اور آ کر کال ریسیو کی دوسری جانب غیر متوقع طور پر قاسم علی تھا۔

"کیسی ہو؟" رانی کو حیرت کا جھٹکا سا لگا قاسم علی بڑے خوشگوار موڈ میں لگاوٹ سے پوچھ رہا تھا۔

"جی ٹھیک ہوں، آپ سنائیں خیریت سے فون کیا؟" رانی نے مدھم لہجہ اپناتے پوچھا جواباً قاسم علی کا گمبھیر قہقہہ ایئرپیس پہ گونجا تھا۔

"کیا بغیر وجہ کے تمہیں فون نہیں کیا جا سکتا۔" وہ اپنے انداز سے سوچنے کا عادی تھا اب بھی رانی کی بات کو اپنے مطلب کے معنی پہنانے لگا۔ ایک ایسی بات پوچھ رہا تھا جس کا جواب رانی کے پاس تھا ضرور مگر شاید قاسم علی برداشت نہ کر پاتا اگر رانی بتا دیتی تو......؟

"ایسی کوئی بات نہیں میں نے یونہی پوچھا تھا۔" رانی نے آہستگی سے وضاحت کی تھی۔

"ارے تمہارے پاس ہی میرے لئے ٹائم نہیں ہوتا ورنہ میں تو نجانے دن میں کتنی مرتبہ تمہیں فون کروں، اور دن میں جانے کتنی مرتبہ میرا خون جلاؤ، اچھا ہے نہیں کرتے فون۔" رانی نے جل کر سوچا۔

"اماں بتا رہی تھیں کہ ہمایوں ابھی ادھر ہی ہے۔" اچانک وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا تھا۔

"جی رہے گا ابھی کچھ دن۔" رانی کا دل لرزا قاسم علی یقیناً اب جلی کٹی کرنے کے موڈ میں تھا۔

"لگتا ہے کچھ زیادہ ہی پسند آ گیا ہے اسے پاکستان واپس جانے کا نام ہی نہیں لیتا۔" قاسم علی نے اپنے لبوں پہ آئی گالی کو دباتے نا پسندیدگی سے کہا تھا، رانی آہستگی سے بولی۔

"تین ماہ کے وزٹ ویزہ پہ آیا ہے اس کے بعد چلا جائے گا۔" رانی نے آہستگی سے کہا۔

"تو کیا وہ تین ماہ ادھر رہے گا؟" قاسم علی نے چونکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"لگتا تو ہے؟" رانی نے مبہم سا جواب دیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا، اسے چلتا کرو آخر تمہارے باپ کو احساس کیوں نہیں ہوتا گھر میں جوان بیٹی کے ہوتے ہوئے کیسے ایک غیر محرم کو رہنے دے رہے ہیں جو جانے کس قماش کا ہے اس کی ماں کے کرتوت بھول گئے کیا کیسے خاندان کی عزت رول کے مٹی میں ملا دی تھی اس نے، وہ بھی تو اسی کا خون ہے۔" قاسم علی نے بغیر یہ سوچے کہ وہ رانی کی پھپھو کے بارے میں بات کر رہا ہے اپنے دل کی بھڑاس بے دردی سے نکالی تھی۔

"میں خود بات کروں گا صدیق بھائی سے، تماشا بنا رکھا ہے لوگ تو مجھے ہی باتیں سنائیں گے ناں کہ تمہاری سسرال میں کیسے کیسے گل کھلاتے جا رہے ہیں۔" قاسم علی نے مزید گل افشانی کی رانی نے سسکاری کو لبوں پہ بمشکل لبوں پہ روکا، درپردہ وہ کسے یہ سب سنا رہا تھا کون تھا جو گل کھلا رہا تھا یہاں، کس قدر رقیق القلب انسان تھا وہ کیسے گزار پائے گی وہ اپنی ساری زندگی ایسے شخص کے ساتھ جو شک و بدگمانی کا چشمہ لگا کے دنیا کو دیکھنے کا عادی تھا جس کی زبان میں طنز کی کاٹ بدن کو چیر کر رکھ دیتی تھی جو صرف اپنی کہنے سننے کا عادی تھا دوسروں کی خواہشات کا احترام کرنا جسے آتا ہی نہ تھا۔

"آپ ابا جی سے کوئی بات نہیں کریں گے، وہ چلا جائے گا۔" رانی نے اسے روکنے کی کوشش کی قاسم علی سے کوئی بعید نہ تھی کہ وہ صدیق علی سے یہ سب کہہ بھی دیتا۔

"ٹھیک ہے نہیں کروں گا سمجھا دینا اپنے باپ کو بے حیائی کے ایسے مظاہرے پھر کسی وقت کے لئے اٹھا رکھے، کچھ تو میری عزت کا بھی خیال کرے۔" خلاف توقع وہ جلدی مان گیا تھا رانی کا دل چاہا وہ اس کا گریبان پکڑ کر یہ پوچھے کہ اس کی عزت صدیق علی سے زیادہ کیسے ہے وہ اس کی بیٹی پر اتنے رعب و دبدبے سے بات کس برتے پہ کر سکتا ہے جبکہ وہ اس کی بیوی ہے نہ منکوحہ اور منگنی کی شرعی حیثیت تو ہوتی بھی نہیں مگر رانی یہ سب صرف سوچ پائی تھی کہنے کا یارا اس لئے نہیں تھا کہ قاسم علی صدیق علی کی بے بسی سے واقف تھا۔

☆☆☆

بڑے معصوم جذبوں سے وہ اپنے شوخ ہاتھوں پہ
وفا کی سرخ مہندی سے اسی کا نام لکھتی ہے
جسے وہ پیار کرتی ہے مگر وہ ناسمجھ لڑکی
ابھی تک یہ نہیں سمجھی کہ
سپنے ٹوٹ جائیں تو بہت برباد کرتے ہیں
یہ اجلے رنگ ہاتھوں پر کبھی ٹھہرا نہیں کرتے
محبت تو حقیقت ہے کوئی سپنا نہیں ہوتا
کسی کا نام لکھنے سے کوئی اپنا نہیں ہوتا

رات کی رانی کی مہک پورے صحن میں چکراتی پھر رہی تھی، چودھویں کا چاند پوری آب و تاب کے ساتھ آسمان کے وسیع سینے پہ جگمگا رہا تھا، رات کی رانی کی میٹھی سوندھی خوشبو اور چاندنی رات کی ٹھنڈک صحن میں بیٹھی رانی کے جلتے بلتے وجود پر نرم پھوار کی مانند برس رہی تھی، رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی مگر رانی کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی شاید اس کے نصیب سو گئے تھے جبھی تو رانی کی آنکھیں خواب دیکھنے کی عمر میں ہی بنجر اور ویران ہو گئی تھیں، مستقبل کے اندیشے رات رات بھر اسے بے چین کیے رکھتے ایک خوف اس پر مسلط تھا ہر وقت ایک دھڑکا سا لگا رہتا تھا نصرت جہاں نے ایک بار اسے سمجھا دیا تھا وہ قاسم علی کو ناراض کرنے کا رسک کسی طور نہیں لے سکتے تھے کیونکہ قاسم علی نے انہیں اس کڑے وقت میں سہارا دیا تھا جب صدیق علی کی کپڑے کی دکان کا اکلوتا کاروبار بس ڈوبنے کو تھا ایسے میں قاسم علی کی مالی مدد نے صدیق علی کو ہمیشہ کے لئے اپنا مقروض کر گئی تھی، رانی جانتی تھی قاسم علی کے حکمیہ بے لچک و بے وقعت کر دینے والے انداز کے پیچھے کیا محرک کارفرما تھا کہ وہ صدیق علی کی مالی پوزیشن سے اچھی طرح سے واقف تھا، تو کیا تھا اگر رانی اپنے بوڑھے جان سے عزیز رکھنے والے والدین کی خاطر اپنی زندگی کی قربانی دے بھی دیتی، اس کی زندگی، خواہشات و احساسات کی بر حال اس کے والدین کی زندگی کے آگے کوئی وقعت و اہمیت نہیں تھی۔

''کیا ہوا...... سوئی کیوں نہیں ابھی تک؟''
اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ کب ہمایوں اس کے قریب آ کر بیٹھا تھا وہ اسے اس وقت اپنے قریب بیٹھے دیکھ کر چونکی۔
''تم ابھی تک جاگ رہے ہو؟'' رانی نے الٹا حیرت سے استفسار کیا۔
''ہاں جب سے آیا ہوں بس جاگ ہی رہا ہوں میں ابھی تک خود کو پاکستانی ٹائم ٹیبل کا عادی نہیں کر پایا اور جب یہاں سے جاؤں گا تب لندن کے ٹائم ٹیبل کا بمشکل عادی ہو پاؤں گا ویسے بھی میں بہت کم نیند لیتا ہوں بلکہ مجھے تو کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ آہستہ آہستہ میں انسومیا کا مریض بنتا جا رہا ہوں۔'' اپنی بات کے اختتام پہ وہ خود ہی ہنسا تھا مگر رانی نے اس کی ساری بات نہیں سنی اس کا ذہن بس ایک ہی بات میں اٹکا تھا کہ وہ ساری رات جاگتا رہتا ہے۔
''تم واقعی میں ساری رات جاگتے رہتے ہو؟'' رانی اب دوبارہ تصدیق چاہتی تھی۔
''ہاں اور اکثر تمہیں بھی رات رات بھر جاگ کر آسمان پر سجے ان ستاروں کو گنتے ہوئے دیکھتا رہتا ہوں اور سوچتا رہتا ہوں کہ تم بھی اپنے منگیتر کی طرح آہستہ آہستہ سنکی ہوتی جا رہی ہو بھلا ستاروں کو بھی کبھی کوئی گن پایا ہے۔'' وہ پھر غیر سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے اس کا مذاق اڑا رہا تھا وہ اس کی شب خوابی کے عذابوں کا راز دار و امین تھا اور رانی سمجھتی تھی وہ آزاد ماحول کا پروردہ ہونے کے باعث اسے اس تعلق کو جان کا روگ بنانے سے منع کرتا ہے، جبکہ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ رانی دل سے اس بندھن پر خوش نہیں ہے۔

''چلو اٹھو سو جاؤ جا کر باقی کا میرا مذاق کل اڑا لینا۔'' رانی نے خفگی سے منہ پھلاتے کہا دراصل وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے والدین کی نیند خراب ہو ویسے بھی رات کے اس پہر اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ ہمایوں سے بیٹھ کے باتیں کرتی۔
''چلا جاؤں گا پہلے مجھے تم وہ بات بتاؤ جس نے تمہیں اس قدر پریشان کر رکھا ہے۔'' رانی جو اٹھ کر اندر جانے لگی تھی اپنی جگہ پہ منجمد ہو گئی تھی۔
''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں......'' وہ حیرت سے کہتی واپس بیٹھ گئی۔
''تمہارے چہرے پہ صاف لکھا نظر آ رہا ہے، جلدی سے بتاؤ اب اس کھڑوس نے کیا کہہ دیا تم سے۔'' وہ بڑے آرام سے ہاتھوں کو سر کے پیچھے باندھے چارپائی پہ چت لیٹ گیا تھا۔
''تم نے پھر اسے کھڑوس کہا۔'' وہ ناراضگی سے بولی۔
''نہیں کہوں گا اگر وہ اپنی رائے میرے بارے میں اچھی کر لے تو۔'' ہمایوں نے بغیر لگی لپٹی کے کہا تھا۔
''جو...... جو کچھ وہ میرے بارے میں کہتا ہے نا، سب سنتا رہتا ہوں جواب بھی آتے ہیں ایک جواب بھی اگر دے دیا تو زندگی بھر اپنی نام نہاد عزت کو روتا رہے گا مگر تمہارا اور ماموں جان کا لحاظ ہے ورنہ۔'' رانی کے چہرے کے ناقابل فہم تاثرات دیکھ کے وضاحتی انداز میں اس نے بتایا تھا۔
''نہیں ہمایوں تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے اس نے کبھی کوئی غلط بات تمہارے بارے میں نہیں کی۔'' رانی نے اس کا دل صاف کرنا چاہا اندر ہی اندر وہ سخت متحیر تھی آخر ہمایوں کو معلوم کیسے ہوا کہ قاسم علی اس کے خلاف اپنی نا پسندیدگی ظاہر کرنے کو الٹا سیدھا بولتا ہے۔
''رانی پلیز۔'' ہمایوں نے اسے ٹوکا۔
''اپنے کانوں سے سنا ہے میں نے ماموں جان، ممانی جان کو بتا رہے تھے، میری مام نے کوئی ایسا غلط کام نہیں کیا پسند کی شادی کا تو ہمارا مذہب خود ہمیں اجازت دیتا ہے تو پھر اگر میری مام نے وہ حق استعمال کر لیا تو اس میں قباحت کیسی، کیا ڈیڈ نانی کے پاس بار بار رشتہ مانگنے نہیں آتے تھے کیا مام نے نانی کو منانے کے جتن نہیں کیے تھے اور پھر ماموں جان تو مام کی کورٹ میرج میں مام کے میکے کی طرف سے شامل بھی تھے۔'' رانی اپنی پریشانی بھولے حیرت سے ہمایوں کے کیے اس نئے انکشاف کو سن رہی تھی جس کا اسے شاید کبھی پتہ نہ چلتا تھا شاید اسی لئے برادری کے مجبور کرنے کے باوجود بھی صدیق علی نے اپنی بہن سے قطع تعلق نہیں کیا تھا۔
''اینی ہاؤ، تمہارا کیا مسئلہ ہے۔'' وہ بات بدل کر اس سے پوچھ رہا تھا رانی نے اس سے بہت غور سے ہمایوں کا چہرہ دیکھا جو ابھی کچھ دیر پہلے غصے کی حدت سے تمتما رہا تھا اور اب وہاں کسی ناراضی کا شائبہ تک نہ تھا وہ بے اختیار مسکرا دی تھی۔
''قاسم علی کا آج دوبارہ فون آیا تھا، کہہ رہا تھا کہ کل شام کو تیار رہوں اس کے کسی دوست کے ولیمے میں جانا ہے۔'' رانی نے بالآخر اپنی پریشانی اس سے شیئر کر ہی دی تھی۔
''تو اس میں مسئلہ کیا ہے چلی جانا۔'' ہمایوں کو اس میں کوئی پریشانی والی بات نظر نہ آئی تھی۔
''ابا جی برا منائیں گے انہیں پسند نہیں یہ سب۔'' رانی نے بے چارگی سے بتایا۔
''اور اگر نہ گئیں تو قاسم علی ناراض ہو گا،

سوچ لو اور فیصلہ کر لو کہ کس کی ناراضگی تم افورڈ نہیں کر سکتیں، ظاہر ہے قاسم علی کی آفٹر آل وہ تمہارا سو کالڈ منگیتر ہے تو کل شام کو تیار ہو جانا۔" ہمایوں نے آرام سے مشورہ دیا۔

"مگر کیسے، شام کو تو ابا گھر آ جاتے ہیں۔" رانی نے اپنی پریشانی کی اصل وجہ بتائی۔

"تو اس میں ٹینشن والی کون سی بات ہے قاسم علی ہے ناں وہ خود تمہیں ساتھ لے جانے کی بات کر لے گا بھلا ماموں جان اسے انکار کر پائیں گے۔" ہمایوں پر سوچ انداز میں کہتے مسکرایا تھا رانی ناسمجھی سے اسے دیکھتی رہی تھی، دوسرے روز شام کو رانی حسب وعدہ تیار ہو گئی تھی، نصرت جہاں نے رانی کو اجازت لینے سے منع کیا تھا انہوں نے کہہ دیا تھا کہ وہ خود ہی صدیق علی سے قاسم علی کے آنے پہ اجازت لے دیں گی، قاسم علی کے آنے تک رانی دھڑکتے دل سمیت کمرے میں ہی مقید رہی تھی قاسم علی باہر صحن میں کھڑے ہو کر بہت استحقاق سے رانی کو آوازیں دے رہا تھا صدیق علی کھانا کھاتے چونکے۔

"باہر قاسم علی آیا ہے کیا؟" انہوں نے نصرت جہاں سے تصدیق کرتے نوالہ منہ میں ڈالتے پوچھا تھا انہوں نے جی کہہ کے سر جھکا دیا تھا۔

"یہ کیا طریقہ ہے صحن میں کھڑے ہو کر چلانے کا اور وہ رانی کو کیوں بلا رہا ہے؟" صدیق علی نے لقمہ منہ میں رکھا ضرور مگر ان سے کھایا نہیں گیا پانی کے ایک بڑے سے گھونٹ سے نوالہ حلق سے اتارا اور باہر برآمدے میں چلے آئے تب تک ہمایوں بھی سیڑھیاں اتر کر نیچے آ چکا تھا۔

"کیا بات ہے قاسم علی کیوں چلا رہے ہو؟"

"کچھ نہیں بھائی جان رانی کو لینے آیا تھا پتہ تھا اسے کہ میں لینے آنے والا ہوں بس اسی کو پکار رہا تھا۔" قاسم علی نے بغیر جھجکتے یوں بتا رہا تھا گویا رانی اس کی منگیتر نہیں اہلیہ ہو اور وہ اس پہ پورا پورا حق رکھتا ہو۔

"رانی کو لینے آئے تھے مگر کیوں؟" صدیق علی نے تحمل کا مظاہرہ کرتے پوچھا تھا۔

"ایک دوست کے ولیمے میں جانا تھا اسے میرے ساتھ اور آپ یوں تفتیش کیوں کر رہے ہیں میں کہیں اسے خدانخواستہ اغواء کر کے تو نہیں لے جا رہا۔" قاسم علی نے اب کی بار ذرا درشت لہجے میں جواب دیتے کہا تھا اسے صدیق علی کی پوچھ گچھ ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔

"کس کی اجازت سے اسے لینے آئے ہو قاسم علی۔" صدیق علی نے رگوں کو منجمد کر دینے والے سرد ٹھٹھرتے لہجے میں پوچھا قاسم علی چونک گیا صدیق علی کیسا سوال کر رہا تھا اس سے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا رانی منگیتر ہے میری اور میں پورا حق رکھتا ہوں اسے کہیں بھی اپنے ساتھ لے جانے کا، اس میں مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت تو نہیں ہے۔" قاسم علی ساری مروت بالائے طاق رکھتے پوری قوت سے دھاڑا تھا کمرے کی کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھتی رانی کا دل سوکھے پتے کی مانند لرزا تھا کیا ضرورت تھی اسے قاسم علی کے سامنے ہامی بھرنے کی انکار کر دیتی تو بہتر تھا زیادہ سے زیادہ قاسم علی چار باتیں ہی سنا دیتا نا سن لیتی مگر یہ سب تو نہ ہوتا تھا۔

"قاسم علی سوچ سمجھ کر بات کرو میری بیٹی تمہاری بیوی ہے نہ منکوحہ، کہ جس پر تم ہر طرح کا حق رکھو، ابھی غیر محرم ہو تم اس کے لئے اور میں

یہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ میری گھر کی عزت کے لئے یوں ہرا ایرا غیرا آ کر صدائیں لگاتا پھرے۔" جواباً صدیق علی بھی دھاڑے تھے۔

"ایرا غیرا۔" قاسم علی نے طنز سے بھرپور قہقہہ لگایا۔

"ایرا غیرا صدیق بھائی آپ شاید بوڑھے ہو گئے ہیں ہاہاہا، آپ مجھے ایرا غیرا کہہ رہے ہیں جو جلد یا بدیر شرعی حق بنا لے گا مگر ایک جوان جہان لڑکے کو گھر میں ٹھہرا سکتا ہے جس کا کردار مشکوک ہے جس کی ماں کا کردار مشکوک ہے جو اس پورے خاندان کے لئے پچیس سال بعد بھی کلنک کا ٹیکہ بنی ہوئی ہے، آپ نے اسے کس حق کس رشتے کس ناطے سے یہاں گھر ٹھہرایا ہوا ہے یہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی کہ آپ کے گھر دو عدد خوبصورت و جوان ہوتی بیٹیاں ہیں۔"

"بس...... باس...... تم حد سے بڑھ رہے ہو قاسم علی۔" بات ہی ایسی تھی کہ صدیق علی قاسم علی کا مقام و مرتبہ بھول کر کہہ رہے تھے ان کا بس چلتا تو تھپڑوں سے قاسم علی کا منہ لال کر دیتے وہ غصے سے آگے بڑھے تھے مگر ہمایوں نے انہیں فوراً آگے بڑھ کر روک لیا تھا۔

"ابھی تک تو اپنی حد میں ہی تھا اسی لئے خاموش تھا ورنہ میری عزت و غیرت کا تقاضا تو یہ کہتا تھا کہ اسے ایک دن بھی یہاں ٹکنے نہ دیتا، لیکن اب میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ یا تو یہ اس گھر میں رہے گا میرا اس گھر سے رشتہ وابستہ رہے گا۔" قاسم علی نفرت سے ہمایوں کی طرف دیکھتا ہوا بولا تھا۔

"خدا کے لئے قاسم علی، میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں یہاں سے چلے جاؤ، ابھی چلے جاؤ۔" نصرت جہاں جو بے بسی سے ایک طرف کھڑی سارا تماشا دیکھ رہی تھیں معاملہ زیادہ بگڑتے دیکھ کر فوراً آگے بڑھ کے قاسم علی کے آگے ہاتھ جوڑ کے التجا کرتے بولیں تھیں۔

"ابھی تو جا رہا ہوں نصرت آپا، مگر واپس آؤں گا سارے حساب کتاب چکتا کرنے۔" قاسم علی تنفر سے کہتا کھا جانے والی نظروں سے گھورتا واپسی کے لئے پر تول رہا تھا۔

"خدا کے لئے قاسم علی ایسا کچھ مت کہو غصہ تھوک دو۔" نصرت جہاں نے گڑگڑاتے ہوئے کہا تھا انہیں صاف لگ رہا تھا قیامت بس آنے کو ہے قاسم علی کی بدولت کتنی جگ ہنسائی ہونے والی تھی اور قاسم علی تو صرف زبان کا ہی کڑوا نہیں تھا وہ تو فطرتاً ہی ایسا تھا اپنے علاوہ کسی کو کچھ نہ گردانتے سمجھنے والا اور جھوٹی پچی بے پر کی اڑانے والا اپنے علاوہ اسے کبھی کچھ نظر آیا ہی نہیں تھا وہ خود کو حکمران اعلیٰ سمجھتا اور باقی سب حقیر رعایا کی مانند تھے، مگر وہ مجبور تھے کیونکہ قاسم علی نے صدیق علی کی اس کڑے وقت میں مدد کی تھی جب اپنے دوست کے ساتھ مل کر صدیق علی نے اپنا سارا جمع جتھا لگا کر نیا کاروبار شروع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، وہ اپنی سادگی میں سارا پیسہ دوست کے ہاتھوں ہتھیا بیٹھے تھے حالات نے ایک دم سے پلٹا کھایا اور وہ کوڑی کوڑی کے محتاج ہو گئے بس فاقوں کی کسر رہ گئی تھی، قاسم علی، صدیق علی کا دور کا چچازاد تھا ایک عرصے سے رانی کا خواہشمند تھا مگر عمروں کے واضح فرق کی وجہ سے قاسم علی ہچکچاہٹ کا شکار تھے، مگر جب ان کے حالات کمپرسی کا شکار ہوئے تو سب سے پہلے اس آڑے وقت میں قاسم علی نے ہی ان کا بھرپور ساتھ دیا تھا، حالات پہلے جیسے تو اب بھی نہ ہوئے تھے تاہم وہ اپنی سفید پوشی کا بھرم اور معاشرے میں سر اٹھا کر چلنے میں کامیاب ضرور رہے تھے اور قاسم علی کا یہ

وصف اس کے حق میں سب سے بڑا ووٹ ثابت ہوا تھا کہ قرضے کی مد میں دی جانے والی رقم کی خبر قاسم علی اور صدیق علی کے گھرانے کے علاوہ کسی تیسرے فرد نے نہیں سنی تھی اور اب قاسم علی کے بگڑنے اور غصہ کھانے پر خاندان میں الگ بے عزتی ہوتی اور قرض کی الگ پریشانی، نصرت جہاں نے زمین پہ دھم دھم پیر پٹخ کر جاتے قاسم علی کو دیکھ کے سوچا تھا۔

☆☆☆

تین روز گزر گئے تھے اس واقعے کو پورے گھر کو ایک عجیب سی اداسی نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا قاسم علی کی جانب سے مکمل خاموشی تھی اکثر خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے رانی جی جان سے لرز جاتی، صدیق علی معمول کے مطابق دکان پر جاتے رانی سر جھکائے سارا دن کام میں مصروف رہتی نصرت جہاں کے سجدوں نے طوالت پکڑ لی رہ گئی سارہ تو وہ ابھی بچوں میں شمار ہوتی تھی اس کی کھیل کود میں پہلے کی طرح رانی ساتھ نہ دے پاتی نہ ہی ہمایوں کے ساتھ نوک جھونک ہوتی وہ اس سارے واقعے کا خود کو ذمہ دار سمجھتا تھا آج کل واپسی کی تیاریوں میں تھا کسی کو بتائے بغیر مگر جانے کیسے صدیق علی کو خبر ہو گئی تھی انہوں نے اسے اپنے کمرے میں بلا کر سختی سے واپس جانے کو روکا تھا اس نے لاکھ سمجھانا چاہا کہ اس کا دل یہاں اب نہیں لگتا مام اور ڈیڈ بہت اداس ہو رہے ہیں مگر صدیق علی نے اس کی ایک نہیں سنی تھی، نتیجتاً وہ خاموش ہو رہا سارا سارا دن اوپر چھت پر بنے کمرے میں پڑا رہتا یا مارکیٹ چلا جاتا، رانی سے نگاہیں چرائے شرمندہ شرمندہ سا پھرتا۔

آج صبح رانی اس کے کمرے میں آن دھمکی وہ جو اوندھے منہ بیڈ پہ لیٹا تھا رانی کے پردے ہٹانے پر چھن چھن کر آتی روشنی کو دیکھ کر اٹھ بیٹھا وہ کڑے تیور لیے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔

''یہ بوتھا کیوں لٹکایا ہوا ہے۔'' آتے ہی برس پڑی۔

''مجھے لگا تم مجھ سے ناراض ہو۔'' ہمایوں نے مسکرا کر دیکھتے جھٹ خدشہ بیان کر دیا۔

''ناراض کو مناتے ہیں خود نہیں چھپ جاتے۔'' وہ اب ہاتھ میں پکڑی ٹرے کمرے کے وسط میں بڑی تپائی پر رکھ رہی تھی۔

''میں شرمندہ تھا۔'' ہمایوں نے سر جھکاتے ہوئے اعتراف کیا۔

''تمہیں شرمندہ اس بات پر نہیں ہونا چاہیے یہ ہمارے یہاں معمول کی بات ہے، ہاں۔'' وہ اس کے بستر کی چادر لپیٹ کر بولی تھی وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''سوری رانی، مجھے تمہیں ایسا مشورہ نہیں دینا چاہیے تھا۔'' وہ ابھی بھی نادم تھا، رانی نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''ٹھیک ہے آئندہ خیال رکھنا ابھی کے لئے سوری قبول ہو گئی ہے تمہاری اٹھو اب یہ ناشتہ ٹھونس لو، میں دوبارہ نہیں گرم کر کے دینے والی۔''

ہمایوں نے خاموشی سے ٹرے اپنی جانب سرکالی رومال ہٹا کر دیکھا تو سبز سبز مرچوں اور گرم مصالحے والا رانی کا اسپیشل آملیٹ اور مکھن کا پراٹھا ٹرے میں اس کا منہ چڑاتے نظر آئے۔

''یہ...... یہ...... ناشتہ ہے۔'' ہمایوں کا لہجہ یکلخت زدہ ہو گیا۔

''نہیں سزا ہے تمہاری اور تم اسے پورا کھاؤ گے اور یاد رکھنا سی کی آواز نہ سنائی دے ورنہ سزا کا دورانیہ طویل بھی ہو سکتا ہے۔'' رانی نے وارن کرتے انگلی سے ٹرے کی جانب اشارہ کیا، اسے اب سمجھ آیا تھا رانی اس سارے واقعے پر اس کے ردعمل کو اتنا لاعلمی کیوں لے رہی تھی، ہمایوں نے مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق پہلا نوالہ توڑ کے منہ میں ڈالا تھا۔

☆☆☆

صدیق علی شام کی چائے پی رہے تھے نصرت جہاں عصر کی نماز ادا کر رہی تھیں جبھی سموسے اور جلیبیوں کا شاپر پکڑے ہمایوں گھر کے اندر آیا اور سیدھا سلام کرتا کچن میں رانی کی طرف آیا تھا۔

''جلدی سے پلیٹوں میں نکال لاؤ کہیں ماموں جان چائے ہی نہ ختم کر لیں۔'' وہ یوں گھر کے چھوٹے چھوٹے کام کیا کرتا تھا گویا جنم جنم سے یہاں رہتا ہو کہیں سے نہیں لگتا تھا کہ وہ لندن کی کیمبرج یونیورسٹی کا ہونہار اسٹوڈنٹ ہے اور اس سے بالکل مختلف ماحول میں پلا بڑھا ہے، رانی نے جلدی سے پیاز کاٹنی بند کی اور اس کے ہاتھ سے شاپر پکڑ لئے۔

''آج کیا بنا رہی ہو۔'' اسے اتنی ڈھیر ساری پیاز کاٹتے دیکھ کر وہ حیرت سے بولا تھا۔

''بریانی۔'' رانی نے مختصر سا جواب دیا اور ٹرے میں دونوں چیزیں رکھ کر اسے پکڑائیں۔

''میں آج کھانا باہر کھاؤں گا۔'' بریانی کا نام سنتے ہی وہ بدکا تھا، وہ رانی کے مصالحہ جات کے وافر استعمال سے حد درجہ چڑتا تھا اور رانی بھی جان جان کے اسے وہ سب کھانے پر مجبور کرتی تھی ہاں جب کبھی وہ رحم کے موڈ میں ہوتی تب اسے چائنیز بنا دیتی تھی۔

''شوق سے جاؤ، میری بلا سے۔'' رانی نے ناک پر سے مکھی اڑائی۔

''کیا اب میں تمہارے لئے بلا بن گیا ہوں۔'' ہمایوں نے صدمے کے زیر اثر پوچھا۔

''مہمان صرف چار دن کا ہوتا ہے اس کے بعد وہ بلا کا روپ ہی دھار لیتا ہے۔'' رانی نے بے پروائی سے کہتے اسے تیلی لگائی وہ بھل بھل جل اٹھا۔

''چلا جاؤں گا واپس۔'' ہمایوں کی غیرت جاگ اٹھی۔

''اچھا...... کب؟'' رانی نے حیرت کا مظاہرہ کرتے جوش سے پوچھا تھا مگر ہمایوں بھی ایک نمبر کا ڈھیٹ تھا فوراً بولا۔

''جب میرا دل چاہے گا ابھی کیوں جاؤں یہ میرے نانا کا گھر ہے۔'' وہ کہتے ٹرے لے کر پلٹ گیا مگر رانی تا دیر اس کی کسرتی کمر کو دیکھتی رہی کتنی اپنائیت تھی اس کے انداز میں اور کتنا اپنا اپنا سا لگتا تھا، مزاج آشنا، دل کا درد جان کر نا محسوس طریقے سے بانٹنے والا، ایسے بھی تو مرد ہوتے ہیں زندگی کو ہنستے کھیلتے گزارنے والے، خوشیاں بانٹنے والے جبکہ قاسم علی کی یاد ہی دل کو گھٹن زدہ کر دیتی تھی کہ سانس لینا دشوار محسوس ہونے لگتا۔

جانے کیوں زندگی میں ایسے لوگ ملتے ہیں جن سے قسمت کے ستارے نہیں ملتے رانی نے صدیق علی کو آگے بڑھ بڑھ کے سموسے پیش کرتے ہمایوں کو دیکھتے کرب سے سوچا تھا سختی سے آنکھیں بند کرتے درد کی سسکاری کو اس نے لبوں میں ہی دبوچ لیا تھا۔

☆☆☆

وہ سوچوں میں گم تھی جب وہ اس کے قریب آیا تھا۔

''ارے زیادہ علامہ اقبال بننے کی کوششوں میں مت رہا کر، یہ انہی کا کام تھا وہ پاکستان بنا گئے تم سے آزاد کشمیر آزاد نہیں ہو پائے گا۔''

''تم تو ضرور کر لو گے۔'' اس کی جلی کٹی کے

جواب میں رانی نے بھی جلا کٹا جواب ہی دیا تھا۔
''فی الحال میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے ویسے تو یہ میرا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے یوں......؟'' چٹکی بجاتے اس نے بڑھک ماری تھی۔
''ویسے تم کہو تو تمہاری قاسم علی سے جان چھڑوادوں۔'' وہ اس کے نزدیک ہوتے شرارت سے گویا ہوا۔
''دفع دور۔'' رانی نے اسے دھکا دیتے کوسا۔
''سوچ لو ساری عمر میرے بچوں کو دعائیں دوگی۔'' وہ مائل بہ شرارت تھا مگر رانی کو لگا وہ اس کا مذاق اڑا رہا ہے اس لئے فوراً تپ گئی۔
''دعائیں نہیں میری ساری عمر تمہیں کوستے گزرے گی کیوں میرے مستقبل میں بننے والی نئی زندگی کی شروعات پہ بلڈوزر چلانے کا سوچ رہے ہو، آخر تمہیں تکلیف کیا ہے۔''
''مجھے کوئی تکلیف نہیں بلکہ تمہیں تکلیف سے نکالنے کی بات کر رہا ہوں۔'' ہمایوں سنجیدہ ہوا۔
''یہ پاکستان ہے ہمایوں، یہاں اگر کسی لڑکی کی ایک بار منگنی ٹوٹ جائے تو وہ ساری عمر قصور وار سمجھی جاتی ہے، وہ خود کی نظروں میں معاشرے کی نظروں میں ایک مجرم کی سی حیثیت اختیار کر جاتی ہے اس کی ذات خود اس کے لئے ایک سوالیہ نشان بن جاتی ہے اور تم چاہتے ہو کہ میں ایسی زندگی گزاروں۔'' وہ بھرائے لہجے میں آنسوؤں کو پیتے ہمایوں سے پوچھ رہی تھی۔
''اور جو اذیت تمہیں قاسم علی کا ساتھ دے گی اس کا کیا......؟'' مقابل بھی تو ہمایوں تھا اپنی ذات کی نفی نہ کرنے والا اپنے خواہشات خوابوں کو ترجیحات زندگی کی فہرست میں سرفہرست رکھنے والا۔
''ایک گھر تو بن جائے گا، سر چھپانے کی جگہ اور عزت کے ساتھ دو وقت کی روٹی تو مل جائے گی جہاں مجبوریاں اپنے ڈیرے ڈال لیں وہاں خواہشات و آرزوؤں کا قبرستان بن جاتا ہے نخلستان نہیں، میری زندگی پہلے ہی بہت مشکل ہے تم اسے اور بنانے کی کوشش مت کرو پلیز۔'' وہ ملتجی انداز میں کہتی رو پڑی ہمایوں جان گیا اس کی باتیں رانی کے دل پہ اثر کرتی ہیں اس لئے کیونکہ کہیں نہ کہیں لاشعور میں وہ بھی ایسی ہی زندگی گزارنے کی متمنی ہے مگر اس کے پیروں میں والدین اور سماج کی بیڑیاں اسے ایسا سوچنے سے بھی روکتی ہیں حالانکہ خواب دیکھنے پر تو پابندی نہیں ہے۔
''اچھا ٹھیک ہے تمہارے جو جی میں آئے وہ کرو، لیکن پہلے وہ سن لو جو میں کہنے آیا تھا۔'' ہمایوں نے جینز کی پاکٹ سے ایک تہہ شدہ کاغذ نکال کر اسے تھمایا رانی نے دو انگلیوں اور انگوٹھے کی مدد سے اس کاغذ کو تحیر سے دیکھتے تھاما اور پھر سوالیہ نظروں سے ہمایوں کو دیکھا۔
''یہ تمہارے لئے ہے، ہر وقت گھر میں فارغ رہ رہ کر جو فضول سوچتی رہتی ہو ناں اس سے بچنے کا بہترین طریقہ ہے یہ۔'' رانی نے تہہ شدہ اس کاغذ کو کھول کر دیکھا وہ کسی ایک ووکیشنل انسٹی ٹیوٹ کا ایڈمیشن فارم تھا جہاں پر ہر طرح کا آرٹ اینڈ کرافٹ، پینٹنگ کوکنگ کلاسز فلاور میکنگ ہر چیز کے مختلف کورسز کرائے جاتے تھے اور جہاں پر ایڈمیشن لینے کا وہ ہمیشہ سوچتی تھی مگر قاسم علی کو اس کا مزید تعلیم حاصل کرنا پسند نہیں تھا سو دل کی خواہش کو دل ہی میں دبا کر خاموش ہو رہی تھی۔
''یہ کیا ہے؟'' اس نے سنجیدہ ہوتے بے تاثر چہرے کے ساتھ پوچھا تھا۔
''میم کیا یہ تمہارے کام کا نہیں ہے۔'' ہمایوں نے غور سے اس کے چہرے کو پڑھتے فارم اس کے ہاتھ سے لیا، رانی بے اختیار نظریں چرا گئی۔
''ایسی بات نہیں ہے میں وہاں جا کر کیا کروں گی گھر یہ سب کچھ امی جان سکھا تو رہی ہیں۔'' وہ اسے جانچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا رانی نے بے اختیار نظریں چرائیں۔
''یہ کوئی عذر نہیں ہے۔'' ہمایوں نے اسے ٹوکا۔
''تم قاسم علی کی وجہ سے ایسا کہہ رہی ہو کیونکہ اسے برا لگے گا۔'' ہمایوں نے ایک ایک لفظ کو چبا چبا کر ادا کیا۔
''تمہیں کیسے پتہ چلا۔'' رانی اس کا طنز بھولے ہونق پوچھ رہی تھی ہمایوں اس سادہ دل کومل لڑکی کو دیکھ کے مسکرایا، تصنع و بناوٹ سے پاک لڑکیاں صرف مشرق میں ہی مل سکتی ہیں اس نے دل ہی دل میں اعتراف کیا پھر بتایا۔
''تم سے پہلے ان سے بات کر کے آ رہا ہوں، انہوں نے فیصلہ تم پر چھوڑ دیا ہے کہ اگر رانی خواہشمند ہے مزید تعلیم کی تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن تمہیں اعتراض ہے کہ قاسم علی کو پتہ چلے گا تو اسے برا لگے گا۔'' رانی کو اسکا کچھ بھی کہنا برا نہیں لگا تھا اس کی سوئی بس پہلے جملے میں ہی اٹکی ہوئی تھی کہ صدیق علی مان گئے تھے۔
''جلدی بتاؤ تمہارا کیا فیصلہ ہے کل ایڈمیشن کی آخری تاریخ ہے اور مجھے اسے ابھی جمع کروانا ہے۔'' ہمایوں نے اپنی ہی دھن میں کہتے رانی کی طرف دیکھا جو ڈبڈبائی نظروں سے دیکھتی تشکر سے اسے دیکھ رہی تھی۔
''تھینکس ہمایوں، تھینک یو سو مچ۔'' آنسو اس کے نرم چہرے پر گرنے لگے۔
''پاگل۔'' ہمایوں نے اس کے سر پہ ہلکی سی چپت لگاتے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

☆☆☆

اگلے ہی روز ہمایوں اسے اپنے ساتھ لے جا کر اس کا داخلہ فارم جمع کروا آیا تھا اگلے ہفتے سے اس کی کلاسز شروع ہونی تھیں آرٹ اینڈ کرافٹ کے کورس کو ہمایوں نے ہی اس کے لئے منتخب کیا تھا کیونکہ تھوڑی بہت کٹائی سلائی کا کام وہ پہلے سے جانتی تھی اس کورس کو کرنے سے باقی ماندہ کسر نکلنے کے ساتھ ساتھ مزید صفائی آ جاتی، انسٹی ٹیوٹ کے بالکل سامنے سڑک پار اسپیئر پارٹس اور شورومز کی ایک بڑی سی مارکیٹ تھی رانی نے وہاں قاسم علی کے شوروم کے بارے میں بھی ہمایوں کو آگاہ کیا تھا وہ حسب عادت اپنے انداز میں جواباً گویا ہوا کہ رانی کا دل جل کر خاک ہو گیا۔
''ہاں ہاں جانتا ہوں کہ تمہارا سو کالڈ منگیتر بڑا پیسے والا ہے مگر، ہاہاہا میں کیا کروں رام مجھے بڈھا مل گیا۔'' دل جلانے والے انداز میں وہ گنگنایا تھا۔

☆☆☆

وہ کالج سے واپس گھر لوٹی تو گھر کی فضا کو مکدر محسوس کیا نصرت جہاں حسب معمول خاموشی سے وظائف میں مگن تھیں مگر رانی کو ان کی نم آنکھوں سے چھلکتی مایوسی و بے بسی لمحوں میں نظر آ گئی تھی اسے کسی غیر معمولی بات کا احساس ہو گیا تھا، اس نے کچن میں جھانکا۔
امی جان نے آج کھانا نہیں پکایا تھا خالی کچن بھائیں بھائیں کرتا اس کا منہ چڑا رہا تھا، کاؤنٹر پہ رکھے سبزی گوشت کے تھیلے جوں کے توں پڑے تھے رانی نے آگے بڑھ کر گوشت دھو

کر فریزر میں پیکٹ بنا کر رکھا پھر سبزی صاف کر کے چن کر ٹوکری میں دھو کر فریج میں رکھی یہ پورے ہفتے کی سبزی تھی نصرت جہاں ظہر کے نماز کے بعد سے مصلے پہ بیٹھی تھیں اور اب عصر ہونے والی تھی رانی جانتی تھی انہوں نے ابھی چائے بھی نہیں پی ہوگی اسی لئے اپنی اور ان کی چائے بنا کر وہ ان کے قریب چلی آئی تھی نصرت جہاں آنکھیں موندے موتیوں کی لڑیاں گراتے چہرے پہ بلا کا سکون اتارے محو دعا تھیں رانی نے فرشتوں جیسی روشنی و پاکیزگی رکھنے والی اپنی ماں کا چہرہ دیکھا جو پرنور اور ملاحت سے بھرپور تھا، نصرت جہاں نے دعا کے بعد رانی کے چہرے پہ پھونک ماری پھر پورے گھر کی چار دیواری پہ، رانی نے اپنی ماں کے چہرے پہ نظر آتے بلا کے سکون کے پیچھے پوشیدہ تفکر کے جال کو بھانپ لیا تھا اسی لئے انہیں چائے کا کپ پکڑاتے استفسار کر بیٹھی تھی۔

"کچھ پریشان ہیں امی جان!" نصرت جہاں نے حیرت سے اپنی نرمل بیٹی کو دیکھا۔

"نہیں بیٹا، الحمدللہ مجھے کوئی پریشانی نہیں۔ اب میری فکریں پالنے والی ذات بہت طاقتور ہے وہ مجھے کیوں پریشان رہنے دے گی۔" رانی نے اس سے رشک سے اپنی ماں کے کامل یقین سے پر لہجے پہ محبت سے انہیں دیکھا تھا۔

"تو پھر کھانا کیوں نہیں بنایا آپ نے؟" رانی نے استفسار کرتے ان کے چہرے کو کھوجا جانتی تھی کہ اس کے والدین اپنی پریشانیاں صرف اپنے تک محدود رکھا کرتے تھے اب بھی رانی جان گئی تھی کہ وہ اتنی آسانی سے رانی کو کچھ نہیں بتائیں گی جبھی بات بدلتے ہوئے پوچھنے لگی تھی۔

"تیرے ابا آج کہیں گئے ہیں کام سے اسی لئے دوپہر کا کھانا تو بھیجنا نہیں تھا دکان پر سوچا شام کو مٹر پلاؤ بنا لیں گے اور پھر ہمایوں بھی صبح کا نکلا ہوا ہے ابھی تک نہیں لوٹا، تمہیں بھوک لگی ہے کیا جلدی سے بنا دوں۔" ممتا بھرے انداز میں انہوں نے فوراً پوچھا تھا رانی نے ہولے سے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"ابا جان کدھر گئے ہیں آج؟" وہ کہاں ٹلنے والی تھی بالآخر انہوں نے بتا ہی دیا۔

"وکیل سے ملنے۔" نصرت جہاں نے کرب سے آنکھیں موندتے ہوئے بتایا تھا۔

"وکیل کے پاس مگر کیوں؟ ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی انہیں۔" رانی تحیر سی اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"قاسم علی نے قرضے کی جلد از جلد واپسی کے لئے نوٹس بھجوایا ہے، عدالت سے رابطہ کیا ہے اس نے۔" نصرت جہاں نے رانی کے سر پہ بم پھوڑا چند لمحے تو وہ اپنی جگہ سے ہل ہی نہیں سکی تھی۔

"تو کیا قاسم علی اس حد تک گر سکتا ہے۔" رانی نے خود کو اذیت کی بھٹی میں جلتے کرب سے سوچا۔

"سمجھ میں نہیں آتا قاسم علی ایسا کر بھی کیسے سکتے ہیں ہمارے حالات ویسے ہی بڑی مشکل سے سدھرے ہیں ابھی تمہاری شادی بھی کرنی ہے رضیہ ہر دفعہ اصرار کرتی ہے پھر قاسم علی کا قرض آہستہ ہی سہی مگر چکا ہی دینا تھا مگر جانے کیوں وہ ہمیں ذلیل کرنے پر تلا ہوا ہے، تمہارے ابا جان صبح سے بے حد فکر مند تھے ہمایوں نے ہی کہا کہ وہ اس قرض کو منٹوں میں قاسم علی کو لوٹا کر اس کا منہ بند کر سکتا ہے مگر تمہارے ابا جان کو یہ بات اپنی غیرت پہ تازیانے کے برابر لگتی اپنی عزت کو بچانے کی خاطر وہ مزید اپنے مقام سے نہیں گر سکتے۔" نصرت جہاں نے سسکتے ہوئے رانی کو تمام تفصیل بتائی تھی رانی کا دل بے حد بوجھل ہو گیا کس قدر بدنصیب تھی اس کی ذات، بیٹیاں تو رحمت ہوتی ہیں مگر وہ تو والدین کو اپنے وجود سے صرف دکھ ہی دے پائی تھی، خوشیاں کشید کرنے کا موسم تو اس کے وجود کے جوبن پر کبھی اترا ہی نہ تھا، نوٹس کو بغور پڑھتے رانی نے دل میں مصمم ارادہ کرتے اگلے ہی روز اسے عملی جامہ پہنا ہی دیا تھا۔

☆☆☆

اگلے ہی روز وہ ڈرتی جھجکتی قاسم علی کے سامنے اس کے شوروم میں کھڑی تھی۔

قاسم علی کاؤنٹر پر بیٹھا کسی گاہک کی بائیک خریدنے کے بعد کی جانے والی کاغذی کارروائی پوری کر رہا تھا، ہنڈا ڈیلکس آٹوز کے نام سے اس کا شوروم پوری مارکیٹ میں سب سے بڑا اور ہائی ریٹنگ رکھنے والا شوروم تھا اور آمد و رفعت بھی حد درجہ زیادہ، معلوم ایسے ہوتا جیسے ترقی پذیر اس ملک میں سب ہی برائے نام سفید پوش تھے ورنہ یوں دھڑا دھڑ گاڑیاں اور موٹر بائیکس نہ خرید رہے ہوتے میمو کارڈ پہ اپنے دستخط کرتے قاسم علی کے موٹی انگلیوں والے بھاری سانولے ہاتھ ذرا کی ذرا تھمے تھے اس نے ایک نظر رانی کے وجود پہ ڈالی رانی خود میں سمٹ کر رہ گئی پھر چادر کا کونا اپنی ہتھیلیوں میں زور سے دبائے نقاب درست کرتی گھبراہٹ سے شرابور ہو گئی، ایک تو قاسم علی کوئی لفٹ نہیں کروا رہا تھا دوسرا اسے ڈر تھا کہیں کالج سے لیٹ ہونے پر امی جان پریشان ہو کر ہمایوں یا ابا جان کو ہی نہ بھیج دیں اسے لینے، سارا انسٹی ٹیوٹ تو خالی ہو چکا تھا، وہ گھر جا کر اپنی دیر سے آمد کی کیا توجیح پیش کرتی پندرہ منٹ وہ لرزتی ٹانگوں پہ بمشکل کھڑی رہی وہ یہاں آ تو گئی تھی مگر نتائج کی پروا کرنا بھول گئی تھی قاسم علی اچھا خاصا ہنگامہ کر سکتا تھا، اس کے باپ کو بلا کر مزید ذلیل کر سکتا تھا طرح طرح کی باتیں، الزامات، بہتان لگا سکتا تھا گاہک اٹھ کر جا چکے تھے قاسم علی نے اس کی طرف دیکھے بغیر راشد کو آواز دی تھی۔

"بی بی کو اندر عزت سے بٹھا کے آؤ۔" ایک تختی سا وجود رکھنے والا کم عمر سا لڑکا اسے اپنے ساتھ اندر بنے ایک چھوٹے سے کیبن کی طرف لے آیا تھا، وہ شاید قاسم علی کے لئے بنائی گئی چھوٹی سی آرام گاہ تھی، جہاں ایک صوفہ کم بیڈ کے ساتھ ایک کرسی رکھی تھی کونے میں ٹیلی فون اسٹینڈ اور اس کے اوپر لگا ایل سی ڈی جس میں لگے کیمرے اس وقت پورے شوروم کو کور کیے ہوئے تھے اس کا مطلب تھا قاسم علی آرام کے وقت بھی پورے شوروم کو کڑی نگاہ سے دیکھتا رہتا تھا وہاں اسے بیٹھے آدھے سے زیادہ گھنٹہ ہو گیا تھا مگر قاسم علی ابھی تک وہاں نہیں آیا تھا، رانی کی جان پہ بن آئی کہیں قاسم علی اس کے ابا کو تو نہیں بلانے چل دیا؟ ملازم نے اس کے سامنے لا کر چائے رکھی تو وہ حواس میں لوٹی۔

"چائے پی لیں جی؟" وہ مودبانہ طریقے سے مخاطب ہوا تو رانی کی کچھ ہمت بندھی۔

"تمہارے صاحب کہاں ہیں ان سے کہو مجھے واپس بھی جانا ہے۔" تھوک نگلتے بمشکل بول پائی۔

"وہ کہہ رہے ہیں آپ آرام سے چائے پی لیں میں ابھی تھوڑی دیر میں فارغ ہو کے آتا ہوں۔" تھوڑی دیر بعد قاسم علی کا پیغام راشد نامی اس لڑکے نے آ کر اسے دیا تھا جو اسے یہاں بٹھا کے اور چائے دے کر گیا تھا، رانی نے چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا مگر پی نہیں پائی ایک خیال بجلی کی کوند کی مانند اس کے ذہن کی دیواروں سے ٹکرایا تھا کہ پورے وجود میں کرنٹ

بن کر دوڑ گیا، کیا خبر قاسم علی نے بدلہ لینے کی خاطر اس میں نشہ آور کوئی چیز ملا دی ہو، اگر وہ بے ہوش ہو جائے تو اس کے ساتھ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے، نہیں نہیں...... اس نے خوف سے ایک جھرجھری سی لی اور کپ پرچ میں پٹخ دیا تھوڑی دیر کے جان لیوا انتظار کے بعد وہ اس کے پاس آیا تھا آتے ہی صوفہ کم بیڈ پہ بیٹھنے والے انداز میں بیٹھ کر سگریٹ سلگا کر تمسخر بھری نظروں سے رانی کا بغور جائزہ لیا تھا۔

''ایسی بھی کیا بات ہو گئی جو صدیق علی کی عزت یوں ایرے غیرے کے پاس اس مصروف ترین مارکیٹ تک آ گئی۔'' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کے سگریٹ کا ایک لمبا کش لے کر فضا میں تحلیل ہوتے دھویں کو بغور دیکھتے تمسخر سے بولا تھا۔

''اپنے طنز کے وار کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھو قاسم علی۔'' رانی نے ہمت کرتے اس کی طرف دیکھنے کی کوشش کی جس کی آنکھوں کا تاثر ہنوز وہی تھا۔

''اچھا......'' قاسم علی نے اچھا کو خوب لمبا کیا پھر طنز کا ہنکارا ابھرا۔

''بولنا تو خوب آ گیا ہے تمہیں اس وقت کیوں نہ بول پائیں جب تمہارے باپ نے بے عزت کر کے گھر سے نکالا تھا؟'' وہ اس حسب عادت عدالت لگا رہا تھا وہ خود ہی وکیل تھا خود ہی منصف۔

''جو ہو گیا اس کو بھول جائیں جو بگڑا ہے اسے سنوارنے کی کوشش کی جائے تو بہتر ہو گا۔'' رانی نے آہستگی سے اپنا مدعا پیش کیا۔

''مطلب؟'' قاسم علی نے بھنویں اچکائیں۔

''آپ اپنا کیس واپس لے لیں۔'' رانی نے بالآخر اس سے اصل بات کہہ ہی دی جواباً قاسم علی قہقہہ لگا کر ہنسا۔

''اچھا لے لیا، پھر...... اس کے بعد کیا ہو گا؟'' ہنسی روکتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

''میں وعدہ کرتی ہوں ابا جان آہستہ آہستہ آپ کا سارا قرض اتار دیں گے مگر ابھی یکمشت وہ اتنی بڑی رقم کا انتظام نہیں کر پا رہے پلیز میری خاطر......'' ایکدم وہ جوش سے کہتی چپ ہو گئی، قاسم علی سوالیہ نظروں سے اس کی پوری بات سننے کا منتظر تھا۔

''اس رشتے کی بقا کے لئے اگر آپ اپنے رویے میں تھوڑی سی بھی لچک پیدا کریں گے تو بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔''

''کیا تمہیں ابھی بھی لگتا ہے کہ وہ ہمارا رشتہ دوبارہ قائم ہو سکتا ہے؟'' قاسم علی نے اسے اک نئی مشکل میں ڈالا تھا مگر رانی کو اپنے والدین کی آزمائشوں کو کم کرنا تھا اس کے لئے چاہے اسے کتنی ہی بڑی قربانی کیوں نہ دینی پڑتی وہ دے دیتی، جبھی بڑے جذب سے قاسم علی کی طرف دیکھتی وہ بولی تھی۔

''میری طرف سے تو وہ رشتہ کبھی ختم ہوا ہی نہیں قاسم علی۔'' کہا اور نظریں فوراً گود میں رکھے ہاتھوں پہ جما دیں مبادا قاسم علی سچ جھوٹ کی پہچان ہی نہ کر لے پینتالیس سال کا ایک میچور مرد تھا جس کے جذبات وقت کی گرد پڑنے سے سرد پڑ گئے تھے دن بھر دنیا داری نبھاتا تھا تو پھر بھلا بیس اکیس سالہ لڑکی کی چوری نہ پکڑ پاتا ایسا کیسے ممکن تھا قاسم علی کو بے وقوف بنانا ہرگز آسان نہ تھا۔

''مگر......'' وہ بن گیا تھا رانی نے حیرت سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جس پہ رانی کی اس بات سننے کے بعد تبسم سا بکھر گیا تھا۔

''تیری یہ ادائیں تو دل پہ وار کرتی ہیں، جو ہر بار اپنی بے عزتی کے باوجود بھی رشتہ نہیں پاتا...... جا...... تیری خاطر معاف کیا ے باپ کو، لیکن میری ایک شرط ہے۔''

''مجھے ہر شرط منظور ہے۔'' اس سے پہلے علی نی بات سے مکر جاتا رانی فوراً بول کی اس قدر جلد بازی کو قاسم علی بے سمجھا ہنس دیا۔

''پہلے تو لو۔'' مسکراہٹ لبوں میں تے اس نے شرارت سے رانی کو دیکھتے کہا سوچ میں پڑ گئی کیا یہ شخص مسکرا بھی سکتا

''تمہیں ہمایوں کو اپنے گھر سے نکالنا ہو گا، خاطر۔'' رانی کی منتظر سماعتوں میں قاسم علی حسب عادت اپنی کڑی جان لیوا شرط کا ب ڈالا تھا رانی اپنی جگہ سن سی ہو گئی تھی وہ بھلا اسے اپنے گھر سے نکال سکتی تھی وہ اس گھر کا ن تھا اور شاید کہیں نہ کہیں اس کے دل کا بھی ایک ایسے چاند کی مانند تھا جس کی خواہش تو ان کرتا ہے مگر اسے پا تو کوئی نہیں سکتا ناں۔

''مگر...... میں کیسے اسے اپنے گھر سے نکال وہ کیا سوچے گا ابا جان تو میری جان ہی دیں گے۔'' رانی نے پریشانی سے اس کی دیکھتے کہا تھا۔

''ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ تمہیں میری ہر منظور ہے۔'' قاسم علی نے اس کا مذاق اڑایا۔

''ٹھیک ہے وہ چلا جائے گا۔'' رانی نے ساتھ ہی وہاں سے نکل جانے میں اپنی جانی تھی، جاتے جاتے وہ پلٹی تھی ے میں رک کر قاسم علی کو دیکھ کر پوچھا تھا۔

''کیا اس سلسلے میں، میں تم پہ اعتبار کر سکتی یہاں آنے کا کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔'' قاسم علی دھیمے سے انداز میں مسکرایا تھا بولا۔

''آنکھیں بند کر کے۔''

☆☆☆

خلاف توقع اس سے دیر سے گھر آنے پہ کسی نے بھی باز پرس نہیں کی رانی نے سکھ کا سانس لیا تھا رات کا کھانا بنانے کے بعد نصرت جہاں عشاء کی نماز پڑھنے گئیں تو ابا جان بھی اس وقت رات نو بجے کا خبرنامہ دلجمعی سے سنا کرتے تھے سائرہ اپنا ہوم ورک کر رہی تھی ہمایوں اس وقت اپنے کمرے میں تھا رانی نے موقع غنیمت جان کر اس سے بات کرنے کی ٹھانی تھی وہ دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھ آئی تھی ہمایوں اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا فون پہ بڑے خوشگوار انداز سے مصروف گفتگو تھا رانی آرام سے بیڈ پر اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی تھی، جلد ہی اس نے گفتگو سمیٹ کر فون بند کر دیا تھا رانی اسے دیکھ کر مسکرائی۔

''کس سے بات کر رہے تھے؟''

''بریرہ سے؟'' محبت پاش نظروں سے موبائل فون کی جانب دیکھتے اس نے بتایا تھا رانی لمحہ بھر کو خاموش سی ہو گئی۔

''یہ محترمہ کون ہیں؟'' پھر اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''تمہاری گرل فرینڈ؟''

''ارے نہیں اپنے ایسے نصیب کہاں، سلمان کی منگیتر ہے اور میری کافی اچھی دوست بھی اپنی شادی کی ڈیٹ فکس ہو جانے کی خوشخبری سنانے کو فون کر رہی تھی؟''

''تو تم جاؤ گے اس کی شادی میں؟''

''ابھی فی الحال تو ممکن نہیں ہے ماموں جان کو ان حالات میں چھوڑ کر جانے کا تو میں

سوچ بھی نہیں سکتا۔" رانی کو اس کے جواب سے اچھی خاصی مایوسی ہوئی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں جانا چاہیے؟"

"یہ تو تمہارا خیال ہے ناں جس سے میں کبھی متفق نہیں ہوسکتا۔" ہمایوں نے اس کی بات چٹکی میں اڑائی رانی دل سوس کر رہ گئی۔

"خیر تم بتاؤ کس پریشانی میں ہو۔" ہمایوں نے اچانک پوچھا رانی لمحہ بھر کو چپ سی ہوگئی۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ مجھے کوئی پریشانی ہے۔" ہمایوں مسکرایا۔

"جذبات چھپانے میں تم ماہر ہرگز نہیں ہو رانی اور بچپن کی دوستی ہے ہماری کیا اتنا بھی نہیں جانتا تمہیں اور پھر پچھلے دو دن سے جو ٹینشن گھر بھر میں چکراتی پھر رہی ہے وہ تمہاری ہی ذات سے وابستہ ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ تم اس لیسٹ میں نہ آؤ۔" رانی ہولے سے مسکرائی وہ ایکدم سے خود کو ہلکا پھلکا سا محسوس کرنے لگی تھی۔

"مجھے غلط مت سمجھنا ہمایوں، مگر مجھے تمہاری فیور چاہیے میں بہت شرمندہ ہوں کہ......"

"ایسی بھی کیا بات ہے جو تم اتنی تمہید باندھ رہی ہو کھول کے کہو ناں۔" بس اس کا اتنا کہنا تھا رانی بھل بھل آنسو بہاتی ساری باتیں ہمایوں کے گوش گزار کر گئی ہمایوں تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا رانی کی اس قدر دلیرانہ جرأت پر۔

"تم اس سے ملنے گئیں؟" آواز و انداز تحیر کے بحر بیکراں میں غوطہ زن تھے۔

"ہاں۔" رانی نے کسی مجرم کی مانند سر جھکایا۔

"اور یہ سب قاسم علی سے کہا۔" رانی کا سر کسی روبوٹ کی مانند اثبات میں ہل گیا۔

"تو پھر اب مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" ہمایوں ایکدم سنجیدہ ہوا۔

"تم واپس چلے جاؤ۔" رانی نے ... اختیاری سے فوراً کہا ہمایوں نے اسے غور ... دیکھا۔

"تم مجھے اس کھڑوس کی خاطر میرے ... کے گھر سے نکال رہی ہو۔" ہمایوں غیر سنجیدہ ... انداز میں بظاہر دبنگ انداز میں اسے ڈپٹ ... رانی کا سر مارے شرمندگی سے جھک گیا۔

"پلیز ہمایوں مجھ سے بدگمان مت ... جانتے ہو تم ہمارے لئے کیا ہو مگر میں کیا کرو ... جان کی پریشانی میں دیکھ نہیں سکتی، تم ... کوشش تو کرو۔" وہ اپنی ناک بے دردی ... رگڑتے ہوئے التجائیہ انداز میں کہہ رہی ... ہمایوں کا دل دکھ سے بھر گیا۔

"مگر رانی یہ کوئی اتنی بڑی رقم نہیں ... ادا کرسکتا ہوں تمہاری جان بھی چھوٹ ... ان چاہے بندھن سے اور ماموں جان ... بھی ادا ہو جائے گا پانچ لاکھ رقم ہی کتنی ... ہے۔" ہمایوں پر جھنجھلاہٹ سوار ہوگئی۔

"تم ہمارے گھر آئے مہمان ہو ... کے بھانجے ہو اور ابا جان کبھی بھی تمہارا ... نہیں لیں گے، ان کی غیرت یہ بات ... نہیں کرے گی رہی بات میری قاسم علی ... چھوٹنے کی تو تمہاری بھول ہے تم سوچ ... سکتے کہ تمہارے اس اقدام پہ میری ... جنازہ یہ برادری والے کیسے کیسے نکالیں ... پھر قاسم علی نے پہلے کیا کم کیچڑ اچھالا ہے ... اوپر اور تمہیں کیا لگتا ہے اس کے بعد ... رہے گا پیسہ اس کا پرابلم نہیں ہے ہمایوں ... علی کے گھرانے کی ہتک بے عزتی ... مطلوب ہے اور میں یہ سب ہرگز نہیں ... جبھی آج اتنا بڑا قدم اٹھا گئی تھی۔"

"ٹھیک ہے رانی تم پریشان مت ...

... خود کبھی بھی تم سب کے لئے باعث آزار نہیں ہو ... میں کل ہی اپنی واپسی کی ٹکٹ کنفرم کرا لیتا ... ہوں۔" ہلکے پھلکے لہجے میں ہمایوں نے فوراً اگلا ... عمل ترتیب دیا تھا۔

"ابا جان سے کیا کہو گے۔" رانی نے تفکر و ... کے ملے جلے احساس کے زیر اثر پوچھا۔

"سلمان جیسے دیرینہ دوست کی شادی میں ... کت کے علاوہ کیا کہہ سکتا ہوں۔" ہمایوں ... ب سے ہنسا، کتنی تکلیف دہ صورتحال تھی وہ ... وں کے کام آنے والا آج اپنوں کی مدد نہیں کر ... رہا تھا۔

☆☆☆

پھر وہ واقعی میں چلا گیا، درد کی ایک بھاری ... رانی نے اپنے دل پر بڑی محسوس کی گھٹن کا ... اس شدید تر ہو گیا آنکھیں دھندلا گئیں ... رے روزن بند ہو گئے، کہیں جائے اماں ... ب نہ ہوتی تھی، درد گرم سیال کا روپ ... ارے آنکھوں سے بہتا رہتا، خوف، ڈر، ... مندگی پچھتاوے عذاب بن کر رگ و جاں کو ... تے رہتے، قاسم علی حسب وعدہ دوسرے ہی ... آ کر معافی تلافی کر گیا تھا مگر اپنے ہی انداز ... بانو بیگم بھی ہمراہ تھیں۔

"اتنا سب کچھ سہنے کے بعد بھی میں آپ ... کے پاس آیا ہوں تکلیف ہوئی مجھے یہ جان کر کہ ... آپ ایک داماد کی سی عزت مجھے نہیں دے پائے ... ے مگر ایک محسن کی حیثیت سے تو میرا مان ... لیتے۔" قاسم علی نے آتے ہی اپنی شکووں کی ... کھول لی تھی۔

"بیٹا میں معافی مانگتی ہوں صدیق علی کی ... ف سے، غلطی ہوگئی؟" نصرت جہاں گڑگڑائی ... تھیں، صدیق علی ہنوز خاموش جیسے کسی گہری سوچ ... میں گم تھے، پردے کی اوٹ میں کھڑی رانی کی نگاہیں اپنے باپ کے بے بس چہرے پر جمی تھیں۔

"معافی آپ کو نہیں صدیق بھائی کو مانگی چاہیے مجھ سے، آپ تو بے قصور ہیں۔" پہلی مرتبہ صدیق علی نے نظر بھر کر قاسم علی کے خباثت بھرے چہرے کو دیکھا انہیں اس چہرے سے حد درجہ نفرت محسوس ہوئی، نصرت جہاں نے گڑبڑا کے صدیق علی کو دیکھا۔

"واہ ری تقدیر، تو کیسے کیسے وار کرتی ہے بندے پر۔" رانی نے کرب سے سوچا۔

"جو ہوا وہ اچھا نہیں ہوا مان لیا، اب بھول جانا چاہیے اس سب کو، لکیر پیٹنے کا کیا فائدہ قاسم علی، لڑائی ختم کرو اٹھو گلے ملو صدیق علی کے۔" اپنے بیٹے کی عجیب وغریب بات سن کے بانو بیگم فوراً میدان میں اتریں تھیں ان کا بیٹا تو یقیناً آج سب کچھ تہس نہس کرنے آیا تھا بادل نخواستہ دونوں کو اٹھ کے گلے ملنا پڑا، بانو بیگم اور نصرت جہاں نے سکھ کی سانس بھری۔

"صدیق علی!" اچانک بانو بیگم نے انہیں مخاطب کیا تھا۔

"آج تو میں شادی کی تاریخ ٹھہرا کے ہی جاؤں گی۔"

"میں نے ایک دو لوگوں سے کہہ رکھا ہے مکان گروی رکھنے کو جیسے ہی قاسم علی کا قرضہ اترا اس کے بعد شادی کا بھی سوچیں گے۔" نصرت جہاں نے جہاں حیرت سے اپنے مجازی خدا کو دیکھا وہیں بانو بیگم اور قاسم علی بھی چونک اٹھے تھے۔

"مگر قاسم علی نے کہا تو ہے کہ اسے قرض واپس نہیں چاہیے۔" بانو بیگم کو سمجھ نہ آئی تھی ان کی منطق۔

"قرض تو قرض ہی ہوتا ہے ناں بھابھی

اور اسے اتار دینے میں ہی بھلائی ہے، ورنہ کسی وقت کس حالات میں کس کس کے سامنے رسوا کر دے اس کا اندازہ کرنا اب مشکل نہیں رہا میرے لئے ایک تجربا بھگتا چکا ہوں۔" بے حد ٹھہرے لہجے میں انہوں نے قاسم علی کو اپنی نگاہوں کی گرفت میں رکھتے تحمل سے جواباً کہا تھا پھر اس کے بعد بانو بیگم کچھ بول ہی نہیں پائیں رانی کو لگا معاملہ سلجھنے کی بجائے مزید گنجلک صورت اختیار کر گیا ہے۔

☆☆☆

وہ آج اکیلی ہی انسٹی ٹیوٹ آئی تھی اسے یہاں کلاسز لیتے تین ماہ سے زائد کا عرصہ گزر چکا تھا دو گلی چھوڑ کر صوفیہ بھی اس کے ساتھ آتی تھی مگر آج وہ طبیعت کی خرابی کی وجہ سے نہیں آ سکتی تھی لہٰذا وہ اپنے روٹ کی ویگن میں سکڑی سمٹی سی بیٹھی تھی، بھاگتے دوڑتے مناظر مسافروں سے کھچا کھچ بھری ویگن کو دیکھتے وہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھی۔

"ایک ماہ ستائیس دن۔" اس نے انگلیوں پر حساب لگایا اور اس نے ایک مرتبہ بھی فون نہیں کیا۔

"ایسی بھی کیا ناراضگی، میں نے بھی تو کچھ کم نہیں کیا اس کے ساتھ، اگر ایک لمحے کو بھی مجھے اندازہ ہوتا تو کبھی قاسم علی کے پاس نہ جاتی ابا جان تو ویسے بھی قرض چکانے پہ بضد ہیں، مجھے پچھتاوے یوں دن رات تو نہ ڈستے۔" اس کی سوچوں کا ارتکاز یکدم اس کی گود میں اچانک گرنے والی چیز سے ٹوٹا تھا، اس نے بے اختیار سامنے نظر آتے مسافر کی طرف سے نظر ہٹائی جسے انجانے میں ٹکٹکی باندھ کے دیکھے جا رہی تھی اس کے ہڑبڑانے پر وہ دلکشی سے مسکرایا۔

"لفنگا۔" رانی نے اسے زیر لب گالی دی پھر گود میں گرے ایک چھوٹے سے کاغذ کی جانب متوجہ ہوئی، جس پر فون نمبر کے کسی کا نام بھی درج تھا اس نے فوراً نگاہ [illegible] دیکھا اور پھر ساکت ہو گئی، وہی لفنگا اسے کے اشارے سے فون کرنے کو کہہ رہا تھا۔

"اوہ میرے خدایا، وہ میرا اپنی [illegible] دیکھنے کو کیا سمجھ بیٹھا ہے۔" رانی اس نئی مصیبت اور پریشان ہو گئی فوراً اسے پیشتر پھاڑ کر کھڑکی سے باہر پھینکی اور اسٹاپ کے آنے [illegible] رخ موڑے بیٹھی رہی شاپ آیا تو تیز تیز قدم سے فاصلوں کو پاٹتی گلی کا موڑ مڑ گئی گھر سامنے پہنچ کر اپنی سانسیں ہموار کرنے کو دیر کو رکی مگر اگلے ہی لمحے وہ اپنی ہرنی آنکھوں میں خوف و ہراس بھرے رکے کے ساتھ سامنے دیکھتی رہی، وہ لفنگا اس کے تک اس کا پیچھا کرتے آیا تھا اور پھر تو یہ معمول بن گیا وہ ہر روز انسٹی ٹیوٹ سے بائیک پر اپنے ایک دو دوست کے ساتھ اسٹاپ سے لے کر گھر تک پیچھا کرتا صوفیہ ایک دو مرتبہ اس لڑکے کی بے عزتی بھی کی وہاں خاک اثر ہوتا دکھائی نہ دیا تھا، اس روز کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔

"تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے آخر میری جان کو چپکے ہوئے ہو۔" اس نے رک کڑی نگاہوں سے دیکھتے کچا چبا جانے والے انداز میں پوچھا تھا۔

"ارے رانی ہم تو تیرے دیدار پیاسے ہیں دو میٹھے بول ہمارے ساتھ بھی بول لے گی تو تیرا کیا جائے گا۔" وہی موٹر سائیکل سوار جس کا نام اس نے شاید ثاقب گجر بتا وارفتگی سے آنکھ مارتے اس کی چادر کا کونہ ذرا کھینچتے کہا تھا۔

"ہاتھ مت لگانا ورنہ کاٹ کے رکھ دوں گی۔" یکدم جانے اس میں اتنی ہمت کہاں سے آئی تھی اس نے پوری قوت سے چلاتے کہا تھا، صوفیہ نے یکدم اسے روکا تھا۔

"رانی پلیز جانے دو، تم گھر چلو ان لفنگوں کے منہ مت لگو۔"

"ارے سہیل، کبوتری تو بڑا پھڑکتی ہے یار۔" اس نے اپنے دوست کو مخاطب کرتے کہا تھا جو اس کے ساتھ تھا۔

"دھمکی دے رہی ہے کاٹ کے پھینک دے گی۔" باقی کی بات اس کی اونچے قہقہے میں دب گئی تھی۔

"لے آ جا لگایا تجھے ہاتھ اب کاٹ کے دکھا؟" اس نے موٹر سائیکل روک کر اس کے سامنے کر دی تھی ایک لمحے کو تو رانی بھی گھبرا گئی مگر اس نے سن رکھا تھا لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے سو بنا ڈرے وہ اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"رانی چلو۔" صوفیہ نے اسے دھکیلنے کی کوشش کی، وہ غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھتی وارن کر رہی تھی۔

"آئندہ راستے میں نظر آئے تو زندہ واپس نہیں جا سکو گے۔" جاتے جاتے بھی وہ کہہ گئی تھی جس پہ ان دونوں کا مکروہ قہقہہ بڑی بے رحمی سے فضا میں گونجا تھا۔

"اچھا تیری یہ جرأت، لے مار کے دکھا۔" اس لڑکے نے لمحے کے ہزارویں حصے میں بڑی پھرتی سے رانی کی چلتی سڑک پہ چادر سر سے کھینچی تھی رانی تو غم و غصے سے پاگل ہو گئی تھی اس نے آگے بڑھ کے اس کا منہ تھپڑوں سے لال کر دیا تھا بمشکل صوفیہ نے اسے پیچھے ہٹایا اور اسے لئے آگے بڑھ گئی تھی۔

"بڑا ظلم کیا تو نے اپنے ساتھ رانی، بڑا ظلم چہ...... چہ...... چہ۔" ثاقب گجر کی بازگشت ما سوائے رانی کے ساری فضا نے سنی تھی۔

☆☆☆

گھر پہنچی تو ایک خوشخبری منتظر تھی ابا جان نے قاسم علی کو قرض کی ادائیگی کرنے کے ساتھ ساتھ اس رشتے سے انکار کہلوا بھیجا تھا۔

راستے والی ٹینشن اتنی بڑی خوشی کے ساتھ ایکدم ختم ہو گئی وہ نہا کر کھانا کھانے کے بعد لیٹ گئی کہ اسے گہری نیند نے جا لیا، ٹیلی فون اسٹینڈ جانے اس کے کمرے میں کس نے رکھا تھا اس کی نیند سے بوجھل آنکھیں متواتر ہوتی بیل سے بمشکل کھولیں تھیں۔

"جی کون؟" مندی مندی پلکوں کو بمشکل کھولنے کی کوشش کرتے اس نے پوچھا تھا۔

"جسے نکالا تھا؟" فوراً کرارا جواب آیا تھا رانی کی نیند بھک سے اڑ گئی۔

"ہمایوں!" اس نے زیر لب نام دہرایا۔

"کیسے ہو؟" بڑی بے تابی سے پوچھا۔

"فرسٹ کلاس تم سناؤ تمہارا سو کالڈ بڈھا منگیتر کیسا ہے؟" اس نے پوچھا بھی تو کیا رانی کو ایکدم ہنسی آ گئی۔

"ابا نے منگنی توڑ دی ہے۔" اس نے آہستگی سے اطلاع دی دوسری جانب ہمایوں خوشی و حیرت سے اچھلا۔

"کیا واقعی، یقین نہیں آ رہا۔" چکن مینونیز سینڈوچ کا ایک بڑا سا بائٹ لیتے اس نے اپنی حیرت کا اظہار کیا تھا۔

"یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا۔" رانی نے آہستگی سے دل کی خوشی چھپاتے بتایا۔

"تمہیں دکھ تو ہو رہا ہوگا ناں ان فیکٹ تمہاری منگنی ٹوٹی ہے لوگ تم پہ سو سو باتیں بنائیں

گے ہیں ناں۔" وہ بظاہر ہمدردی کی اوٹ میں طنز کے تیر برسا رہا تھا مگر رانی کو آج کچھ بھی برا نہیں لگ رہا تھا۔

"لے لو بدلے آج کے دن تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔" رانی کا انداز شاہانہ تھا سینڈوچ منہ میں بھرے وہ عجیب پھنسی پھنسی آواز میں آئے ہائے کہہ اٹھا تھا۔

"کیا کھا رہے ہو؟" رانی کو تجسس ہوا۔

"چکن سینڈوچ ود میونیز؟ کھاؤ گی۔" یہ اس کا فیورٹ سینڈوچ تھا اور رانی کو میونیز اتنی ہی زہر لگتی تھی۔

"رہنے دو میں تو رہی تمہارے ایسے روکھے کھانوں سے نہ پیٹ بھرے نہ سواد آئے۔" رانی نے ناک بھوں چڑھایا۔

"یہی خیال میرا ہے تمہارے کھانوں سے متعلق، معدہ واش کر دیتے ہیں ناک الگ صاف ہو جاتی ہے بہہ بہہ کے۔" رانی کو ہنسی آ گئی۔

"پھپھو کیسی ہیں ہمایوں؟" اچانک رانی کو خیال آیا تھا۔

"بڑا جلدی خیال آ گیا تمہیں؟" اس نے طنز فرمایا۔

"تم اپنا نان اسٹاپ بولنا بند کرو تو میں کچھ پوچھوں بھی۔" رانی اچھا خاصا برا مان گئی۔

"اچھا...... اچھا اب زیادہ نخرے مت کرو کوئی نئی تازی ہو تو بتاؤ۔" اس نے جلدی سے موضوع بدلا۔

تو رانی بھی آج دن والا واقعہ من وعن اس کے گوش گزار کر گئی ہمایوں چپ سا ہو گیا۔

"کیا ہوا تمہیں حیرت نہیں ہوئی میری جرأت مندی پر۔" وہ اس کے سابقہ امپریشن کو ذہن میں رکھتے بولی تھی۔

"تم نے بہت بڑی غلطی کی رانی، تمہیں ان کے منہ نہیں لگنا چاہیے تھا۔" جب وہ بولا تو اس کی آواز میں گہری سنجیدگی پنہاں تھی۔

"غلطی کیسی ہمایوں، تم جانتے ہو ایسے لوگ دم والے نہیں ہوتے وہ اس محاورے کا عین ہوتے ہیں تم نے سنا تم ہو گا جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں سو یہ بھی نہیں برسیں گے بلکہ منہ کی کھائیں گے۔" رانی نے جیسے ناک پر سے مکھی اڑائی۔

"کبھی کبھار گرجنے والے بھی برس جاتے ہیں رانی بہرحال جو ہو گیا اس پہ مٹی ڈالو مگر آئندہ خیال رکھنا، اچھا اب رکھتا ہوں پھر جلدی فون کروں گا سب کو سلام کہنا۔" اس کے فون بند کرنے پر رانی کا دل ایک بار پھر اداس ہو گیا جانے ایک گھنٹے کی کال اتنی جلدی کیوں ختم ہو گئی تھی۔

☆☆☆

آج کل انسٹی ٹیوٹ میں مختلف کورسز سے متعلق پریکٹیکل چل رہے تھے رانی بھی آرٹ اینڈ کرافٹ کے ڈھیروں نمونے بنا کر لے جاتی جو ٹیچرز خاصے پسند کر رہی تھیں یہاں تک کہ ایک ٹیچر کی بوتیک تھی انہوں نے رانی کو اپنے ساتھ کام کرنے کی آفر بھی کی تھی، رانی نے فی الوقت ان سے معذرت کر لی تھی کہ بعد میں ابا جان سے اجازت لینے کے بعد وہ ان سے رابطہ کرے گی ہمایوں کی اس دن کی جانے والی باتیں اس کے ذہن کے پردوں میں بدرجہ اتم محفوظ تھیں وہ لاشعوری طور پہ محتاط ہو گئی تھی مگر وہ لڑکے اس دن کے بعد سے اسے کہیں دکھائی نہیں دیئے تھے، تقریباً ایک ماہ گزر گیا تھا اس واقعے کو رانی کے ذہن سے رہی سہی پریشانی بھی ختم ہو گئی تھی۔

وہ انسٹی ٹیوٹ سے صوفیہ کے ہمراہ کسی بات پہ بے تحاشا ہنستے ہوئے نکل رہی تھی، جب یکایک قاسم علی اس کے سامنے آیا تھا مسکراتے لب لمحہ بھر میں سکڑ کر اپنی ازلی حالت میں آ چکے تھے۔

"رانی میرے ساتھ آؤ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ اپنے ازلی تحکم بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا، رانی نے حیرت سے اسے دیکھا پھر پوچھا۔

"کیا اب کچھ کہنے کو بچ گیا ہے ہمارے بیچ؟"

"میں تو ملک سے باہر تھا کل رات ہی پہنچا ہوں اماں نے جیسے ہی بتایا کہ صدیق بھائی نے قرض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ منگنی بھی ختم کر دی ہے یہ سن کر تو میرے اوسان ہی خطا ہو گئے ساری رات سو نہیں پایا، یہ سب کیا ہو گیا تم نے روکا کیوں نہیں اپنے باپ کو۔" وہ سخت جھنجھلاہٹ میں گھرا بے چینی سے پوچھ رہا تھا رانی کے دل کو یک گونہ سکون ملا اسے ایک کمینی سی خوشی ہوئی تھی۔

"جو ابا جان کو مناسب لگا انہوں نے کر دیا، نہ انہوں نے رشتہ جوڑتے وقت یہ میرا عندیہ لیا تھا نہ توڑتے وقت میری مرضی معلوم کی پھر میں کیسے انہیں روک دیتی۔" اس نے سادہ سے انداز میں سنجیدگی سے کہا تھا۔

"تم آرام سے بیٹھ کر کہیں بات کر لو میں اندر انتظار کر لیتی ہوں۔" اچانک صوفیہ کو احساس ہوا کہ وہ ان کی "ذاتیات" میں مخل ہو رہی ہے اسی لئے فوراً سے پیشتر رانی سے کہتی وہاں سے پلٹ کر اندر چلی گئی تھی۔

"اتنی چھوٹی سی بات پہ اتنا بڑا فیصلہ۔" قاسم علی کے لئے وہ بہت چھوٹی سی بات تھی کسی کے گھر جا کر اسے ذلیل کرنا قرض کی واپسی کے لئے عدالت سے رجوع کرنا قاسم علی کے لئے ایک چھوٹی سی بات تھی۔

"یہ اتنی سی بات نہیں ہے قاسم علی، آپ کو ماننا پڑے گا کہ آپ نے میرے ابا جان کی تذلیل کی، میرے آنے کا بھی مان نہیں رکھا بلکہ گھر آ کر ابا جان کو معافی مانگنے پر مجبور بھی کیا۔" وہ روٹھے روٹھے چہرے کے ساتھ منہ پھلائے اس کی طرف دیکھے بغیر اسے آئینہ دکھا رہی تھی، مگر قاسم علی کو جیسے اپنی کوئی غلطی نظر ہی نہیں آتی تھی۔

"تمہیں صدیق بھائی سے اس رشتے کو دوبارہ جوڑنے کی بات کرنا ہو گی۔" قاسم علی نے نخوت سے کہتے رانی کا ہاتھ جھٹکے سے پکڑتے ہوئے دھمکی دی تھی۔

"کس لئے، کیا میں آپ کی محبت میں مری جا رہی ہوں اس لئے یا آپ دنیا کے آخری مرد ہیں اس لئے، اگر ایسا کچھ سوچتے ہیں تو اپنی سوچ بدل ڈالیں نہ تو آپ دنیا کے آخری مرد ہیں نہ ہی میری محبت، جو میں کوئی بھی ایسا قدم اٹھاؤں۔" اس نے سفاکی سے کہتے رخ موڑا تھا قاسم علی حیران سا اس کی باتیں سن رہا تھا جو اسے بے حد طیش دلا رہی تھیں۔

"جب میں ہو تمہارے باپ کو بتاؤں گا کہ تم میری منت کرنے میری ہر شرط ماننے کو تیار صلح کی خواہش لے کر آئی تھیں تب میں نے تم سے کون سی شرط پوری کروائی تھی اپنی کس خواہش کی تسکین کے لئے تمہاری بھینٹ دی تھی تو تمہیں فرق پڑے گا، جب پورا خاندان تمہارے اور تمہارے والدین کے منہ پر تھوتھو کرے گا تب بھی تمہیں بہت فرق پڑے گا کہ تم نے ایسا سوچا بھی کیسے قاسم علی کے متعلق۔" اس کی بات کا معنی خیز مطلب سمجھ کر رانی کا دل ایک لمحے کو سکڑ کر پھیلا تھا مگر اگلے ہی لمحے وہ مضبوط آواز میں بولی تھی۔

"تم ایسا کچھ نہیں کرو گے قاسم علی، میری

زندگی بگاڑ کر تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا اور جس زعم میں تم مبتلا ہو ناں کہ پورا خاندان تمہیں بیٹیاں دینے کو مرا جا رہا ہے وہ ایک دفعہ میرے حالات دیکھ کر سوچیں گے ضرور۔" اتنا کہہ کے وہ بغیر صوفیہ کو لینے وہاں سے آگے چل پڑی تھی غصے کی تمازت سے اس کا گلابی چہرہ لال ہو رہا تھا، قاسم علی پیچھے کھڑا اس کی پشت گھورے جا رہا تھا جبھی ایک موٹر سائیکل زن سے اس کے پاس سے گزر کر رانی کے پاس پہنچی تھی۔

"کیسی ہے رانی؟ اتنے دن بعد ملے ہیں اداس تو ہو گئی ہو گی؟" ثاقب گجر خباثت سے اسے دیکھ کر مسکرایا تھا رانی کے عضلات تن گئے۔

"چھتر بھول گئے جو پھر آن ٹپکے ہو؟" وہ ایکدم رکتے ان سے تحمل سے پوچھ رہی تھی قاسم علی وہیں کھڑا اس ساری کاروائی کو دیکھ رہا تھا ہاں البتہ وہ ان لوگوں کی آوازیں نہیں سن پا رہا تھا۔

"محبت میں تو ایسے ہزار چھتر کھا سکتا ہوں میں تیرے رانی، تو ایک دفعہ ہاں تو کہہ، آسمان تیرے قدموں میں لا کے رکھ دوں گا ابھی تو ثاقب گجر کو جانتی ہی کہاں ہے۔" وہ وہی عامیانہ پن منہ سے پان کی بہتی رال رانی کو دیکھ کر متلی سی ہوئی تھی۔

"آخ تھو۔" رانی نے زمین پہ تھوکا۔

"میں تھوکنا بھی نہیں پسند کرتی تمہارے چہرے پہ آئندہ اس راستے پہ نظر آئے تو اچھا نہیں ہو گا۔" پہلے قاسم علی نے اس کا دماغ تپایا اب یہ آن ٹپکا تھا دماغ کا وہی کرنے۔

"اے......" ثاقب پوری قوت سے چلایا تھا۔

"تمہاری اتنی جرأت کہ تم ثاقب گجر کے منہ پہ تھوکے اور اسے دھمکی دے، پہلے تو میں خاموش تھا مگر اب...... بہت نا ہے ناں تجھے اپنے اس بے داغ حسن پر، جب یہی نہ رہا تو پھر غرور کا ہے کا، نشان عبرت نہ بنا دیا تجھے تو نام بدل دینا۔"

"ہونہہ۔" رانی نے ایک کان سے سن کر دوسری سے اڑایا اور سٹاپ آنے پہ اپنی روٹ کی ویگن میں سوار ہو گئی اس نے سوچ لیا تھا، صوفیہ سے بہانہ کر دے گی کہ قاسم علی زبردستی اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا اسی لئے اسے بتانے کا موقع ہی نہیں ملا مگر رانی کو یہ سب صوفیہ سے کہنے کی مہلت نہ ملی تھی۔

☆☆☆

خوشگوار شام کے سائے بتدریج احسن ہولے ہولے دھوپ کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے، چرند پرند شام کے سمے ہوتے ہی واپس اپنے گھروں کو جانے کے لئے خوشی کے گیت گاتے چہچہاتے پھر رہے تھے چار سو ایک عجیب سی رنگینی اور لطافت پھیلی تھی، رانی نے آج بریانی بنائی تھی ساتھ خوب ڈھیر سارا سلاد اور رائتہ کہ ابا جان کو بریانی کے ساتھ یہ دونوں لوازمات وافر مقدار میں چاہیے ہوتے تھے، رانی دم لگا کر رائتہ بنا کر فریج میں رکھ رہی تھی جب دروازے پہ بیل ہوئی تھی رانی فی الفور باہر نکلی تھی لیکن اس سے بھی پہلے سارہ آگے بڑھ کر دروازہ کھول چکی تھی۔

"یہ رانی کا گھر ہے؟" موٹر سائیکل سوار سارہ سے پوچھ رہے تھے۔

"جی...... آپ کون ہیں؟" سارہ انہیں دیکھتے حیرت سے استفسار کیا اس سے پہلے کہ وہ اسے اپنی آمد کی بابت بتا کر اپنا تعارف کرواتے اس کی بدقسمتی کہ وہ خود سارہ کے پیچھے دروازے تک چلی آئی تھی۔

"کون لوگ ہیں سارہ؟" اس نے آگے بڑھ کر باہر جھانکا تو ثاقب گجر اور اس کا لفنگا دوست موٹر سائیکل پہ کھڑے تھے رانی کا رنگ انہیں دیکھ کر تیزی سے بدلا تھا۔

"کیوں رانی حیران ہو رہی ہے اتنی جلدی، ابھی تو تجھے بہت حیران ہونا ہے اتنا حیران کہ تو پاگل ہو جائے گی ہاہاہا۔" بے ربط سے انداز میں کہتے ثاقب گجر نے قہقہہ لگایا تھا۔

"کیوں آئے ہو یہاں؟" رانی نے مضبوط آواز میں کہنے کی کوشش کی۔

"تمہارے حسن کو خراج پیش کرنے۔" کمینگی سے کہتے ثاقب گجر نے بغل میں دبائی تیزاب کی بوتل آن واحد میں رانی کے نرم چہرے پر الٹ دی تھی رانی بے اختیار چیختی چلاتی نیچے زمین پہ بیٹھ گئی تھی، ثاقب گجر اور اس کا دوست تیزی سے وہاں سے نکلے تھے رانی کی چیخیں پورے محلے نے سنی تھیں کئی لوگوں نے تو ثاقب گجر کو وہاں سے نکلتے ہی دیکھا تھا، سارہ اندر لیٹی نصرت جہاں کو فوراً بلا لائی تھی وہ بھی رانی کی دلدوز چیخوں کو سن کر گھبرا گئی تھیں مگر رانی کے چہرے پہ نظر پڑتے ہی خود بھی چیخ کر چلانے لگی تھیں، آن واحد میں کیسی قیامت ٹوٹ گئی تھی ان کے خاندان پر ان کی خوبصورت بیٹی کا چہرہ بگڑ کر بدصورت ہو گیا تھا جانے کیسے سارہ نے صدیق علی کو بلایا محلے دار خواتین بھی دوڑی چلی آئیں تھیں انہوں نے ہوش و ہواس کھوتی نصرت جہاں کو سنبھالنے کے ساتھ ساتھ بے ہوش پڑی رانی کو بھی ہسپتال پہنچایا تھا، سیدھا سیدھا پولیس کیس تھا رانی کو گنگا رام ہاسپٹل کے برن وارڈ میں ایمرجنسی میں رکھا گیا تھا صدیق علی اور نصرت جہاں دونوں کے کندھے جھک گئے تھے وہ دونوں دو دن میں ہی بوڑھے ہو گئے تھے بیٹیاں بوجھ نہیں ہوتیں مگر معاشرے کے ناسور انہیں والدین کے لئے بوجھ بنا دیتے ہیں جہاں وہ اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا تاعمر کاٹتی رہتی ہیں رسوائی و بدنامی کا کلنک والدین کو الگ ماتھے پہ لگانا پڑتا ہے بلکہ ازخود معاشرے والے لگا دیتے ہیں انہیں جیتے جی مارنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔

☆☆☆

اپنی آبرو کی نازک آبگینے کی مانند حفاظت کرنے والی رانی کے جابجا چرچے ہو رہے تھے جن کا لب لباب یہ تھا کہ رانی کا ثاقب گجر نامی غنڈے کے ساتھ عشق زوروں پہ تھا اس کی خاطر اس نے قاسم علی سے منگنی بھی توڑی تھی، جب ثاقب گجر نے اس سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تو اپنے تمام وعدوں سے مکرتے ہوئے رانی نے انکار کر کے ثاقب گجر کی غیرت کو للکارا تھا ان دونوں کی دوستی کا چشم دید گواہ قاسم علی خود تھا اس نے ان دونوں کو بیچ سڑک محو گفتگو دیکھا تھا اور اس کے ایسے کارنامے دیکھ کر قاسم علی نے خدا کا شکر ادا کیا تھا کہ وہ رانی جیسی بدکردار لڑکی سے شادی کرنے سے بچ گیا تھا ثاقب گجر نے رانی سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لیا تھا، اس کے والدین یہ ساری باتیں سننے کے بعد بھی زندہ تھے جانے کیوں انہیں موت نہیں آ رہی تھی، حالانکہ اپنی بیٹی کی ذات پر اچھلتے کیچڑ کو دیکھ کر سن کر انہوں نے موت کی شدت سے خواہش بھی کی تھی۔

"میں نہیں مانتا یہ سب، جھوٹ ہے ساری بکواس کرتے ہیں لوگ میری بیٹی ایسی ہو ہی نہیں سکتی وہ ایسا گھناؤنا فعل انجام دے ہی نہیں سکتی۔" ہسپتال کے کوریڈور کی دیوار پہ بے بسی سے مکے مارتے صدیق علی چلائے تھے، جانے ان کی معصوم بیٹی کو اتنی بڑی سزا کس گناہ کی ملی تھی، صوفیہ، رانی کو دیکھنے ہسپتال آئی تو تمام واقعہ نصرت جہاں کو سنا دیا ان کا دل جانتا تو پہلے ہی تھا

کہ ان کی بیٹی معصوم اور پاکیزہ ہے مگر صوفیہ کے بتائے سچ نے تو جیسے ان کے اندر زندگی کی نئی روح پھونک دی تھی۔

ان کی بیٹی معصوم تھی
پاکیزہ تھی

"وہ والدین کی ناموس پہ قربان ہونے والوں میں سے تھی نا کہ مٹی میں رولنے والی۔"

اس رات ان دونوں میاں بیوی نے جی بھر کر اپنی بیٹی کی بربادی کا ماتم منایا تھا کچھ اس طرح کہ آنسو خشک و ویران بنجر سوتوں میں ڈھل گئے تھے، صبح رانی کو وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا تھا اس کا فوراً آپریشن ہوا تھا اور نجانے ابھی کتنے ہونے تھے۔

"کیا کبھی میری حسین بیٹی کا معصوم چہرہ پہلے جیسا ہو پائے گا۔" رانی کے پٹیوں میں جکڑے چہرے کو دیکھتے نصرت جہاں نے کرلاتے دل کے ساتھ سوچا تھا۔

"کیسی ہو رانی؟" صدیق علی نے آنسو چھپاتے بمشکل تمام خود کو کمپوز کرتے رانی سے پوچھا تھا، رانی کچھ نہیں بولی بس یک ٹک اپنے باپ کے چہرے پہ بے بسی کی جھریاں گنتی رہی تھی یہی کام اس نے ماں کو دیکھنے پر کیا تھا تو اس سے چھوٹی موٹی ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھیں۔

"پیاس تو نہیں لگ رہی تجھے رانی؟" نصرت جہاں نے اس کے چہرے کو دیکھتے کرب سے پوچھا تھا، جب ان کی بیٹی اپنا چہرہ دیکھے گی تو کیا وہ برداشت کر پائے گی۔

رانی کچھ نہیں بولی کچھ دیر ماں باپ کا چہرہ دیکھتی رہی دفعتاً اس نے اپنے دونوں ہاتھ معافی کے لئے جوڑ دیئے تھے، وہ اپنے ایک ایسے گناہ کی معافی مانگ رہی تھی جو اس نے کیا ہی نہیں تھا مگر رانی کا سب سے بڑا جرم سب سے بڑا گناہ تو خود اس کا لڑکی ذات ہونا تھا، صدیق علی تڑپ کر آگے بڑھے اور رانی کے جوڑے ہاتھ تھام

"نہیں رانی، معافی کس بات کی مانگ ہے، ہمیں پتہ ہے تو بے قصور ہے اور میں تیرے گنا ہی ثابت بھی کر کے دکھاؤں گا۔" اس اپنے سینے سے لگا کر وہ اس روز دھاڑیں مار روئے تھے۔

☆☆☆

پولیس کو رانی نے ہمایوں کے کہنے پہ دیا تھا سارہ نے بھی جائے وقوعہ پہ ہونے ساری صورتحال بتائی تھی رانی کے بیان تصدیق صوفیہ نے بھی کی تھی، پولیس جلد از ثاقب گجر کو ڈھونڈنے میں جت گئی تھی ساتھ ہر طرح سے مدد کا یقین بھی دلا کر گئی تھی، واقعے کے پندرہ روز گزر جانے کے باوجود خاندان کا کوئی فرد رانی کی خیریت دریافت کرنے نہیں آیا تھا، صدیق علی نے اپنا گھر بیچ تھا اور اس سے حاصل ہونے والی رقم سے رانی علاج کروا رہے تھے ان کی ذاتی جائیداد واحد ایک قیمتی شے ان کا گھر تھا، جو انہوں اپنی بیٹی کی خاطر بیچ دیا تھا وہ رانی کے چہرے خوبصورتی لانے کے لئے خود کو بھی بیچ سکتے برن وارڈ میں کہیں کوئی آئینہ نہیں تھا، رانی ا ساتھ وارڈ میں موجود دوسری جلی ہوئی خواتین دیکھ کر سوچتی کیا اس کا چہرہ بھی ایسا ہی دکھتا ہوگا اس سے کم بدصورت یا بہت زیادہ بدصورت، کا دل چاہتا وہ اپنا چہرہ دیکھے اور خوب دھاڑیں مار مار کر ماتم کرے، ثاقب گجر نے اسے جان سے مار دیتا تو اچھا تھا مگر ایسی اذیت دے کر اس نے اچھا نہیں کیا تھا۔

"مجھے اپنا چہرہ دیکھنا ہے ڈاکٹر۔" اس جب ڈاکٹر اس کے زخم دیکھنے آیا تو رانی نے ا

ے پندرہ دن میں پہلی مرتبہ بات کی تھی، نصرت جہاں نے اپنا دل کتنا محسوس کیا۔

"ضرور دیکھ لینا مگر گھر جا کر، ہمارے ہسپتال میں کوئی آئینہ نہیں بدقسمتی سے۔" جواباً ڈاکٹر نے ہلکے پھلکے انداز میں اسے ٹالنا چاہا تھا رانی خاموش ہو گئی تھی اس روز کے بعد اس نے آئینہ دیکھنے کی دوبارہ فرمائش نہیں کی ہاں سارہ سے وہ اکثر پوچھا کرتی۔

"کیا میرا چہرہ دیکھ کر تمہیں خوف آتا ہے سارہ؟" جواباً سارہ زور زور سے نفی میں سر ہلاتی کہتی۔

"بالکل ایسا نہیں اپیا، مجھے تو آپ کا چہرہ دیکھ کر پیار آتا ہے۔" مگر رانی مطمئن نہ ہو پائی۔

"اچھا سنو اس عورت کو دیکھو۔" وہ اپنے سامنے والی رو میں بیڈ نمبر تین کی مریضہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھتی۔

"اس عورت کے چہرے کو دیکھ کر بھی تمہیں پیار آتا ہے۔" سارہ غور سے اس کا چہرہ دیکھتی۔

"اپیا اس کا سارا چہرہ جلا ہوا ہے آپ خود کو اس سے کمپئر کر رہی ہیں۔" بارہ سالہ سارہ اس کی بات پر زور نفی کرتے ہوئے کہتی۔

"تم بہت خوبصورت ہو اپیا، ساری دنیا کی لڑکیوں سے بھی زیادہ۔" وہ پیار سے رانی کا ہاتھ تھام کر چومتے ہوئے کہتی تھی، حادثے کے بیسویں روز ہمایوں پھپھو کے ہمراہ چلا آیا، رانی اسے دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کے رو دی، وہ رانی کا چہرہ دیکھ سکتا تھا۔

"میں بہت بدصورت ہو گئی ہوں ناں پھپھو؟" رانی نے پھپھو کی شفاف جلد کو مسرت سے دیکھتے خود ترسی سے کہا تھا۔

"نہیں بیٹا، کس نے کہا ایسے میری بیٹی تو بہت پیاری ہے۔" پھپھو نے بمشکل تمام اپنے آنسو روکتے ہوئے اسے تسلی دی مزید دو دن ہسپتال میں رہنے کے بعد اسے گھر واپس آ جانا تھا، صدیق علی نے نیا گھر پرانے محلے سے کافی دور لیا تھا۔

رانی نئے گھر میں داخل ہوئی تو نظریں بے اختیار ہمایوں کے چہرے سے جا ٹکرائیں۔

"سوری ہمایوں، میں نے تم سے تمہارے نانا کا گھر چھین لیا۔" رات کو جب سب اس کے پاس سے اٹھ گئے تو اس نے ہمایوں سے کہا تھا ہمایوں اس کی بات پہ مسکرایا تھا۔

"گھر گھر والوں سے ہوتا ہے پاگل اور تم سب کی محبت میرے لئے اس گھر سے کشش کا باعث تھی اور میں اس نئے گھر سے بھی اتنی ہی انسیت محسوس کر رہا ہوں کیونکہ اس گھر میں تم سب موجود ہو۔" رانی نے جیسے ان سنی کر دی۔

"کبھی کبھار مجھے لگتا ہے ہمایوں کہ کاش میں پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی میں نے اپنے وجود سے ہمیشہ ہی اپنے والدین کو دکھ پہنچایا ہے، کاش اس حادثے میں میری موت ہو جاتی۔" رانی نے کرب سے کہتے آنکھیں موند لیں۔

"ایسی مایوسی والی باتیں مت کیا کرو، تمہارے جیسی بہادر لڑکی پہ سوٹ نہیں کرتیں۔" ہمایوں نے اسے ڈپٹا۔

"ایک بات کہوں ہمایوں مانو گے۔" بے ربط سے انداز میں رانی کو ایک سے ایک بات یاد آئے جا رہی تھی۔

"مانو گا، اگر ماننے والی ہوئی تو؟"

"مجھے آئینہ لا دو میں نے اپنا چہرہ دیکھنا ہے۔" فوری طور پر ہمایوں سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

"دکھا دوں گا چہرہ بھی ابھی اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" ہمایوں نے بات بنانے کی کوشش کی۔

''معمولی سے زخم ہیں انہیں بھرنے دو پھر پورے کمرے میں آئینے لگوا لینا۔'' وہ اسے بہلا رہا تھا۔

''جو زخم میری روح پر لگے ہیں ان کے بھرنے میں شاید اتنا وقت نہ لگے جتنا میرا چہرہ دوبارہ اپنی اصلی حالت میں آنے میں وقت لے گا تم مجھے خود ترسی و خود اذیتی سے بچانے کی کوشش مت کرو اس طرح میری تکلیف گھٹتی نہیں بلکہ کئی سو گنا بڑھ جاتی ہے پلیز ہمایوں مجھے پل پل مرنے سے ایک ہی دفعہ مرنے دو۔'' وہ روتے روتے چلائی۔

''رانی مجھ سے شادی کرو گی۔'' اچانک ہمایوں نے اسے کہتے سن کیا تھا۔

''کیا تم مجھے قبول کرو گی۔'' وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں بالکل بھی تنگ نہیں کروں گا تمہارے پاکستانی کھانے کھانے کی عادت ڈالوں گا بلکہ خود سیکھ کے تمہارے لئے بنایا بھی کروں گا بولو کیا تم مجھے اپنا شریک سفر بنا کر میری زندگی دھنک کے رنگوں سے سجاؤ گی۔'' ہمایوں اس قدر عجیب صورتحال میں عجیب وغریب باتیں ہی کر رہا تھا۔

''یہ کیسا مذاق ہے۔'' رانی ایکدم غصے سے کہتی چلائی تھی۔

''یہ مذاق نہیں ہے۔'' ہمایوں نے سنجیدگی سے بتایا تھا۔

''چلے جاؤ یہاں سے ہمایوں مجھے اس وقت پلیز اکیلا چھوڑ دو۔'' رانی نے کرب سے آنکھیں موندتے ہمایوں سے التجا کی تھی وہ اس وقت اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''جا رہا ہوں لیکن میری خواہش پہ سوچنا ضرور۔'' وہ جاتے جاتے پلٹا تھا۔

''اپنی ہمدردی اپنے پاس رکھو مجھے کسی ہمدردی نہیں چاہیے اور تمہاری تو بالکل بھی نہیں'' وہ حلق کے بل ہسٹریائی انداز میں کہتے ... تھی۔

ہمایوں ہمدردی کی وجہ سے اس سے شا... کرنا چاہتا ہے تو کیا وہ اب اس قابل ہے ک... سے ہمدردی کی جائے اس کے بستر پہ کانٹے ا... آئے تھے، بقیہ رات رانی نے جلتے جلتے گزار... تھی۔

☆☆☆

دوسرے ہی روز ہمایوں ہنستا مسکراتا ٹر... میں ناشتہ لئے اس کے سامنے موجود تھا۔

''ہائے کزن کیسی طبیعت ہے اب۔'' ... مسکرا مسکرا کر یوں پوچھ رہا تھا گویا رات ان کے درمیان ایسی ویسی کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

''ٹھیک ہوں۔'' رانی نے بمشکل تما... جواب دیا تھا جب ہمایوں لاپرواہ نظر آ رہا تھا پھر وہ کیوں نظر نہیں آ سکتی تھی۔

وہ اس کے سامنے بیٹھ کر اسے ناشتہ کروا... کے لئے کارن فلیکس میں دودھ ڈال رہا تھا ڈاکٹرز نے رانی کو ہلکی غذا تجویز کی تھی تا... کھاتے وقت اس کے زخموں کو تکلیف نہ ہو ا... رانی تو آج کل ویسے ہی بہت اذیت میں تھی اس کے زخم سکڑ کر بہتر ہو رہے تھے مگر چہرے پہ تناؤ کی سی کیفیت رہنے لگی تھی ہر وقت چہرہ تکلیف میں رہتا تھا۔

''سوری کزن ہے تو روکھا پھیکا مگر تمہارے لئے اچھا ہے اسے کھاؤ گی تو جلدی ٹھیک ہو جاؤ گی۔'' وہ کارن فلیکس کا چمچ بھرے اس کے منہ کھولنے کا منتظر تھا رانی نے خاموشی سے منہ کھول دیا تھا، منہ کھولتے سمے رانی کی نظر ہمایوں کی ہاتھ میں بندھی گھڑی پہ گئی تھی جس کی چوڑی اسکرین والے ڈائل میں اس نے اپنا عکس دیکھا تھا رانی نے فی الفور چمچ اپنے منہ کے آگے سے ہٹایا تھا اور تیزی سے ہمایوں کی گھڑی والی کلائی تھام کر اپنا چہرہ دیکھا تھا ایک بار دو بار تین بار اور پھر مسلسل دیکھتے رہنے کے بعد بھی حقیقت وہی تھی جس سے اتنے دن تک رانی کو بچایا جا رہا تھا۔

''ہمایوں ...... یہ ...... یہ ...... میں ہوں۔'' اس نے ہذیانی انداز میں روتے اپنے چہرے پہ ہاتھ پھیرتے تصدیق کی تھی اس کا پورا چہرہ تیزاب گرنے کی وجہ سے جھلس گیا تھا صرف ناک، ہونٹ اور آنکھیں بچ گئی تھیں یا ماتھے والا تھوڑا سا حصہ صاف تھا اس کا چہرہ جھلسنے کے بعد عجیب سے انداز میں لٹک گیا تھا گالوں کا سارا گوشت جیسے نچڑ کر ٹھوڑی اور جبڑے سے گرنے کو تھا وہ ایک بدصورت لڑکی کا چہرہ تھا وہ ایک کوڑھی کی مریضہ کا چہرہ تھا وہ ایک قابل نفرت لڑکی کا چہرہ تھا مگر وہ رانی کا چہرہ نہیں تھا اسے رانی کا چہرہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔

☆☆☆

''بھائی صاحب رانی میری بیٹی ہے ہمیشہ اسے بیٹی ہی بنا کے رکھوں گی اسے میری ہمایوں کی دلہن بنا دیجئے۔'' پھپھو بڑی آس سے صدیق علی سے رانی کا رشتہ مانگ رہی تھیں۔

''ہمایوں بہت اچھا لڑکا ہے اسے اس کے جیسی پرفیکٹ لڑکی ہی سوٹ کرتی ہے زینب۔'' صدیق علی نے دکھ کی گہری اذیت میں خود کو جکڑے محسوس کیا تھا۔

''تو کیا رانی سے زیادہ پرفیکٹ لڑکی بھی کوئی ہو گی۔'' جواباً انہوں نے حیرت سے استفسار کیا تھا۔

''میری بیٹی سے تمہیں ہمدردی ہے تمہارے جذبات سر آنکھوں پہ، مگر جذبات میں آ کر کوئی ایسا قدم اٹھانے کا مت سوچو جو کل کو وقت گزرنے پہ تمہارے لئے محض پچھتاوا بن جائے۔'' صدیق علی نے یہ سب کہتے اپنے آنسو چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''بھائی صاحب!'' عزیزہ پھپھو دکھ سے چور لہجے میں حیرت سے بولی تھیں۔

''آپ کو ایسا لگتا ہے کہ میں اپنی بیٹی سے ہمدردی کروں گی، میں رانی کو کبھی بھی اس ماحول میں نہ رہنے دیتی میرا ارادہ پہلے بھی اسے اپنے ساتھ لے جانے کا تھا، یو کے میں اس کا علاج ممکن ہے اور اگر اب میں نے یہ اتنی بڑی بات کہہ ہی دی ہے تو اس لئے نہیں کہ مجھے اس سے ہمدردی ہے بلکہ یہ تو میرے ہمایوں کی خواہش ہے۔'' دکھ سے کہتے عزیزہ پھپھو نے صدیق علی اور نصرت جہاں پہ بم پھوڑا تھا۔

''ہمایوں نے یہاں سے واپس جاتے ہی مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا رانی کے ساتھ یہ حادثہ نہ بھی پیش آتا تب بھی مجھے آپ کے پاس آنا تھا، رانی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لے جانے کے لئے۔'' انہوں نے مزید بتایا تھا۔

''پہلے کی بات اور تھی ہمایوں کی خواہش مناسب تھی مگر اب اور بات ہے عزیزہ، آج ہمایوں ہمدردی سے اسے اپنائے گا کل کو بوجھ سمجھے گا۔'' نصرت جہاں نے پھپھو کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''کس نے کہا ایسا آپ سے ممانی۔'' ہمایوں جو کمرے میں کھڑا ساری کارروائی دیکھ اور سن رہا تھا نے فوراً آ کر نصرت جہاں کے قدموں میں جگہ بنائی۔

''آپ کو اپنا ہمایوں ایسا لگتا ہے ممانی جان، رانی جیسی لڑکی تو قسمت والوں کو ملتی ہے سچ پوچھیں تو کمی اس میں نہیں مجھے اپنے آپ میں لگتی

ہے اور میں ظاہری خوبصورتی کو اہمیت دینے والا انسان ہرگز نہیں ہوں میرے لئے دل کی خوبصورتی اچھائی نیک سیرتی میٹر کرتی ہے اگر اس خوف کو ذہن میں رکھتے آپ مجھے اپنا بیٹا بنانے میں ہچکچا رہے ہیں تو خدارا اس خوف کو ذہن سے نکال دیں ہاں اگر آپ کو میرے کردار یا شخصیت میں ویسے کوئی کمی نظر آتی ہے تو آپ انکار کا پورا پورا حق رکھتے ہیں لیکن میں پھر بھی اتنا کہوں گا کہ میری شخصیت کی ہر کمی رانی کا ساتھ نکال دے گی اور مجھے ایک بہترین انسان بنا دے گی۔" ہمایوں نے محبت سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا صدیق علی قائل سے ہو گئے، بلاشبہ ہمایوں جیسا اچھا لڑکا ان کی بیٹی کو قسمت سے ہی مل سکتا ہے جبھی وہ اسی رات ایک بار پھر رانی کے پاس آئے تھے۔

"تم نے اچھی بیٹی ہونے کے ناطے ہمیشہ اپنے باپ کا مان رکھا ہے رانی، میرے اچھے یا برے فیصلے کو ہمیشہ نبھانے کی کوشش کی ہے، تم نے کبھی بھی میرا سر نیچا نہیں کیا، آج بھی تمہارے پاس ایسی ہی خواہش لے کر آیا ہوں اس امید کے ساتھ کہ تم آج بھی اپنے باپ کا مان رکھو گی۔" آنسوؤں کی جل تھل ہوتی بارش میں رانی نے اپنے باپ کا سر ایک مرتبہ پھر فخر سے بلند کر دیا تھا اس نے اپنے باپ کا مان نہیں توڑا تھا مگر ہمایوں سے اس نے درخواست کی تھی کہ وہ ایک مرتبہ پھر اپنے فیصلے پہ نظر ثانی کرے۔

"سوچا وہاں جاتا ہے جہاں کسی کو جانتے نہ ہوں اور رانی تمہارے بارے میں سوچنے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ دلکشی سے مسکراتے بولا تھا۔

"ہمایوں تم پچھتاؤ گے۔" رانی نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"میں تمہیں اپنا کر کبھی نہیں پچھتا سکتا۔" اس کے جواب میں پہلے سے زیادہ پختگی نظر آئی۔

"مجھے تمہاری ہمدردی نہیں چاہیے ہمایوں۔"

"میں کب تم سے ہمدردی کر رہا ہوں یار میں تو محبت کرتا ہوں تم سے۔" رانی اس کے اظہار پہ ایکدم چپ سی ہو گئی دفعتاً بولی۔

"مگر میں تم سے محبت نہیں کرتی۔" ہمایوں مسکرا دیا۔

"یہ ایسی کوئی مشکل والی بات نہیں ہے آہستہ آہستہ ہو جائے گی اور کچھ کچھ محبت تو تمہیں مجھ سے ہو ہی گئی ہے۔" ہمایوں شرارت سے بولا تو رانی کی ہتھیلیاں پانی سے نم ہو گئیں۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ......" مگر احساس ہونے پہ فوراً زبان دانتوں تلے داب لی۔

"تم میرے روکھے پھیکے کھانے کھانے کی عادی ہو گئی ہو اور میں اب بریانی کھانے لگا ہوں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ روز صبح آفس جاتے ہوئے میں تمہارے ہاتھ کا بنا وہ اسپیشل آملیٹ کھا کر جایا کروں گا جو تمہاری اسپیشلٹی ہے کیا خیال ہے کرتی ہو وعدہ۔" وہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلاتے اس کے جواب کا منتظر تھا۔ آسمان تاروں سے بھرا ہوا تھا چاند انہیں دیکھ کر دلکشی سے مسکرایا رانی نے ایک نظر دلکش چاند کی طرف اور ایک نظر ہمایوں کو دیکھا اور طمانیت سے مسکرا دی کیونکہ زندگی اب سہل ہونے والی تھی، اس کے مجرم اپنے کیفر کردار تک پہنچ چکے تھے ہمایوں کی بدولت۔

"وعدہ۔" رانی نے محبت سے اپنا ہاتھ ہمایوں کے پھیلائے ہاتھ پہ رکھتے ہوئے ہولے سے کہا تھا، خوب صورت زندگی باہیں وا کیے ان کی آمد کی منتظر تھی۔

☆☆☆

"کیا بات ہے؟ تم مجھ کچھ بدلی بدلی سی لگ رہی ہو۔" زارا نے صومیہ کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تو سرتاپا ہی بدل گئی ہوں۔" صومیہ کے کھوئے کھوئے لہجے پر زارا نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟"

"کک...... کچھ نہیں۔"

"تم سناؤ، تمہاری کزن کی شادی کیسی رہی خوب انجوائے کیا ہوگا ناں۔" وہ جیسے پل بھر میں ہی اپنے حواسوں میں لوٹ آئی تھی اور اب بات بدلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

زارا کی کزن کی شادی تھی، اس لئے وہ ایک ہفتے کی چھٹی پر گئی ہوئی تھی اور آج ہی کالج آئی تھی اور صبح سے اسے صومیہ کا انداز ہی اور لگ رہا تھا، بات کرتی کرتی وہ کہیں کھو سی جاتی، دونوں بچپن کی سہیلیاں تھیں، ایک ہی محلے میں رہتی تھیں، سکول بھی اکٹھی جاتی تھیں اور اب کالج میں بھی ساتھ تھیں، زارا تو اس کے ہر انداز کو بھانپ لیا کرتی تھی اور ابھی تھوڑی دیر پہلے پھر اسے لگا تھا کہ وہ اس کی بات سننے کی بجائے کچھ اور ہی سوچ کر مسکرا رہی ہے۔

"صومی! بات کو ٹالو نہیں، کیا اب تم مجھ سے اپنی باتیں چھپاؤ گی؟"

"پہلے بتاؤ، غصے تو نہیں ہو گی۔" بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کی انگلیاں مروڑتی وہ اس وقت تذبذب کی کیفیت میں تھی۔

"اگر بغیر جھوٹ کی آمیزش کیے اصل بات بتاؤ گی تو پھر غصے نہیں ہوں گی۔" وہ اسے احاطہ نگاہ میں رکھتے ہوئے پرزور انداز میں بولی تو صومیہ کو اسے بتانا ہی پڑا۔

"وہ لڑکا جو روز ہمیں کالج سے آتے ہوئے دیکھتا تھا اور تم کہتی تھی کہ یہ تمہیں دیکھتا ہے، اس کا نام منصور ہے۔"

"آ...... اچھا...... وہ، جو شکل سے ہی آوارہ لگتا ہے لیکن تم اس کا ذکر کیوں کر رہی ہو؟" زارا جو اس کی بات کاٹ کر بے دھیانی میں بولے جا رہی تھی، یکدم رک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"میں اس کا ذکر اس لئے کر رہی ہوں کہ تم سچ کہتی تھی وہ واقعی مجھے دیکھتا تھا، دراصل وہ اظہار محبت کرنا چاہتا تھا لیکن اسے موقع نہیں مل رہا تھا کہ وہ مجھے بتائے کہ وہ مجھ سے کتنی محبت کرتا ہے۔" ایک خوبصورت مسکان اس کے تراشیدہ لبوں پر ابھری تھی جبکہ اس کی یہ مسکان زارا کو تپا گئی تھی۔

"اسے موقع اس لئے نہیں مل رہا تھا کہ میں جو تمہارے ساتھ ہوتی تھی، میرے سامنے ایسی ویسی حرکت تو کرتا ٹانگیں توڑ کر نہ رکھ دیتی اور اب میری غیر موجودگی میں اسے تمہیں پاگل بنانے کا خوب موقع مل گیا، دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا، وہ تمہیں بیوقوف بنا رہا ہے، فلرٹ کر رہا ہے، مجھے تو اس کے دیکھنے کا انداز ذرا بھی پسند نہیں، عجیب لوفرانہ انداز ہے اور تم کہتی ہو کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے، اونہہ مجھے تم سے ہرگز ایسی امید نہ تھی کہ تم اتنی دل پھینک ہو گی جو سڑک چھاپ عاشق پر چند دنوں میں ہی فدا ہوگئی۔" زارا نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"کیا ہوگیا ہے؟ اتنے غصے میں کیوں آگئی ہو؟ اب ایسے تو نہ کہو۔" وہ زارا کے یکدم بھڑکنے پر روہانسی سی ہوگئی تھی۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ مجھ سے سچے دل سے محبت کرتا ہے اور پھر اس نے کہا ہے کہ وہ جلد ہی اپنے گھر والوں کو ہمارے گھر رشتے کے لئے بھیجے گا اور یہ حقیقت ہے کہ مجھے بھی وہ اچھا لگنے لگا ہے۔" یہ کہتے ہوئے پھر اس کے چہرے پر کئی دھنک رنگ بکھر گئے تھے، وہ حیرت سے اس کے چہرے پر بکھرے رنگوں کو دیکھنے لگی۔

"وہ تم سے فلرٹ کر رہا ہے اور کچھ نہیں ہے، تم سمجھتی کیوں نہیں ہو؟" اس کو اس سے اس پر ڈھیروں ڈھیر غصہ آیا تھا۔

"بس زارا! بہت ہوگیا اب اور نہیں، اب تم منصور کے بارے میں اور کوئی نازیبا الفاظ استعمال نہیں کرو گی۔" صومیہ کے لہجے اور انداز میں ناگواری ہی ناگواری تھی اور وہ تو حیران ہی رہ گئی تھی لیکن پھر اسی پل وہ خاموش ہوگئی تھی اور اس نے سوچا تھا کہ وہ بعد میں اسے سمجھائے گی لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی۔

تین مہینے ہوگئے تھے، وہ اسے سمجھا سمجھا کر تھک چکی تھی لیکن وہ جو پہلے تو اس کی بات سن ہی لیتی تھی اب اس کی نصیحتوں سے اکتانے لگی تھی، ان کی دوستی میں واضح شگاف پڑتا جا رہا تھا، اب وہ زارا کے ساتھ بھی کم کم ہی رہتی تھی، اس کا زیادہ وقت کالج کینٹین کی پچھلی طرف گزرتا تھا کیونکہ اس طرف لڑکیاں بہت کم ہوتی تھیں اور وہ آرام سے موبائل پر منصور سے باتیں کر سکتی تھی اور پھر رفتہ رفتہ باتوں سے بڑھ کر ان کے درمیان ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا اور صومیہ اب اکثر کالج کے اوقات میں بجائے کالج جانے کے منصور سے ملنے جاتی تھی اور زارا کو اپنی دوستی کا واسطہ دے کر مجبور کرتی تھی کہ وہ اس کے گھر میں کچھ نہ بتائے اور آخر کار اس کی یہ روش دیکھتے ہوئے زارا نے بھی خاموشی کا لبادہ اوڑھ لیا تھا، آہستہ آہستہ ایک نادیدہ دیوار ان کے درمیان حائل ہوتی جا رہی تھی اور اب ان کی دوستی میں معمول کی بات چیت کے علاوہ کچھ نہیں رہ گیا تھا۔

☆☆☆

"تمہاری ایسے شخص سے منگنی ہو رہی ہے جسے تم نے صرف ایک دو بار دیکھا ہے اور بس، جہاں ماں باپ نے کہہ دیا تم نے چپ کر کے ہاں کہہ دی، میڈم! یہ اکیسویں صدی ہے اب لڑکی کو اپنی زندگی کا ساتھی چننے کی پوری آزادی حاصل ہے، میرے خیال میں تو تمہیں منگنی سے پہلے واصف سے ایک، دو دفعہ تو ضرور ملنا چاہیے اور فون پر تو ضرور بات کرنی چاہیے تاکہ تمہیں اس کے طور طریقوں اور عادات کا پتہ چل سکے، شادی سے پہلے انڈر اسٹینڈنگ ضرور ہونی چاہیے جیسے میری اور منصور کی ہے۔" صومیہ کو جب سے پتہ چلا تھا کہ زارا کی منگنی ہو رہی ہے وہ تب سے اسے اپنا موقف سمجھا رہی تھی کہ اسے واصف سے مل کر پھر منگنی کا فیصلہ کرنا چاہیے اور زارا جو عدم دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہی تھی اب بالآخر بول ہی پڑی تھی۔

"تمہارے خیال میں اگر میرے گھر والے واصف سے میری بات چیت یا ملنے کو پسند نہیں کریں گے تو مجھے اپنے طور پر اس سے رابطہ کرنا چاہیے، ہے نا۔"

"ہاں بالکل تمہیں حق حاصل ہونا چاہیے۔"

"اور اگر مجھے اس حق کو حاصل کرنے کا خود ہی کوئی شوق نہ ہو تو؟ اور ویسے بھی مجھے ایسی انڈر اسٹینڈنگ کا کوئی شوق نہیں ہے جس کی خاطر میں جھوٹ کا سہارا لے کر اپنے ماں باپ کو دھوکا دے کر غیر مرد سے مراسم بڑھاؤں، میں نے اپنے ابو کا فیصلہ دل سے قبول کیا ہے کیونکہ جتنی میری عمر ہے اس سے زیادہ تو ان کا تجربہ ہے اس لئے وہ میرے لئے کوئی غلط فیصلہ نہیں کر سکتے اور یہ جو تم اکیسویں صدی کی عورت کی بات کر رہی ہو نا، تو

"عورت چاہے جس بھی صدی کی ہو اور جتنے بھی ترقی یافتہ معاشرے سے تعلق رکھتی ہو، ہمیشہ اپنی حیا کی پاسداری کرتی ہی اچھی لگتی ہے۔" زارا نے اسے جتلاتے ہوئے لہجے میں باور کروایا۔

"اچھا بھئی، نصیحت آپا، جیسے تمہاری مرضی میں نے تو تم سے ایک بات کہی تھی تم نے تو تقریر ہی شروع کر دی، اچھا چلو چھوڑ ان باتوں کو آؤ کینٹین سے کچھ کھا کر آتے ہیں۔" بجائے اس کے کہ وہ اس سے ناراض ہوتی یا شرمندہ ہوتی، لاپرواہی سے اس کی باتوں کو چٹکیوں میں اڑاتے ہوئے اپنی کتابیں سمیٹنے لگی۔

"میں اب صرف تمہارے لئے دعا ہی کر سکتی ہوں۔" زارا دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوتی، تاسف سے سر ہلاتی اس کے ہمراہ کینٹین کی طرف چل دی۔

☆☆☆

"دوستی اتنا نازک رشتہ ہے کہ پل بھر میں کانچ کی طرح بکھر جاتا ہے اور اتنے حصوں میں بٹ جاتا ہے کہ اسے سمیٹنا مشکل ہو جاتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی اتنا مضبوط بھی ہے کہ اگر دوستی میں خلوص شامل ہو تو یہ رشتہ ناقابل تسخیر بن جاتا ہے پھر کوئی اسے توڑ نہیں سکتا۔" ٹی وی سے ابھرنے والی آواز نے پل بھر میں جیسے زارا کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، پراٹھے کا اگلا نوالہ توڑتے اس کے ہاتھ یکدم ساکت ہو گئے تھے، صبح ناشتہ کرنے کے ساتھ ساتھ وہ مارننگ شو دیکھ رہی تھی جس کا موضوع دوستی تھا اور اس پر مختلف لوگ اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے، اس کے بی اے کے پیپرز ختم ہوئے دو ہفتے ہو گئے تھے لیکن نہ صومیہ نے اس سے رابطہ کیا تھا نہ اس نے صومیہ سے اور ایسا پہلی بار ہوا تھا ورنہ وہ ایک دوسرے سے کبھی اتنے دن دور نہیں رہی تھیں۔

"ہم دونوں کتنی دور ہو گئی ہیں؟" صومیہ کا خیال آتے ہی وہ اداسی میں گھرنے لگی۔

"نہیں میں اپنی دوستی کو کانچ کی طرح بکھرنے نہیں دوں گی۔" وہ دل میں مصمم ارادہ کیے اٹھی اور اگلے تیس منٹ میں وہ صومیہ کے گھر کے بیرونی دروازے کے پاس کھڑی اطلاعی گھنٹی بجا رہی تھی۔

دروازہ صومیہ کی امی نے کھولا تھا اور اسے دیکھتے ہی ان کے چہرے پر چمک نمودار ہو گئی۔

"ارے زارا بیٹی! بہت اچھا کیا تم آ گئی، میں تمہیں ہی بلانے کا سوچ رہی تھی صومیہ کو بہت تیز بخار ہے اور پریشان سی بھی ہے، پوچھتی ہوں تو کہتی ہے کہ پیپرز اچھے نہیں ہوئے، چلو اب تم اس کا دل بہلاؤ، میں تمہارے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" یہ کہہ کر صومیہ کی امی کچن کی طرف چل دیں جبکہ وہ صومیہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی، دستک دے کر اندر داخل ہوئی تو اسے اندھیرے میں کچھ بھی سجھائی نہ دیا دن کے گیارہ بجے بھی اس کا کمرہ اماوس کی کالی سیاہ رات کی طرح تاریک نظر آیا۔

اس کے دل کو کچھ ہوا تو اس نے جلدی سے لائٹ جلا دی تو یکدم ہی دودھیا روشنی کمرے کے چاروں اطراف میں پھیل گئی۔

صومیہ جو آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی تھی، گھبرا کر دروازے کی سمت دیکھنے لگی، تاریکی سے ایکدم روشنی میں جیسے اس کی آنکھیں چندھیا سی گئیں۔

اور زارا تو بے یقینی سے اس کی سمت دیکھتی ہی رہ گئی، سرخ و سفید رنگت میں ہلدی گھلی ہوئی تھی اور تراشیدہ لبوں کی لالی جیسے سرمئی سیاہیوں میں ڈوب گئی تھی روشن، چمکدار آنکھوں میں اداسی بسیرا کیے ہوئے تھی جبکہ ان کے نیچے حلقے نمایاں

ہو رہے تھے، چند دنوں میں ہی وہ کیا سے کیا ہو گئی تھی۔

"یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟ کیا ہوا ہے تمہیں؟" زارا تڑپ کر اس کے پاس آئی تو وہ اس کے مہربان شانوں کا احساس پاتے ہی اس سے لپٹ کر رونے لگی۔

"صومی! کچھ بتاؤ تو سہی، کیوں اتنا رو رہی ہو؟" زارا از حد پریشان ہوئی تھی۔

"مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔" اس نے اس سے علیحدہ ہوتے ہوئے اپنے آنسو اپنی پوروں میں جذب کرتے ہوئے کہا۔

"میرے آنے کا یقین تھا تو خود کیوں نہیں آئی؟"

"ہمت نہیں تھی تمہارا سامنا کرنے کی۔"

اس کے رنجور لہجے پہ زارا کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"آخر ہوا کیا ہے؟ کچھ بتاؤ تو سہی، کیا منصور کی طرف سے کوئی مسئلہ ہے؟" زارا اس کی اداس صورت دیکھتے ہوئے اندازہ لگاتے ہوئے بولی۔

"تم صحیح کہتی تھی کہ جن راستوں پر میں چل پڑی ہوں ان کی کوئی منزل نہیں ہے، ہاں واقعی ان راستوں پر منزل نہیں تھی وہ تو صرف سراب تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"تم صحیح کہتی تھی، منصور ایک فلرٹی لڑکا تھا اور بس جیسے ہی ہمارے پیپرز شروع ہوئے تھے میں نے اس پر بہت زور ڈالنا شروع کر دیا تھا کہ وہ میرے لئے رشتہ بھیجے اور جب میری طرف سے اصرار بڑھتا گیا تو ایک دن موبائل پر بات کرتے ہوئے اس نے میرا مذاق اڑایا اور کہا اب تمہارا کالج ختم ہو گیا ہے اس لئے تمہارا مجھ سے ملنا بھی مشکل ہو جائے گا تو اب تم سے مزید تعلق رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں اور اگر تم مجھ سے کوئی تعلق رکھنا چاہتی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن تم دوبارہ مجھ سے شادی کی بات نہیں کرو گی کیونکہ تم جیسی لڑکیوں سے شادی نہیں کی جاتی جن میں حیاء نام کی کوئی چیز ہی نہ ہو، تم آج اپنے گھر والوں کو دھوکا دے کر مجھ سے مل سکتی ہو تو کل مجھے بھی دھوکا دے سکتی ہو۔" صومیہ اسے بتاتے بتاتے سسک اٹھی تھی اور اس کے آنسو ایک بار پھر پلکوں کی باڑھ توڑتے اس کے عارض بھگونے لگے تھے۔

زارا کی آنکھیں بھی اس کی تکلیف پر اشکبار ہو گئیں تھیں، وہ جو کوئی بھی لمحہ ضائع کیے بغیر اسے سمجھانے کی کوشش میں ہلکان ہوتی رہتی تھی اس پل خاموشی سے اس کے آنسو پونچھنے لگی تھی کہ اب اسے سمجھانے کی نہیں دلاسے کی ضرورت تھی کہ وقت نے اسے کسی ماہر استاد کی طرح بہت کچھ سمجھا دیا تھا اور بہت سی حقیقتیں واضح کر دی تھیں۔

زندگی کی شاہراہ پر کچھ لوگ چوٹ کھانے سے قبل ہی پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں جس کے بدلے میں وہ آسانی سے اپنی منزل تک پہنچ جاتے ہیں اور پھر ان کے اندر باہر سکون ہی سکون ہوتا ہے جیسے اس وقت زارا کے چہرے پر تھا، اس کے برعکس کچھ لوگ چوٹ کھا کر سنبھلتے ہیں، سنبھل تو جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ چوٹ کا درد بھی کم ہوتا جاتا ہے لیکن اندر باہر بے سکونی سی پھیل جاتی ہے جیسے صومیہ، کوئی بھی ناقابل تلافی نقصان کروانے سے پہلے ہی سنبھل تو گئی تھی لیکن بدلے میں دل کا سکون گنوا بیٹھی تھی۔

☆☆☆

چوتھی قسط

سندس جبیں

کومل آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو وہ اسے کانوں پر ہیڈ فون چڑھائے مصروف نظر آئی، اس کی آنکھیں بند تھیں اور پیر بڑے ردھم سے ہل رہے تھے کومل نے اس کے چہرے پر غیر ارادی طور پر کچھ کھوجنا چاہا، مگر اسے ناکامی ہوئی، رمشہ کا چہرہ اس کے تاثرات اور اس کی مخصوص ایکٹویٹی (ایم پی تھری سننا) سب معمول پر تھے، کومل نے عجیب سی جھنجھلاہٹ میں آگے بڑھ کر ہیڈ فون کھینچے، رمشہ نے قدرے ہڑبڑا کر اسے دیکھا۔

''کبھی اس کی جان چھوڑ بھی دیا کرو۔'' کومل نے غصے سے کہا، رمشہ نے سرد نظروں سے اسے دیکھا۔

''کیوں؟ کیا تکلیف ہے تمہیں؟ کیا لینے آئی ہو یہاں؟'' اس کا لہجہ تمام تر تلخی لئے ہوئے تھا۔

کومل جو تاثرات اس کے چہرے پر ڈھونڈنا چاہتی تھی وہ اس کے لہجے میں بخوبی موجود تھے۔

''تمہیں اس دن کیا ہوا تھا رمشہ؟'' کومل نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

ناولٹ

رمشہ کو یکدم وہ احساس ذلت پوری شدت سے یاد آیا تھا، جس سے جان چھڑانے کی کوشش میں وہ ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔

''وہ جو بھی تھا میں اسے ڈسکس نہیں کرنا چاہتی۔'' رمشہ کی رنگت بدل چکی تھی۔

''کیوں...... کیوں؟ نہیں کرنا چاہتی؟'' کومل غصے سے بولی۔

''کومل! پلیز...... جاؤ یہاں سے۔'' رمشہ نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے رمشہ میں، میں تمہاری بہن ہوں پلیز مجھ سے تو نہ چھپاؤ، مجھے تو بتاؤ، آخر ایسا کیا ہے جو تم مجھ سے بھی چھپانا چاہ رہی ہو؟'' کومل نے ملتجی لہجے میں کہا۔

رمشہ بنا پلک جھپکائے اسے دیکھتی رہی، اس کا دل تو جلتا آبلہ بنا ہوا تھا جسے انجانے میں کومل چھیڑ بیٹھی تھی۔

''کیا جاننا چاہتی ہو؟ یہی نا کہ میں رجیکشن کے بعد کیسا محسوس کر رہی ہوں تو ٹھیک ہے بتا دیتی ہوں، کومل مغل میں بہت اچھا محسوس کر رہی ہوں مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے یہ جان کر کہ میں اتنے سال ایک بے مقصد چیز کے حصول کے پیچھے بھاگتی رہی، مجھے بہت فخر محسوس ہو رہا ہے کہ میں اس کے قابل نہیں ہوں اور یہ سن کر تو مجھ پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی تھی کہ وہ جب بھی شادی کرے گا کم از کم مجھ سے نہیں کرے گا۔'' وہ طنز و استہزا سے کہتی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، کومل نے بے ساختہ اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''لیکن تم تو اچھے دوست تھے رمشہ۔''

''میں بھی یہی سمجھتی تھی، دیکھو ناں کومل اس نے میرے ساتھ کیا کیا؟'' وہ اس کے شانے پہ سر رکھے زار و زار رو رہی تھی، کومل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''وہ کہتا ہے تم میری اچھی دوست ہو کزن ہو اور بس...... اس سے آگے کوئی رشتہ نہیں، ایسا کیسے کر سکتا ہے وہ میرے ساتھ؟ وہ کہتا ہے اس نے مجھے کبھی اس نظر سے دیکھا نہیں، کیوں؟ کیوں کومل! کیا میں اتنی بری ہوں، اتنی بدصورت کیا مجھ میں کوئی اچھائی نہیں، کوئی ایسی بات نہیں جو اسے میری طرف پلٹنے پر مجبور کر سکے، میں نے تو اسے ہمیشہ سب سے خاص سمجھا، اسے اپنی زندگی کی اولین ترجیح بنا لیا اور دیکھو اس نے میرے ساتھ کیا کیا؟ وہ کہتا ہے اسے مجھ میں کوئی دلچسپی نہیں اگر ایسا ہوتا تو وہ کبھی نہ کبھی تو مجھے بتا ہے، میں بہت اذیت میں ہوں کومل، یقین کر و یہ جاننا بہت اذیت ناک ہے کہ ہم جسے سب کچھ سمجھتے ہوں اس کی نظر میں ہماری کوئی حیثیت نہ ہو، میں پل پل مر رہی ہوں، میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں اس دنیا سے کہیں دور بھاگ جاؤں، میں کسی کو فیس نہیں کر سکتی، مجھے لگ رہا ہے ہر نظر میں میرے لئے استہزاء ہے طنز ہے، کتنی بے وقوف ہوتی ہیں ہم لڑکیاں، کتنی جلدی خواب سجا لیتی ہیں اور جب یہ ہمارے خود ساختہ خواب ٹوٹتے ہیں تو ان کی کرچیاں ہماری آنکھوں سے لے کر دل تک کو زخمی کر دیتی ہیں، مجھ سے یہ چوٹ برداشت نہیں ہو رہی، میں مر رہی ہوں پل پل، میں کیا کروں کومل؟'' وہ بلک بلک کر روتے ہوئے کہہ رہی تھی، کومل کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکلتے جا رہے تھے۔

''میں جی نہیں پا رہی کومل! مجھے کوئی حل بتاؤ، کوئی تدبیر؟ کوئی دوا؟'' وہ سر دونوں ہاتھوں سے تھامے کہہ رہی تھی، کومل نے شانوں سے اسے تھاما اور اپنے سامنے کیا۔

''بہت اچھا کیا شاہ بھائی نے۔'' کومل نے سختی سے اسے جھنجھوڑا، رمشہ ششدر رہ گئی۔

''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو کومل؟'' اس کی آواز پھٹ سی گئی۔

''ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں، ہر رشتہ محبت کا نہیں ہوتا، صحیح کہا انہوں نے وہ کیوں کریں تم سے شادی کیا ملے گا اس سے تم دونوں کو، صرف سمجھوتہ اور ایک ناقابل برداشت بوجھ بس، انہوں نے تم سے کمٹ منٹ تو نہیں کی ناں اور تم میں کوئی کمی نہیں ہے، تم ایک ایسی زندگی گزارنے پر کیوں بضد ہو جس میں تم دونوں اک دوجے پر مسلط کیے جاؤ، تم یہ کیوں سوچ رہی ہو کہ تم ان کے قابل نہیں ہو، ایسا انہوں نے کچھ نہیں کیا، ہر شخص حق رکھتا ہے کہ اپنی پسند کا لائف پارٹنر چوز کرے، مگر اس کے لئے دونوں فریقین کا رضا مند ہونا بھی ضروری ہے رمشہ، دیکھو تم یہ کیوں نہیں سمجھتی کہ ہم کسی سے محبت کر تو سکتے ہیں مگر اس کی کنپٹی پر پسٹل رکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بھی ہم سے محبت کرے اور پلیز ایسا مت کہو کہ وہ تمہاری اولین ترجیح ہیں کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا، لوگ جوان بیٹوں کو دفن کر کے زندہ رہتے ہیں زندگی نہیں رکتی میری جان اور کسی کو کیا پڑی ہے تمہارے بارے میں طنزیہ سوچنے کی، یہ صرف تمہاری نیگیٹو سوچ ہے، خود کو اس State of mind سے نکالو، کیوں اپنا تماشا بنانا چاہتی ہو؟'' کومل غصے و سمجھداری کے ملے جلے تاثر سے اسے سمجھاتی چلی گئی، رمشہ کے آنسو رک چلے تھے، وہ خاموشی سے اس کی بات سن رہی تھی۔

جن کی آنکھوں میں اپنا ہی دیکھتا تھا عکس
میں نے ان آنکھوں میں دیکھا اور کسی کا رنگ
تھا میرا تو خواب ادھورا یا حقیقت تھی؟؟؟
میری قربت میں میرا یار اور کسی کے سنگ
بات کر لے میری رسوائی کی......!
بات کر لے میری ہرجائی کی......!

کومل سچ کہہ رہی تھی اسے خود کو سنبھالنا تھا جلد یا بدیر۔

☆☆☆

دستک کی آواز پر فون پر محو گفتگو اسید نے گردن موڑ کر دروازے کی سمت دیکھا اور فون کان سے ہٹاتے ہوئے بلند آواز میں ''لیں'' کہا، اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا اور حبا دندناتی ہوئی اندر آ گئی۔

''میں تمہیں بعد میں کال کرتا ہوں اسد۔''

اس نے فون بند کر کے جیب میں رکھا اور ٹیبل

سے فائل اٹھاتے ہوئے چند پیپرز اس میں کلپ کیے ایک کتاب اٹھا کر اس پر رکھی اور واپس مڑا۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے اسید۔'' حبا نے تیز لہجے میں کہا۔

اسید نے اس کی طرف دیکھے بغیر فائل اٹھائی اور باہر جانے لگا، حبا نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا شانہ تھام لیا۔

''میں تم سے بات کر رہی ہوں، تم ایسے کیسے جا سکتے ہو؟'' وہ چلا اٹھی، اسید نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ ہٹایا اور آگے بڑھنے لگا، وہ پھر سے اس کی راہ میں حائل ہوئی تھی۔

''ماما! ماما!'' وہ بلند آواز میں چلایا تھا۔

کچن میں مصروف مرینہ دہل سی گئیں، اپنی ساری مصروفیات ترک کر کے وہ اسید کے کمرے کی طرف بھاگی تھیں، دروازہ کھلا ہوا تھا۔

''کیا بات ہے اسید؟'' انہوں نے ایک نظر دونوں کو دیکھا اور پوچھا۔

''اسے یہاں سے لے جائیں اور دوبارہ مجھے یہ اس کمرے میں نظر نہ آئے۔'' وہ طیش سے بولا تھا، مرینہ نے آگے بڑھ کر حبا کا بازو تھاما اور اسے باہر لے جانے لگیں، اس نے جھٹکے سے بازو چھڑایا اور اسید کی طرف مڑی۔

''کیوں...... کیوں نہ آؤں میں یہاں ڈتم ہوتے کون ہو مجھے روکنے والے؟'' اس نے طیش سے اسید کا کالر تھام کر جھٹکا دیا۔

اسید کی آنکھوں کے آگے سرخ چادر سی تن گئی، بے ساختہ اس کا ہاتھ اٹھا اور حبا کے گال پر تڑاخ سے پڑا۔

''اپنی حد میں رہو، بدتمیز لڑکی۔'' وہ نفرت سے بولا تھا۔

وہ گال پہ ہاتھ رکھے پھٹی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکلتا چلا گیا، مرینہ بھی ہکا بکا سی کھڑی تھیں، اسید کے نکلتے ہی حبا جیسے ہوش میں آ گئی، اگلے ہی لمحے وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

''ماما...... ماما دیکھیں اسید نے مجھ پہ ہاتھ اٹھایا، اس نے مجھے مارا اس نے مجھے تھپڑ مارا، وہ ایسا کر سکتا ہے وہ تو مجھے ہمیشہ یہی کہتا ہے حبا عورت پر ہاتھ اٹھانے والا مرد دنیا کا گھٹیا ترین مرد ہوتا ہے، وہ خود یہ کہتا تھا ماما، وہ اتنا کیسے کر سکتا ہے ماما؟'' وہ بلند آواز میں رو رہی تھی۔

''حباچ بس کرو بیٹا تم کیوں آئی تھیں اس کے کمرے میں تمہارے پاپا کو اچھا نہیں لگتا تمہارا اس سے میل جول، تم بات کو سمجھتی کیوں نہیں ہو؟ اور تم ہو کہ اسے غصہ دلاتی ہو، کیسے بات کر رہی تھیں تم اس سے؟ یہ کوئی طریقہ ہے بات کرنے کا بڑا بھائی ہے وہ تمہارا۔'' وہ نرمی و جھنجھلاہٹ سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

''نہیں ہے وہ میرا بھائی، سنا آپ نے پاپا ٹھیک کہتے ہیں وہ میرا بھائی ہو ہی نہیں سکتا، اس نے مجھ پہ ہاتھ اٹھایا، مجھ پہ، حبا تیمور پہ؟ نفرت ہے مجھے آپ سب سے، کوئی مجھے خوش دیکھنا نہیں چاہتا، سب میرے دشمن ہیں آپ بھی مجھے سمجھا رہی ہیں پاپا کو تو پہلے ہی میرے ہر کام پہ اعتراض ہے اور اسید، نفرت ہے مجھے اسید سے، اس نے مجھ پہ ہاتھ اٹھایا، آئی ہیٹ اسید۔'' وہ منہ پر ہاتھ رکھے سسکیاں دباتی باہر بھاگ گئی۔

مرینہ کے اندر جیسے زمانوں کی تھکن اترنے لگی، وہ جانتی تھی آج رات پھر تیمور احمد نئے معرکے کی ابتداء کریں گے جس کا انجام ہمیشہ کی طرح کوئی نہیں ہو گا انہیں اسید کی بے وقوفی پر از حد طیش آ رہا تھا، وہ احمق خود ہی اپنے راستے مشکل کر رہا تھا، حبا کو بے حد تیز بخار ہو گیا، مرینہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہتی تھیں مگر اس

نے سختی سے انکار کر دیا، منت سماجت خوشامد اور نرمی سے انہوں نے ہر طریقے سے اسے منانے کی کوشش کی مگر وہ مان کر نہ دی اس کی وہی ایک نہ، جو ہاں میں نہ بدلی، رات جب تیمور احمد لوٹے تو انہوں نے بے حد پریشانی سے انہیں حبا کی بیماری کا بتایا تھا، تیمور جو پہلے ہی بے حد تھکے ہوئے تھے بالکل ہی آؤٹ ہو گئے تھے۔

''تم اسے ہاسپٹل لے جاتیں؟'' وہ چڑے ہوئے بولے تھے۔

''وہ نہیں جا رہی تھی، ضد پہ اتری ہوئی ہے، آپ دیکھیں ذرا اسے۔'' وہ وضاحت دینے لگیں۔

وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئے، دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو تکیے پر سر رکھے ہاتھ پیر چھوڑے بے سدھ پڑی تھی، وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھے تھے۔

''حبا!'' اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے اسے پکارا۔

''حبا بیٹے! آنکھیں کھولو، حبا بچے کیا بات ہے؟'' انہوں نے پیار سے اس کے چہرے سے بال ہٹائے اور ٹھٹک کر رہ گئے، ان کی نگاہ جیسے حبا کے گال پہ جم سی گئی، انہوں نے بے اختیار اس کے گال پہ ہاتھ پھیرا، ان کی آنکھوں سے جیسے بجلیاں سی کوندنے لگیں تھیں انہوں نے حبا کو جھنجھوڑ ڈالا۔

''حبا اٹھو۔'' وہ زور سے بولے تھے حبا کی آنکھیں ایک کراہ کے ساتھ کھل گئی تھیں، باپ کو سامنے پاتے ہی اس کی آنکھیں پھر سے نم ہونے لگیں۔

''پاپا!'' وہ ان کا ہاتھ تھام کر شدتوں سے رو پڑی تھی۔

''حبا میری بچی کیا بات ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟ کسی نے کچھ کہا ہے تو مجھے بتاؤ۔'' انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا، وہ چند لمحے خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی پھر پھٹ پڑی۔

''اسید نے مجھ پہ ہاتھ اٹھایا پاپا، اس نے مجھے تھپڑ مارا۔'' وہ بتاتے ہوئے پھر سے رونے لگی۔

تیمور پر جیسے بجلی سی گری وہ چند لمحے ساکت اسے دیکھتے رہے پھر ایک جھٹکے سے اٹھے اور مرینہ کی طرف مڑے۔

''اسید کہاں ہے مرینہ؟'' ان کے لہجے میں پھنکار تھی۔

''وہ...... وہ......'' مرینہ کا رنگ زرد پڑ گیا، شامت اعمال کہ اسی وقت اسید کے باہر سے بولنے کی آواز آئی تھی۔

مرینہ کا دل چاہا وہ کہیں غائب ہو جائے، اس طرف نہ آئے، تیمور کے تیور بے حد خوفناک تھے، وہ کسی بگولے کی مانند چکراتے ہوئے باہر نکل گئے، وہ انہیں لاؤنج میں نظر آ گیا کتابیں اور فائل کور ٹیبل پہ رکھ کر وہ ابھی سیدھا ہی ہوا تھا جب اس نے تیمور کو اپنے سر پہ کھڑے پایا۔

''تم نے حبا پہ ہاتھ اٹھایا ہے؟'' ان کے لہجے میں طوفان کی سی گھن گرج تھی، ایک لمحے کو اسید کے چہرے کا رنگ بدلا مگر وہ کچھ بولے بغیر سیدھا کھڑا رہا۔

''میں تم سے مخاطب ہوں، تم سن رہے ہو میری بات؟'' انہوں نے گریبان سے پکڑ کر اسے جھٹکا دیا وہ لڑکھڑا گیا۔

''ہاں۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولا۔

''تم...... تم...... تمہاری ہمت کیسے ہوئی ہاں بولو؟'' انہوں نے اسے بالوں سے پکڑا اور بے دریغ دو تین طمانچے اس کے چہرے پہ دے

مارے۔

”تم نے کیا سمجھا اسے، اپنی طرح یتیم؟“ وہ پاگل ہو رہے تھے اسید کوئی مزاحمت نہیں کر رہا تھا، مرینہ زور زور سے رو رہی تھیں اسی وقت حبا لڑکھڑاتی ہوئی اپنے کمرے سے نکلی تھی، لاؤنج کا منظر دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی، وہ اندھا دھند ان کی طرف لپکی اور درمیان میں پڑے سینٹرل ٹیبل سے ٹکرا کر نیچے گر گئی، پھر اٹھی اور ان کی طرف بڑھی، وہ چیخ رہی تھی۔

”پاپا مت ماریں اسید کو...... مت ماریں ...... پاپا۔“ وہ ان کے درمیان آ کر اسید کے سامنے ڈھال بن کر کھڑی ہو گئی تھی، تیمور اس کی ہمت پر دنگ سے رہ گئے، ان آنکھوں میں یک بیک خون سا اتر آیا۔

”تم آگے سے ہٹ جاؤ حبا! میں اس کے ٹکڑے کر دوں گا۔“ وہ دھاڑے تھے، وہ بے اختیار آگے بڑھ کر تیمور سے لپٹ گئی۔

”نہیں پاپا غلطی میری تھی میں نے بدتمیزی کی تھی اسید سے اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔“ وہ انہیں روکنے کی کوشش کرتی نڈھال ہو رہی تھی۔

”لیکن اسے یہ حق کس نے دیا کہ یہ تم پہ ہاتھ اٹھائے؟“ وہ کف اڑانے لگے تھے۔

”بس کریں تیمور، حد ہوتی ہے بہت تماشا ہو چکا، اب اسے بند ہو جانا چاہیے، یہ ضروری نہیں کہ ہر بار غلطی اسید کی ہو، جب آپ نے منع کیا تھا تو یہ کیوں گئی تھی اس کے کمرے میں؟ اس نے اس سے بات بھی نہیں کیا مجھے بلایا اور کہا ماما اسے یہاں سے لے جائیں مگر یہ...... یہ...... اس نے اسید کا گریبان پکڑ لیا اور چلانے لگی کہ تم کون ہوتے ہو مجھے یہاں سے نکالنے والے؟ کیا یہ بات برداشت کی جا سکتی ہے اس نے پھر ایک جڑ دی تو کیا غلط کیا؟“ مرینہ سارے خوف بھلائے بلند آواز سے بول رہی تھیں، غصے کی شدت سے ان کا سارا وجود کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح لرز رہا تھا، تیمور نے بے یقینی سے حبا کی طرف دیکھا، وہ نظریں جھکائے ہاتھ منہ پہ رکھے سسکیاں بھر رہی تھی۔

”حبا کیا یہ سچ ہے؟“ انہوں نے پوچھا، اس نے سر ہلا دیا، تیمور کا دل تو چاہا کہ دو تین طمانچے حبا کو بھی لگا دیں مگر پھر خود پہ قابو پاتے ہوئے تیزی سے باہر نکل گئے، مرینہ تیزی سے اسید کی طرف بڑھیں جو ساکت کھڑا تھا، اس کے بال بکھرے ہوئے تھے چہرہ سرخ اور نچلے ہونٹ سے خون رس رہا تھا، انہوں نے اسے پیار سے ساتھ لگایا، اس کا ماتھا چوما اور آنچل سے اس کا ہونٹ صاف کرنے لگیں، کمرے کی خاموشی میں حبا کی سسکیاں ابھر رہی تھیں۔

☆☆☆

ناشتے کی میز پر صدیق شاہ، نوفل صدیق اور شائی وانگ موجود تھے، صدیق رات ہی پہنچے تھے، شائی وانگ سے بھی ملے تھے اور اسے لے کر اچھے خاصے مشکوک بھی ہو چکے تھے۔

”تمہیں نہیں لگتا نوفل! تم اس لڑکی میں انوالو ہو رہے ہو؟“ انہوں نے کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے نوفل سے اردو میں کہا، نوفل کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

”پاپا پلیز۔“ اس نے احتجاج کیا وہ بے ساختہ ہنس پڑے، شائی وانگ نے نہ سمجھتے ہوئے خاصی بے چارگی سے ان دونوں کو دیکھا۔

”اس میں کیا غلط بات ہے؟ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ تم نے بھی کوئی نارمل انسانوں والا کام کیا۔“ وہ اسی طرح بولے۔

”کیا مطلب؟“ اس نے بھنویں اچکائیں۔

”بھئی دیکھو میں اچھی طرح جانتا ہوں تمہیں، تم اتنے بھی نرم دل اور ہمدرد نہیں ہو کہ یوں سڑک پہ ٹکرانے والی لڑکی کو اٹھا کر گھر لے آؤ، کچھ تو گڑ بڑ ہے؟“

”پاپا!“ وہ زچ ہو گیا، فورک پلیٹ میں رکھا اور پلیٹ پیچھے کھسکا دی۔

”کیا چاہتے ہیں آپ؟“

”یہی کہ میں اور کتنا کریدوں؟ تم خود ہی اگل دو۔“ وہ شرارت سے مسکرائے تھے، شائی وانگ نے بے چینی سے پہلو بدلا، نوفل بھی جیسے ہار سا گیا، خاصی بے چارگی سے مسکرایا تھا۔

”ہاں، اچھی لگتی ہے مجھے۔“ اس نے جرم قبول کر لیا، وہ زور سے ہنس دیئے۔

”چلو تم مانے تو سہی، ویسے کیا اچھا لگا تمہیں؟“ انہوں نے تجسس سے پوچھا۔

”اس کے لمبے بال۔“ وہ شائی وانگ کی طرف دیکھتا مسکرایا تھا، وہ پزل ہو گئی۔

”صحیح جگہ پھنسے ہو یار۔“ انہوں نے داد دینے والے انداز میں کہا۔

”لیکن ابھی میں سنجیدہ نہیں ہوں۔“ نوفل نے کہا، وہ ٹھٹک گئے۔

”کیا مطلب؟“

”ابھی میں خود کو تیار نہیں پاتا کہ کوئی انگیج منٹ یا میرج...... تو...... ابھی نہیں۔“ اس نے شانے اچکائے۔

”کیا ہو گیا ہے تمہیں نوفل؟ لڑکی اچھی ہے، اتنا کیوں سوچ رہے ہو؟“ وہ حیران ہوئے تھے۔

”نو پاپا! میں نے کہا نا ابھی نہیں، میں اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا، مجھے نہیں تا اس کا ماضی کیا ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ آگے کیا ارادے ہیں؟ میں آنکھ بند کر کے تو اندھے کنوئیں میں چھلانگ نہیں لگا سکتا نا۔“ اس نے تفصیل سے کہا۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میرا بیٹا اتنا Rational ہو سکتا ہے؟“ وہ بے یقینی سے بڑبڑائے۔

”آپ کو یقین کر لینا چاہیے۔“ وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

”میرا خیال ہے میرا تجربہ، مشاہدہ اور عمر تم سے کچھ زیادہ ہی ہے اور اس کی معصومیت تو اس کی روشن پیشانی سے ہی ظاہر ہے۔“ انہوں نے جتایا۔

”دنیا میں چہرے سب سے بڑے دھوکہ باز ہوتے ہیں پاپا۔“ وہ خفیف سا مسکرایا۔

”اچھا بھئی تم جیتے میں ہارا، مجھے کیا پتا کہ مجھ سے الگ رہ کر دو اور دو چار کرتے میرا بیٹا اتنا گھاگ بزنس مین بن چکا ہے۔“ وہ عاجز سے آ گئے تھے خاصے جل کر بولے، وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

”کم آن پاپا! اچھا چلیں میں جلد ہی کوئی فیصلہ لے لوں گا۔“ اس نے تسلی دی تو صدیق نے بھی سکون کا سانس لیا۔

”تم لوگ کیا باتیں کر رہے ہو؟“ شائی وانگ اس کے خاموش ہوتے ہی خاصی بے چارگی سے بولی۔

”کچھ نہیں ہم کچھ گھریلو حالات ڈسکس کر رہے ہیں۔“ نوفل نے قدرے لاپرواہی سے کہا، اس نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلا دیا۔

”اگر تم بات ختم کر چکے ہو تو میں کچھ کہوں؟“ اس نے کہا۔

”ہاں بولو۔“ نوفل نے چونک کر کہا۔

”میں جاب کرنا چاہتی ہوں۔“ اس نے نظریں نیچی کر کے خاصے عاجزانہ انداز میں کہا۔

"جاب؟" نوفل نے حیرانی سے اس کا منہ دیکھا اور صدیق نے نوفل کا منہ دیکھا۔

"ہاں میں مزید تم پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔" اس نے شرمندگی سے کہا۔

"کیا اب تمہیں باہر خطرہ نہیں ہے؟" نوفل نے تیز لہجے میں کہا، پتا نہیں کیوں اسے بے حد غصہ آیا تھا۔

"وہ تو ہے مگر...... ایسا کب تک چلے گا؟" وہ ہچکچا گئی۔

"اوکے دیٹس فائن، کس قسم کی جاب کرنا چاہتی ہو تم؟ کیا ایجوکیشن ہے تمہاری؟" وہ خود پہ قابو پا چکا تھا۔

"میں نے کامرس پڑھی ہے۔" اس نے بتایا۔

"آفس ورک کر سکتی ہو؟" نوفل نے چونک کر پوچھا، اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے تم کل سے میرے ساتھ آفس چل رہی ہو۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا، اس کے ساتھ ساتھ صدیق بھی چونک گئے۔

"تمہارے آفس؟" وہ حیران ہوئی۔

"تم نے خود ہی تو کہا کہ تم آفس ورک کر سکتی ہو۔" وہ جھلا گیا۔

"لیکن کیا تمہارے آفس میں کوئی سیٹ خالی ہے؟" وہ پوچھنے لگی۔

"تمہیں اس کی فکر نہیں کرنی چاہیے، اگر نہیں بھی ہے تو بھی نکل آئے گی اور کچھ نہیں تو کم از کم میری سیکرٹری تو بن سکتی ہو یا نہیں؟" وہ سنجیدگی سے بولتا آخر میں مسکرایا تھا، وہ بھی مسکرا دی اور مسکراتے ہوئے اس کے ہموار چمکدار دانت بڑے بھلے لگ رہے تھے۔

"شکریہ نوفل۔"

"اس کی ضرورت نہیں، اس سے تمہیں سکیورٹی بھی مل جائے گی۔" وہ مطمئن سا بولا تھا، اس نے زور سے سر ہلا دیا، خوشی اس کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی، سنہری بالوں کے ہالے میں سجا وہ چہرہ بڑا دلکش و دلربا تھا اور اس پل نوفل کو اپنے دل سے بڑا قریب محسوس ہوا تھا۔

☆☆☆

ایاز نے کافی پھینٹتے ہوئے نظر لاؤنج میں دوڑائی جہاں شاہ بخت صوفے پہ نیم دراز ریموٹ پکڑے چینل سرچنگ کر رہا تھا، وہ آج ہی ایاز سے ملنے آیا تھا، بنیادی طور پر اس کا نیو یارک کا ٹور صرف گیارہ دن کا تھا مگر اب اس نے اپنا قیام مزید بڑھا دیا تھا، ایاز نے کافی تیار کی اور اس کی طرف چلا آیا۔

"پاکستان کب آ رہے ہیں آپ؟" شاہ بخت نے سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کبھی بھی نہیں۔" ایاز نے بے ساختگی سے کہا، شاہ بخت بے اختیار چونکا۔

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں ابھی تو میرا کوئی موڈ نہیں۔" ایاز نے سنبھل کر کہا اور کافی کا مگ اس کی طرف بڑھایا۔

"کیوں؟" وہ حیران ہوا۔

"وہاں آ کر کیا کروں گا میں؟ میری جاب سیٹ ہے یہاں۔" اس نے لاپرواہی سے کہا۔

"آپ بین بھابھی کو نہیں بلا رہے؟" اس نے کافی کا گھونٹ لیا۔

"کیوں؟ مجھے اسے یہاں بلانا تھا؟" وہ بھنویں اچکا کر بولا۔

"کیا مطلب؟ وہاں تایا جان تو تیار بیٹھے ہیں بین بھابھی کو یہاں بھجوانے کے لئے۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے، کیا بین نے تم لوگوں کو بتایا نہیں، میں اسے چھوڑ رہا ہوں۔" وہ قطعیت سے بولا، شاہ بخت کے سر پہ جیسے پورے اپارٹمنٹ کی چھت آ پڑی، کافی کا مگ اس کے ہاتھ میں لرز گیا۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں ایاز بھائی؟ آپ اتنا انتہائی فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں؟" وہ ششدر سا بول رہا تھا۔

"میں بالکل درست کہہ رہا ہوں بخت، ہر انسان کو اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا حق ہے اور یہ حق تو پہلے دن ہی طے ہو گیا تھا کہ میں اسے چھوڑ دوں گا۔" وہ بڑے سکون سے بولا اور اس کے لہجے میں موجود لاپرواہی نے بخت کا دماغ گھما سا دیا۔

"طے ہو چکا تھا؟ کیا طے ہو چکا تھا، آپ اتنا بڑا فیصلہ کر چکے ہیں، اس کے پیچھے ریزن کیا ہے مجھے وہ بتائیں؟" وہ سرد لہجے میں بولا، ایاز نے بغور اس کے بدلتے تاثرات دیکھے اور ہنس دیا۔

"تمہارا پروفیشن تمہیں کافی براڈ مائینڈڈ شو کرتا ہے بخت۔"

"دیٹس ناٹ مائے پروفیشن۔" وہ تیکھے انداز میں بولا۔

"چلو جو بھی ہے لیکن تم کنزرویٹو ہو رہے ہو؟" اس نے تنقید کی۔

"ایک معصوم، بے خطا لڑکی کو اپنا کر یوں بنا کسی وجہ کے چھوڑ دینا اگر آپ کی لبرٹی شو کرتا ہے تو میں کنزرویٹو ہی ٹھیک ہوں۔" اس کا لہجہ سرد تھا۔

"میں اسے پسند نہیں کرتا، وہ میرے معیار پر پوری نہیں اتری، اسی لئے میں اسے چھوڑ رہا ہوں کیونکہ میں اپنی زندگی سمجھوتوں کی نظر نہیں کر سکتا۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"اور کیا ہے "معیار" آپ کا؟" اس نے طنز کیا۔

"بس کرو شاہ بخت! میں تمہیں جوابدہ نہیں ہوں۔" ایاز کا ٹمپر لوز ہو گیا۔

"میں جانتا ہوں۔" بخت نے لب بھینچے۔ "ورنہ پوچھ تو تم سے میں بھی یہ سکتا ہوں کہ تم نے کس بنا پر رمشہ کو ریجکٹ کیا ہے، پورے گھر میں سب سے زیادہ انڈر اسٹینڈنگ تمہاری اس کے ساتھ ہے، کیا کمی ہے اس میں؟" ایاز نے الٹا وار کیا، شاہ بخت خاموشی سے اسے گھورتا رہا۔

"پہلی بات تو یہ کہ میں اتنا بزدل نہیں ہوں، جو ماں باپ کے ڈر سے اس سے شادی کر لوں اور بعد میں اسے چھوڑ دوں، میں نے صاف انکار کیا ہے بھائی کے سامنے اور دوسری بات کہ کیوں کیا ہے؟ تو وہ وجہ تو آپ کو دینا پسند نہیں کرتا۔" بخت نے بھی صاف گوئی کی حد کر دی، ایاز کے لبوں پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ آ گئی۔

"تو پھر یہاں مجھے کیا مورل ویلیوز سکھانے آئے ہو؟"

"نہیں...... لیکن ذرا سوچئے اگر کوئی یہ سب آپ کی بہن کے ساتھ کرے تو پھر؟" بخت کی بات نے جیسے ایاز کو تڑپا کر رکھ دیا تھا۔

"شٹ اپ...... جسٹ شٹ اپ، دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ دھاڑا تھا، بخت اٹھ گیا۔

"میں جا رہا ہوں لیکن آپ کو ایک بات بتاؤں؟ آپ جیسے خود غرض لوگوں کی وجہ سے ہی اس زمین کی فضا اتنی آلودہ ہے۔" اس نے تنفر سے کہا اور باہر کی سمت قدم بڑھا دیئے۔

☆☆☆

تیمور اس وقت آفس میں تھے جب انہیں حبا کے کالج سے کال کیا گیا، وہ از حد پریشانی کے عالم میں گویا اڑتے ہوئے وہاں پہنچے تھے اور اس

وقت پرنسپل کے سامنے براجمان تھے۔

''تیمور صاحب! آپ کی بچی حبا ہمارا اثاثہ ہے، ہمارا فخر ہے، وہ پوزیشن ہولڈر ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ وہ اس کو برقرار بھی رکھے، پچھلے ٹیسٹ کی رپورٹ بے حد شاندار تھی، میرا خیال تھا کہ اس بار بھی ایسا ہی ہوگا۔'' انہوں نے خاصے دل دہلا دینے والے انداز میں بات شروع کی تھی، یہاں تک بول کر وہ چپ ہوئیں اور اپنے سامنے پڑی فائل کھول لی۔

''یہ دیکھیں اس ٹیسٹ کی رپورٹ۔'' انہوں نے فائل تیمور کی جانب سرکائی، انہوں نے بغور فائل پہ نظریں دوڑانی شروع کر دی، چند لمحوں بعد ہی ان کے ماتھے پہ پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے، حبا بے حد برے طریقے سے فیل تھی۔

''یہ اتنا..... فرق کیسے؟'' وہ خاصے پریشان ہوئے تھے۔

''میں بھی آپ سے یہی ڈسکس کرنا چاہتی ہوں، وہ یہاں بڑی خاموش طبع سے رہتی ہے، زیادہ گھلتی ملتی نہیں ہے کسی سے، ایک آدھ کلاس فیلو سے ہی شاید اس کی گپ شپ ہے، مجھے آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ کیا آپ کی فیملی میں کوئی کرائسس چل رہا ہے؟'' انہوں نے تفتیشی انداز میں کہا۔

''جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔'' انہیں اچھا نہ لگا۔

''دیکھیں آپ برا مت مانیں، بعض اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ فیملی لائف ڈسٹرب ہونے کی وجہ سے بچہ صحیح طریقے سے پڑھ نہیں پاتا، کیا وہ کسی ٹیوٹر سے پڑھتی ہے؟'' ان کا لہجہ وضاحتی تھا، تیمور لب کچل کر رہ گئے، ذہن میں فوراً اسید کا نام ابھرا تھا۔

''میں ٹھیک سے نہیں جانتا، مگر میں آپ کو چند دنوں میں Betterment کا وعدہ دیتا ہوں۔'' انہوں نے خود کو ریلیکس کرتے ہوئے کہا۔

''Now its own your ease

(اب یہ آپ کی آسانی پر مشتمل ہے)۔'' انہوں نے شانے اچکائے۔

تیمور نے سر ہلا دیا، کچھ مزید ڈسکشن کرنے کے بعد وہ اٹھے تو ان کا دماغ اچھا خاصا گھوما ہوا تھا، وہ واپس آفس چلے گئے، سہ پہر میں انہوں نے گھر فون کر کے حبا کو تیار رہنے کا کہا۔

ایک خوشگوار شام میں وہ اسے لے کر ''چھتر پارک'' آ گئے، گاڑی پارک کرنے کے بعد انہوں نے باہر نکلتے ہوئے حبا کو بغور دیکھا، وہ اس وقت سرخ شلوار قمیض میں ملبوس تھی، سانولی رنگت اور عام سے نین نقش، وہ بالکل تیمور احمد کی کاپی تھی، کوئی بھی انہیں دیکھ کر باپ بیٹی Consider کر سکتا تھا، ان کے ذہن میں یک بیک مرینہ اور اسید آ گئے۔

کہاں وہ ماں بیٹا، خوبصورتی اور وجاہت کے سارے استعاروں اور تشبیہوں پر پورا اترتے تھے۔

کہاں اس وقت انہیں اپنی عام صورتی بے حد کھلی، یوں جیسے لمبے چوڑے اسید کے سامنے حبا کا وجود کچھ اور بونا ہو گیا ہو۔

''حبا!'' وہ چلتے چلتے چونک گئی۔

''ایک بات یاد رکھنا بیٹا! بدصورت لوگ، خوبصورت لوگوں کے ساتھ نہیں چل سکتے۔'' ان کا لہجہ بڑا گہرا تھا۔

حبا کے لب لرز اٹھے اور آنکھیں پھیل گئیں اور ان پھیلی آنکھوں میں ایک درد بھرا احساس کتنی کروٹیں لے رہا تھا۔

''آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں پاپا!'' اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''یہ زندگی کی سب سے بڑی سچائی ہے اور اسے جتنی جلدی تسلیم کر لو اتنی ہی زیادہ اذیت سے بچ جاؤ گی۔'' انہوں نے ناصحانہ انداز اختیار کیا، وہ یکدم ہنس پڑی، اس کی ہنسی میں ٹوٹی کرچیوں کی کھنک تھی۔

''آپ ایسا مت کہیں پاپا! بالکل مت کہیں، کیا آپ کو پتا ہے وہ کون ہے جس نے حبا کو زندگی کے احساس سے روشناس کرایا، کیا آپ کو پتا ہے وہ تھا جس نے حبا کو شکل وصورت کے کمپلیکس سے نکالا، وہ کون ہے جو روتی ہوئی حبا کو ہمیشہ ہنسا دیا کرتا ہے، کیا آپ جانتے ہیں میری پسند ناپسند کے بارے میں بھی نہیں جانتے ہیں، کیا آپ کو میرے فیورٹ ایکٹرز، کرکٹرز اور آئیڈیلز کا پتا ہے؟'' وہ سانس لینے کو رکی، تیمور پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہے تھے۔

''آپ کو پتا ہے اسید میرے لئے کیا ہے؟ وہ اسید ہی ہے پاپا جس نے حبا کو زندگی کا احساس بخشا، وہ اسید ہے جس نے مجھ جیسی بیک بنچ کو پوزیشن ہولڈر بنایا، وہ اسید ہے پاپا جس نے مجھے شکل وصورت کے کمپلیکس سے باہر نکالا، یہ وہی ہے جس نے ہمیشہ میری سوچ، میرے کردار اور زبان کی ہمیشہ حفاظت کی، کبھی مجھے بدتمیز نہیں بننے دیا، کبھی میری سوچ کو نیگیٹو نہیں ہونے دیا، جانتے کتنا ہیں آپ میرے اور اسید کے بارے میں؟'' وہ بول نہیں رہی تھی بلکہ آگ اگل رہی تھی، تیمور احمد کو جیسے کسی نے جلتے ہوئے الاؤ میں پھینک دیا تھا۔

''بس کرو حبا۔'' ان کا ہاتھ بے اختیار اٹھا اور حبا کے گال پہ نشان چھوڑ گیا۔

''سچ کو برداشت کرنا سیکھیں پاپا۔'' وہ گال پر ہاتھ رکھے بڑے زہریلے لہجے میں بولی تھی۔

''سچ؟ کون سا سچ؟ کیا رشتہ ہے تمہارا اس کے ساتھ؟'' وہ سختی سے اس کا بازو دبوچ کر بولے تھے، وہ بے ساختہ ہنس دی، بڑی تلخ ہنسی تھی اس کی۔

''بس...... ساری زندگی اسی دائرے میں چکراتے رہیے گا، رشتہ...... رشتہ؟ کون سا رشتہ؟ کیسا رشتہ؟ بس اسی بھنور میں پھنسے رہیے گا۔'' وہ بڑی دل برداشتگی سے بولی تھی، تیمور چند لمحے اسے سرخ آنکھوں سے گھورتے رہے پھر تیزی سے واپس مڑ گئے، حبا بھی ان کے پیچھے ہو لی، واپسی کے سارے رستے دونوں کے درمیان مزید کوئی بات نہیں ہوئی تھی، گاڑی گیٹ پہ روکتے ہوئے انہوں نے حبا کو مخاطب کیا تو لہجہ حد درجہ سرد اور قطعیت بھرا تھا۔

''آج سے تمہیں پڑھانے کے لئے ٹیچر نائلہ آ رہی ہیں، تم تیار رہنا۔'' حبا خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی البتہ اس کی آنکھوں سے شدید بے چینی عیاں تھی، پھر وہ کچھ بھی کہے بغیر دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

☆☆☆

گھر میں کوئی بھی نہیں تھا، مرینہ کسی اپنی دوست کی طرف گئی ہوئی تھیں جبکہ اسید کا کچھ پتا نہ تھا۔

وہ خاموشی سے چائے کا مگ لے کر لاؤنج میں آ بیٹھی، بے وجہ ایک سے دوسرا چینل بدلتے اس کا ذہن قطعی حاضر نہیں تھا، اسے تیمور کے اس اچانک فیصلے کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی، البتہ ایک امکان موجود تھا کہ وہ اس کے رزلٹ سے آگاہ ہو گئے ہوں مگر پتا نہیں کیوں اسے یہ امکان اتنا درست نہ لگ رہا تھا، رزلٹ تاحال اسے نہیں ملا تھا تو تیمور کو کیسے خبر ہو سکتی تھی، مگر اسے یہ یقین

ضرور تھا کہ اس کا رزلٹ بے حد خراب ہے، یہ بھی ممکن تھا کہ انہوں نے ویسے ہی کسی ٹیچر کو ہائر کر لیا ہو، یہی باتیں سوچتے اس کا ذہن اسید کی طرف چلا گیا، ایک درد کی لہر تھی جو جسم و جاں کو چھیدتی چلی گئی، وہ تو حبا سے یوں انجان بن گیا تھا جیسے جانتا ہی نہ ہو اور کوئی حبا سے پوچھتا جو دن رات اذیت کے انگاروں پہ لوٹ رہی تھی، یہ تو اس کا مصمم ارادہ کیا ہوا تھا کہ اسے ہر حال میں اسید سے اپنا رشتہ استوار کرنا تھا اب یہ رشتہ دوبارہ کیسے بنانا تھا یہ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

وہ اسی مخمصے میں پڑی تھی، جب اس نے لاؤنج کا دروازہ کھول کر اسید کو اندر آتے دیکھا اس کا دل تیزی سے دھڑکا اور ہاتھ میں تھا مگ لرز گیا۔

''السلام علیکم ماما!'' وہ بلند آواز میں بولتا ہوا اندر آیا مگر حبا کو اکیلا بیٹھا دیکھ کر وہیں سے اپنے کمرے کی طرف مڑ گیا، اپنے نوٹس بیگ کو دائیں ہاتھ سے بائیں میں منتقل کرتے ہوئے وہ دروازہ کھول کر اپنے کمرے میں داخل ہو گیا، حبا پلکیں جھپکائے بنا اسے دیکھتی رہی، وہ اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر چکا تھا۔

دل سلگتا ہے میرا سرد رویے سے تیرے
دیکھ اس برف نے کیا آگ لگا رکھی ہے

وہ ہر شخص سے یہ توقع کر سکتی تھی کہ وہ اسے دکھ پہنچا سکتا ہے یہاں تک کہ تیمور اور مرینہ سے بھی مگر اسید...... اسید سے اس نے کبھی یہ توقع نہ کی تھی، اسید تو وہ تھا جو اسے اتنی گہرائی سے جانتا تھا، وہ کیسے بھول گیا کہ وہ اس کی ناراضگی نہیں سہہ سکتی، وہ کیسے بھول گیا کہ وہ حبا تیمور ہے جو کبھی اس سے دور نہیں رہ سکتی، حبا کی حالت تو اس نشہ باز کی مانند تھی جس سے اس کا نشہ چھن گیا ہو اور اب اسی کی طرح اپنا وجود نوچنے پہ اتر آئی تھی۔

وہ بمشکل اٹھی، کچن میں جا کر اسید کے لئے چائے تیار کی، کھانا گرم کیا اور ٹرے سیٹ کر کے لے آئی، حسب عادت اس نے دروازہ ناک نہیں کیا تھا، سیدھا اندر جا کر اس کی نظر اسید سے ٹکرائی جو ابھی ابھی باتھ سے باہر آیا تھا، گیلے بال اور دھلا دھلایا چہرہ، حبا کی نظروں میں پیاس در آئی، اس نے بمشکل نظر چرائی اور ٹرے سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دی، وہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کیے بال بنانے میں مصروف ہو گیا۔

حبا خاموشی سے دیوار سے پشت ٹکائے اسے دیکھ رہی تھی، وہ اب جیل کی مدد سے بال سیٹ کر رہا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے اسید تم میرے ساتھ اس طرح کا بی ہیو کرو گے تو میں پیچھے ہٹ جاؤں گی؟ ہار مان لوں گی؟'' حبا کا لہجہ رو دینے والا تھا۔

اسید اس کو نوٹس کیے بغیر اپنے کام میں مصروف تھا یوں جیسے وہاں کوئی موجود ہی نہ ہو، بالوں کو بنانے کے بعد وہ ہاتھ دھونے چلا گیا، کچھ دیر بعد وہ واپس آیا اور بیڈ پہ پڑا اپنا والٹ اٹھا کر جیب میں ٹھونسنے لگا، پھر اس نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی جیسے کسی خاص چیز کی تلاش میں ہو، پھر اسے رائٹنگ ٹیبل پر اپنی مطلوبہ چیز نظر آ گئی، اس نے آگے بڑھ کر بلیک سن گلاسز اٹھا لیے، مطمئن ہو کر نظر دوبارہ کمرے میں دوڑائی، پھر تسلی سے باہر کی سمت چل دیا، حبا ہکا بکا سی اسے دیکھ رہی تھی، اس نے حبا کی لائی ہوئی ٹرے کو چھونا تو در کنار دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا تھا، اس کے باہر کی سمت جاتے قدم حبا کو دل پر پڑتے محسوس ہو رہے تھے۔

☆☆☆

شاہ بخت کی ایک فون کال نے مغل ہاؤس کی دیواریں ہلا دیں تھیں، احمد تایا، احمر چچا اور طارق چچا کی وقار کے ساتھ کمرہ بند میٹنگ ہوئی گھنٹوں تک جاری رہی مگر بے فائدہ، وہ سب بھی اس مسئلے کا حل ڈھونڈنے میں ناکام تھے، مسئلہ؟

''ایاز مغل، سبین کو چھوڑ رہا تھا۔''

رات کا کھانا بے حد خاموشی اور ٹینس ماحول میں کھایا گیا تھا، کھانے کے بعد تایا ابو نے ایک سب کو اپنے کمرے میں طلب کر لیا، اب کی تائی زیتون، نبیلہ چچی اور نیلم چچی کے ساتھ سبین بھی شامل تھیں، سبین تو اس غیر متوقع [illegible] پر از حد حیران اور قدرے خوفزدہ تھی۔

''سبین بیٹا! ایاز نے تم سے کوئی بات کی؟'' تایا جان کا لہجہ نرم تھا۔

''کس سلسلے میں تایا جان؟'' وہ حیران [illegible]

''اس نے شاہ بخت سے کہا ہے کہ وہ [illegible] کرنا چاہتا ہے۔'' انہوں نے کھوجتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے تلخی سے کہا، سبین کا رنگ [illegible] طور پر اڑ گیا، اس نے کپکپاتے لبوں سے [illegible] کہنا چاہا پھر اس پر یہ خوفناک انکشاف ہوا کہ [illegible] کے پاس اس بات کو رد کرنے کے لئے ایک [illegible] دلیل نہیں تھی، اس کا سر جھک گیا، احمد تایا نے [illegible] جہاندیدہ اور پرسوچ نظروں سے اسے [illegible] وہ کسی حد تک اس کا جواب جان گئے [illegible]

''سبین! بھائی جان آپ سے کچھ پوچھ رہے ہیں؟'' احمر چچا کا لہجہ سخت ہوا تھا، سبین کا سر اور جھک گیا۔

''سبین کیا یہ سچ ہے؟'' نبیلہ چچی بے چینی [illegible] پاس بیٹھی پوچھ رہی تھی، ان کا دل خدشوں سے لرز رہا تھا۔

''میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے؟ کیا تمہاری اس کے ساتھ سیٹل منٹ تھی کہ وہ تمہیں چھوڑ دے گا؟'' ان کا لہجہ بلند ہو گیا۔

سبین نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کی بند آنکھوں سے آنسو گرنے لگے، طارق چچا نے طویل سانس لے کر حاضرین کو دیکھا۔

''وقار! ایاز کا نمبر ملاؤ۔'' انہوں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

وقار نے چونک کر انہیں دیکھا اور پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ایاز کا نمبر ڈائل کرنے لگا، بیل جا رہی تھی اس نے فون ملا کر اسپیکر آن کیا اور ٹیبل پہ رکھ دیا، کچھ دیر بعد کال اٹھا لی گئی۔

''ہیلو۔'' اس کی بڑی مصروف سی آواز آئی تھی۔

''کیسے ہو برخوردار؟'' تایا جان ہنکارا بھر کر بولے، دوسری طرف چند ثانیوں کے لئے خاموشی رہی۔

''میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں تایا جان؟'' بڑی معتدل سی آواز میں کہا گیا۔

''کرم ہے مالک کا۔''

''گھر میں سب کیسے ہیں؟'' وہ شاید فارمیلٹی پوری کر رہا تھا۔

''بھئی یہ بخت کے ساتھ تمہاری کیا بات ہوئی؟'' اب کی بار ان کا لہجہ کسی بھی قسم کی رعایت سے عاری تھا، دوسری طرف مہیب خاموشی چھا گئی، سبین کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔

''اس کے ساتھ تو میری بہت سی باتیں ہوئی تھیں، آپ کون سی بات پوچھ رہے ہیں؟'' اس کے بے نیازانہ لہجے نے احمر چچا کو مشتعل کر دیا۔

''ہم تم سے سبین کی بات کے متعلق جاننا چاہ

رہے ہیں۔"

"اوہ...... تو اس کا مطلب ہے سبین نے آپ کو کچھ نہیں بتایا۔" وہ حیران سا کہہ رہا تھا، سبین کا دل چاہا وہ اٹھ کر بھاگ جائے، اس کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔

"میں تم سے جاننا چاہتا ہوں۔" احمر چچا کا لہجہ سرد اور بے مہر تھا۔

"آل رائیٹ، بہت زیادہ کچھ نہیں ہے بتانے کو I just want separation (میں صرف علیحدگی چاہتا ہوں)۔" اس کا انداز بھی باپ جیسا تھا۔

"وجہ؟" وہ دھاڑے۔

"میں اسے پسند نہیں کرتا۔" وہ اسی طرح پرسکون تھا۔

"یہ بات تمہیں اب یاد آئی ہے؟" وہ بدستور بلند آواز میں بولے تھے جب وقار نے ان کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر انہیں پرسکون کرنا چاہا۔

"نہیں مجھے پہلے بھی یاد تھی۔" وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

"ایاز! تمہیں اندازہ ہے تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم اس فیصلے کے نتائج جانتے ہو؟" اب کی بار وقار نے مداخلت کی تھی۔

"اوہ! تو آپ بھی موجود ہیں، مجھے سمجھ لینا چاہیے تھا کہ جب کال آپ کے نمبر سے آ رہی ہے تو ایسا کیونکر ممکن ہے کہ آپ موجود نہ ہوں۔" ایاز نے گہرا طنز کیا تھا، وقار کے لب بھینچ گئے۔

"دیکھو ایاز! تم جذباتی ہو رہے ہو، اتنی انتہا پر اترنے کی ضرورت نہیں ہے تم ٹھنڈے دماغ۔" وقار نے نرمی سے اسے سمجھانا چاہا، ایاز نے برہمی سے اس کی بات کاٹی۔

"ایکسکیوزمی! مجھے یہ بتائیں اگر یہی فیصلہ شاہ بخت کرتا تب آپ کیا کرتے؟" ایاز استہزائیہ اور نوکیلا تھا، کمرے میں موت کا تھا۔

"اس کا یہاں کیا سوال؟" وقار حیر گیا۔

"میں آپ کو بتاتا ہوں آپ کیا کر آپ اس کی فیور میں زمین آسمان کے قلا دیتے۔" وہ چبا چبا کے بولا تھا۔

"حد سے مت بڑھو ایاز!" اس بار تایا بولے تھے۔

"میں حد سے نہیں بڑھ رہا تایا جان صرف یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ انص کرنا سیکھئے۔"

"کون سی نا انصافی ہوئی ہے تمہار ساتھ؟" وہ بھڑک گئے۔

"یہ نا انصافی ہی تو ہے، سبین سے ش سے تو میں نے بھی انکار کیا تھا مگر میرے ا کسی نے اہمیت نہیں دی، اس کے برعکس بخت کی سب کو کتنی فکر ہے، کوئی اس سے نہیں پوچھتا کہ وہ رمشہ سے شادی کیوں نہیں چاہتا؟" وہ زہر خند لہجے میں بولا تھا، ایک کے لئے سناٹا چھا گیا، پھر احمر چچا بولے۔

"دیکھو ایاز بیٹا! مسئلے ایسے حل نہیں جاتے، تمہیں جو بھی اعتراضات ہیں وہ مل حل کیے لیتے ہیں، تعلقات بہت مشکل ہیں اور انہیں ٹوٹتے چند سیکنڈ سے زیادہ لگتے۔" ان کا لہجہ معتدل تھا شاید وہ جان کہ وہ ضد پہ اترا ہوا ہے، جس کی مہار ذرا کھینچ جاتی تو وہ وہیں اڑ جاتا جبھی وہ اسے مار مارنا چاہتے تھے۔

"ایکسکیوزمی تایا جان! تعلق ٹوٹنے وہاں ہوتا ہے جہاں تعلق ہو، میرا سبین تعلق نہیں ہے۔" اس کے سفاک الفاظ نے سبین کے چہرے پہ زردی کھنڈ دی۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" ان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"آپ تو تجربہ کار اور جہاں دیدہ ہیں بابا جان، یہ صرف کاغذی شادی ہے۔" اس کا انداز پرسکون تھا۔

سبین کو لگا اس کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی ہو، اس نے ہراساں نظروں سے سب پر نظر دوڑائی جہاں پر کوئی ٹیبل پر پڑے سیل فون کو یوں گھور رہا تھا گویا وہ ایاز ہو۔

"کیا مطلب؟" تایا جان نے مداخلت کی تھی، ان کی آنکھیں سلگ اٹھی تھیں۔

"میرا سبین کے ساتھ کسی قسم کا ازدواجی تعلق نہیں ہے تایا جان۔" اس نے بم پھوڑا تھا۔

"اور آپ جیسے مذہبی انسان اتنا تو جانتے ہی ہوں گے کہ جس لڑکی کے ساتھ کوئی تعلق نہ بنایا گیا ہو اس پر تو طلاق کی عدت بھی عائد نہیں کی جا سکتی۔" وہ کہہ رہا تھا اور سبین کو لگ رہا تھا کہ صور پھونکا جا رہا ہو، سب کی نظریں اب اس پر مرکوز ہو گئیں تھیں، چبھتی ہوئی حیران اور ترحم بھری نظریں، سبین کو لگ رہا تھا کسی نے بھرے مجمع میں اس کے سر سے چادر کھینچ لی ہو، اس کا دل چاہا وہ وہاں سے غائب ہو جائے۔

"ایاز! تم...... تم...... کیا......؟" تایا جان دکھ، صدمے اور حیرت سے بات ہی مکمل نہ کر پائے تھے۔

"میں نے کسی قسم کی غلط بیانی نہیں کی، آج بات کھل گئی ہے تو میں اس مسئلے کو ختم کر دینا چاہتا ہوں، میں سبین کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔" اس کا انداز پرسکون اور فیصلہ کن تھا۔

"تم ایسا نہیں کرو گے۔" احمر چچا نے تیزی سے کہا۔

"میں ایسا ہی کروں گا۔" وہ بھی دوبدو بولا تھا۔

"میں تمہیں عاق کر دوں گا، ساری زندگی شکل نہیں دیکھوں گا تمہاری۔" وہ طیش سے چلا اٹھے تھے۔

"بصد شوق۔" وہ طنزیہ ہنسا۔

"میں تو آتے ہوئے یہ مسئلہ حل کر کے آنا چاہتا تھا مگر یہ سبین کی ہی ریکوئسٹ تھی کہ میں چند ماہ رک جاؤں، ورنہ یہ فیصلہ تو کب کا ہو چکا ہوتا، تب میں نے یہ سوچا کہ شاید وہ اپنے لئے راہ ہموار کرنا چاہتی ہو، آپ سب کو ذہنی طور پر تیار کرنا چاہتی ہو مگر مجھے تو اب یہ سمجھ آئی ہے کہ وہ بے وقوف کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنا چاہتی تھی، خیر ابھی اتنی بھی دیر نہیں ہوئی اور بے فکر رہیے آپ سب لوگ، میرے پیروں میں رشتوں کی زنجیریں اتنی مضبوط نہیں ہیں جو میری اڑان کے راستے میں رکاوٹ ثابت ہو سکیں۔" وہ بولتا چلا گیا، سبین جو اب تک سانس روکے بیٹھی تھی یکدم ہوش میں آ گئی۔

"خدا کے لئے ایاز! ایسا مت کریں، خدا کے لئے۔" وہ التجائیہ انداز میں کہتی رونے لگی، دوسری طرف وہ چند لمحوں کے لئے خاموش رہ گیا، شاید اسے توقع نہیں تھی کہ وہ بھی یہاں موجود ہو گی۔

"سبین! لیٹ می ٹیل تم اور میں دو مختلف دنیا کے لوگ ہیں، ہمارے مزاج الگ ہیں اور منزلیں جدا، ہم ایک نہیں ہو سکتے اور سنو، میرے فیصلے میں قطعی کوئی گنجائش نہیں ہے۔" وہ پھر سے سرد اور بے مہر ہو چکا تھا۔

"میں پیپرز تیار کروا چکا ہوں، چند دنوں بعد تمہیں مل جائیں گے۔" کھٹاک سے فون بند

ہوا اور اس کے ساتھ ہی سبین کا دل بھی کمرے میں خنکی یکدم بڑھ گئی تھی، حالانکہ موسم ابھی گرم تھا، اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں اور ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے، اس نے اپنی جگہ سے اٹھنا چاہا مگر ٹانگوں نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

''تو بالآخر آج فیصلہ ہو گیا سبین احتشام! آج تم اپنے U topia (خیالی دنیا) سے باہر آ گئیں، آج تمہیں سمجھ آ گئی کہ لوگوں سے رحم کی بھیک مانگنے والا رب کی بارگاہ میں ناکام قرار پاتا ہے، تم خاکی پتلوں میں خدائی وصف ڈھونڈتی رہی سبین احتشام اور آج رب نے تمہیں اپنے پتلوں کے آگے ذلیل کر دیا۔'' یہ کوڑے مارتی آواز پتا نہیں کہاں سے اٹھ رہی تھی، اس کی آنکھوں کے گرد چھائی تاریکی گہری ہونے لگی۔

کمرے سے اٹھتی آوازیں اب معدوم ہو کر مکھیوں کی بھنبھناہٹوں میں بدل رہی تھیں۔

''کاش وہ اب کبھی نہ جاگے۔'' حواس کھوتے ہوئے اس نے آخری الفاظ سوچے تھے۔

☆☆☆

ریسٹورنٹ میں ڈنر کرتے ہوئے نوفل نے اپنے سامنے بیٹھی اس اپسرا کو دیکھا جس کے حسن میں کوئی کمی نہیں تھی، وہ اپنے لمبے بالوں کو اونچے سے جوڑے کی شکل میں سمیٹے ہوئے تھی اور خلاف معمول آج ایک خوبصورت پنک کلر کے ایوننگ گاؤن میں ملبوس تھی، ڈانسنگ فلور پر ایک خوبصورت تھائی دھن بج رہی تھی اور فلور پر موجود رقاصائیں روائی تھائی ملبوسات میں ملبوس تھیں جو کہ انہیں سر سے لے کر پیر تک کور کیے ہوئے تھے صرف ان کے ہاتھ اور چہرے کھلے ہوئے تھے۔

''مجھے یہ دھن بہت پسند ہے۔'' وہ ہاتھ میں مشروب کا گلاس تھامے ہلکے ہلکے سپ ... تھی، نوفل نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''میں کچھ کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ ... سی ہو رہی تھی، اس کے موی ہاتھوں کی ... میں گلاس پریشان نظر آتا تھا۔

''کیا؟'' نوفل نے حیرانی سے کہا۔

''رقص۔'' اس نے کہتے ہوئے گلاس ... پر رکھ دیا، نوفل الجھی ہوئی نظروں سے اسے ... رہا۔

وہ اپنی نشست سے کھڑی ہو گئی اور پھر ... کے قدم ڈانسنگ فلور کی طرف بڑھنے لگے ... کی آنکھوں میں بے یقینی اور حیرت در آئی ... وہ انہی کی طرح رقص میں محو تھی اور یہ بتانا ... مشکل نہیں تھا کہ وہ ان پیشہ ور رقاصاؤں سے ... گنا اچھا پرفارم کر رہی تھی، نوفل نے ہاتھ میں ... فورک ٹیبل پہ رکھ دیا ورنہ ابھی وہ تھائی سوپ ... پینا چاہتا تھا، اب وہ یک ٹک شائی وانگ کو ... رہا تھا جس کے قدم زمین پہ ٹکتے ہوئے محسوس ... ہوتے تھے بلکہ یوں لگ رہا تھا وہ ہوا میں تیر ... ہو، رقص میں اس کی مہارت قابل دید تھی ... میں بیٹھے بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح ... نوفل بھی خود کو تالیاں بجانے پر مجبور پاتا تھا ... دیر بعد دھن رک گئی، رقص ختم ہو گیا اور اس ... ساتھ ہی رقاصائیوں نے جھک کر بو (سینے ... ہاتھ رکھ کر تعظیماً جھکنا) کیا اور بیک اسٹیج کی طرف ... جانے لگیں، جبکہ شائی وانگ ٹیبل کی طرف ... آئی، نوفل کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے نوفل ... کی آنکھوں میں جمی حیرت کو خاصا محظوظ ہو جانے ... والی نگاہ سے دیکھا تھا۔

''تمہیں اچھا نہیں لگا؟'' اس نے مسکراہٹ ... دباتے ہوئے پوچھا۔

''شاندار! وہ حیرت انگیز تھا، تم نے کب ... کیا؟'' نوفل نے کہا۔

''میں نے سیکھا تھا۔'' اس کی نگاہوں میں گئے دنوں کا غبار اُمڈ آیا۔

''اوہ، تم نے کبھی بتایا ہی نہیں۔'' نوفل کا انداز شکوہ بھرا تھا، وہ ہونٹ بھینچے اسے دیکھتی رہی۔

''بتانے کو تو بہت کچھ ہے نوفل، کبھی موقع ہی نہیں ملا اور حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے کریدنے کی کوشش بھی نہیں کی۔'' وہ بھی اسی کے انداز سے بولی تھی۔

''میں کسی کی ذاتیات میں دلچسپی نہیں رکھتا، جب تم نے خود سے نہیں بتایا تو میں نے بھی مناسب نہیں سمجھا کہ کریدوں۔'' اس کا انداز دو ٹوک تھا۔

''بتانے کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں، گھر چلیں؟'' وہ بولی۔

''اوہ، ہاں کیوں نہیں۔'' وہ بھی اٹھ گیا، بل پے کرنے کے بعد وہ دونوں پارکنگ میں کھڑی اپنی گاڑی کی سمت آ گئے، واپسی کا سفر خاموشی سے کٹا تھا، وہ گھر آنے کے بعد چینج کرنے چلا گیا جبکہ شائی وانگ کافی بنانے کچن میں گھس گئی، کچھ دیر بعد وہ دو مگ ٹرے میں رکھے نوفل کے کمرے میں چلی آئی جو کہ حسب معمول مصروف تھا۔

''نوفل! بس کرو، تم تو اپنا آفس ہی گھر میں اٹھا لاتے ہو۔'' اس کے انداز میں محبت بھرا شکوہ تھا، نوفل نے مسکرا کر اسے دیکھا اور لیپ ٹاپ کی ایل سی ڈی گرانے لگا، اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھ دی اور خود فلور کشن پر ایزی انداز میں بیٹھ گئی، نوفل بھی اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا، کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے اس کی نظر شائی وانگ پر پڑی اور اس کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا، وہ بیک پر پڑے صوفہ پہ کہنی ٹکائے کشن کے سہارے قدرے ترچھی ہو کر بیٹھی تھی وہ ابھی تک اسی پنک گاؤن میں ملبوس تھی۔

''تم چینج کر لو۔'' اس نے عام سے انداز میں کہا۔

''کیوں؟ میں اس ڈریس میں ایزی ہوں۔'' وہ حیرت سے بولی۔

''مگر میں ایزی نہیں ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے دو ٹوک انداز میں کہا۔

''اوہ۔'' وہ متغیر چہرے کے ساتھ ایک جھٹکے سے اٹھی اور تیز تیز قدم اٹھاتی باہر نکل گئی، کچھ دیر بعد وہ واپس آئی تو سفید ٹراؤزر اور نیلی ٹی شرٹ میں ملبوس تھی، اسے دیکھ کر نوفل کے حلق سے اطمینان بھرا سانس نکل گیا۔

☆☆☆

اسی شام ٹیچر نائلہ آئیں تھیں، وہ حبا سے غائبانہ متعارف تھیں اور اس کی غیر معمولی ذہانت سے متاثر تھیں، مگر حبا نے ان کی امیدوں کو خاک میں ملا دیا تھا۔

ایک گھنٹے کے دوران اس نے ان کا دماغ کھپا دیا تھا، وہ دل ہی دل میں بے حد حیران تھیں کہ اس نل اور خرد دماغ لڑکی نے کیسے ٹاپ کیا تھا، وہ اسے چھوٹا سا فقرہ بھی تین سے چار بار سمجھاتیں اور جواباً وہ بڑی معصومیت سے انکار میں سر ہلا کر سمجھ میں نہ آنے کا اشارہ کرتی ان کے صبر کا امتحان لے جاتی، آخر میں وہ اچھا خاصا جھنجھلا چکی تھیں، یا تو وہ بے وقوف تھیں جنہیں دس سالہ تدریسی تجربے کے باوجود ایسی جینئس اور کسی حد تک آؤٹ سٹینڈنگ بچی کو پڑھانا نہیں آیا تھا یا پھر وہ انہیں بے وقوف بنا رہی تھی، دوسرا خیال انہیں زیادہ مضبوط اور ٹھیک لگا تھا، اسی شام تیمور لوٹے تو وہ انہیں رپورٹ دینے کے لئے بالکل تیار تھیں۔

''آئی ایم سوری مسٹر تیمور! میں حیا کو نہیں پڑھا سکتی۔'' ان کا لہجہ دوٹوک اور تھکا تھکا سا تھا۔

''مس نائلہ آخر ایسی کیا بات ہے؟ کیا حیا نے آپ سے کچھ کہا ہے؟'' وہ ہکا بکا سے پوچھ رہا تھے۔

''اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا بلکہ سب کچھ اس کا بی ہیویر کہہ رہا ہے، وہ بالکل آمادہ نہیں ہے پڑھنے پر۔''

''آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟'' ان کے ماتھے پہ شکن آ گئی۔

''آپ نے مجھے بتایا تھا کہ کسی وجہ سے آپ نے اس کا پچھلا ٹیوٹر فارغ کر دیا ہے، تو میرے خیال سے یہ وہی Obssesion ہے وہ مینٹلی اسی کے ساتھ سیٹ ہے، بہت مشکل ہے کہ وہ کسی اور سے مطمئن ہو یا ایڈجسٹ کر پائے۔'' وہ صاف گوئی سے بولی تھیں۔

''پلیز مس نائلہ اگر آپ کوشش کریں تو؟''

وہ قدرے دھیمے انداز میں بولے تھے۔

''اگر مجھے لگتا کہ میں کر پاؤں گی تو میں ضرور کرتی مگر سچ یہی ہے کہ وہ بری طرح ڈسٹرب ہے اور جبھی وہ ایسی حرکتیں کر رہی ہے میرا مشورہ آپ کو یہ ہی ہے کہ آپ اس کے پرانے ٹیوٹر کو ہی واپس لے آئیے۔'' وہ حتمی لہجے میں بولتی ہوئی اٹھ گئیں، جبکہ تیمور احمد جامد سے وہیں بیٹھے رہ گئے۔

☆☆☆

وہ دونوں اس وقت Pizza hut کے ٹاپ فلور پر موجود تھے، جس جگہ وہ بیٹھے تھے وہاں نسبتاً تاریکی تھی، طلال نے گہری نظر سے شاہ بخت کو دیکھا، ہلکے سے اندھیرے میں اس کے تاثرات قدرے ناقابل فہم تھے۔

''نیکسٹ منتھ کیا کر رہے ہو تم؟'' طلال نے کہا۔

''پتا نہیں، میں نے کچھ پلان نہیں کیا ایگزامز کے بعد مجھے کیا کرنا ہے؟'' وہ شانے جھٹک کر بولا، طلال کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

''نیکسٹ منتھ کے تھرڈ ویک میں نیویارک میں ''Fashion in'' کا فیشن ویک سٹارٹ ہو رہا ہے۔''

''تو......؟'' بخت نے بھنویں اچکائیں۔

''انٹرنیشنل ٹیلنٹ کے لئے میرے ماڈلز سلیکشن بھی کی گئی ہے۔'' طلال نے بتایا۔

''اوہ...... گریٹ۔'' بخت قدرے چونکا۔

''لیکن فائنل مجھے صرف دو کو کرنا تھا۔''

''ہوں پھر......؟''

''میں نے تمہارا نام بھیج دیا ہے۔'' طلال نے سکون سے دھما کہ کیا، شاہ بخت کا [illegible]

''مجھ سے پوچھے بغیر؟'' اس کی پیشانی بل پڑ گئے۔

''میں پوچھنا چاہتا تھا مگر تمہارا اسیل نمبر سے، مس پلیس ہو گیا تھا۔'' وہ مطمئن لہجے میں بولا۔

''اور گھر کا ایڈریس؟ مجھے یاد ہے میں تمہیں دونوں ایک ہی کارڈ پر درج شدہ دیے تھے۔'' اس نے طلال کو گھورتے ہوئے طنز کیا طلال شرمندہ ہوئے بغیر ہنس دیا۔

''سچ تو یہ ہے کہ میں تم سے پوچھنا نہیں [illegible]

''مصب! لسن ٹومی...... جسٹ اسٹاپ اٹ...... مصب!'' اس نے اسے پارکنگ [illegible] جالیا۔

''جسٹ لیومی۔'' طلال نے تیزی سے بازو چھڑالیا۔

رہا تھا، مجھے لگا کہ تم منع کر دو گے۔" وہ سچائی سے بولا۔

"مجھے ایک بار پوچھ لینا چاہیے تھا تمہیں معصب! میں نیویارک نہیں جا سکتا۔" وہ قطعیت سے بولا، انداز میں ناگواری تھی، طلال بری طرح چونکا۔

"کیوں...... لیکن کیوں؟" وہ بلند آواز سے بولا، شاہ بخت کے چہرے پر ناگواری آ گئی، وہ طلال کو نہیں بتا سکتا تھا کہ وہاں اس کی کمزوری شاہ نواز تھا۔

"تم پرسنل چیٹ نہیں کرو گے۔" بخت نے سرد مہری سے کہا اس کی آنکھیں جیسے آنچ دینے لگی تھیں۔

"آف کورس کروں گا۔" طلال نے زور سے میز پر ہاتھ مارا، اردگرد بیٹھے افراد تیزی سے متوجہ ہوئے تھے۔

"معصب!" شاہ بخت غرا اٹھا۔

"کیپ یور لمٹس۔" طلال کا چہرہ تذلیل کے احساس سے سرخ پڑ گیا، اس نے جیب سے چند نوٹ نکالے اور ٹیبل پر پھینکے، پھر مزید کچھ کہے بغیر زور دار آواز کے ساتھ چیئر دھکیلتا باہر کی سمیت لپکا، اس کے لب بھینچے ہوئے تھے اور چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔

شاہ بخت بھی اس کے پیچھے لپکا اور دونوں کا آرڈر کیا گیا پڑا وہیں رکھا رہ گیا جس پر اس وقت معصب کے پھینکے نوٹ بل کے طور پر جھلملا رہے تھے۔

"میری بات تو سنو۔" وہ جھلا گیا۔

"تم مجھے "کیا" سمجھتے ہو شاہ بخت!"

"Would you like to tell me? کس لہجے میں تم نے مجھ سے بات کی؟ تم جانتے ہو؟" طلال دھاڑ اٹھا۔

شاہ بخت لمحوں میں ٹھنڈا پڑ گیا، اسے شدت سے اپنے لہجے کی بدصورتی کا احساس ہوا۔

"او کے سوری اب چلو۔" شاہ بخت نے اسے واپس کھینچا۔

"میں نہیں جاؤں گا۔" طلال بدستور خفا خفا لہجے میں کہتا اپنی جگہ جما رہا۔

"او کے۔" اس نے اسے کار کی طرف دھکیلا اور دروازہ کھول کر اندر بٹھا دیا، پھر خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔

"بالکل بچوں کی طرح بی ہیو کر رہے ہو تم۔" بخت نے طنز کیا۔

"اور جو تم نے کہا اس کا کیا؟" طلال جیسے پھٹ پڑا۔

"وہاں بیٹھے لوگ متوجہ ہو رہے تھے۔" شاہ بخت بھی جیسے جھلا گیا تھا۔

"تو کیوں ہو رہے تھے؟ کیا کنسرن ہے ان کا؟" طلال نے مزید کہا۔

"تم سمجھ نہیں رہے ہو، یہاں سب کو دوسروں سے دلچسپی ہوتی ہے، یہ تمہارا دوبئی نہیں ہے معصب!" وہ جیسے پچکارتا ہوا بولا تھا، طلال نے غصے سے سر جھٹکا۔

"اچھا، جناب پھر سے سوری، اب خوش؟" بخت غصے سے بولا۔

طلال کے موڈ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، شاہ بخت نے گاڑی ایک پارک کے سامنے روک دی، طلال کا باہر نکلنے کا موڈ دکھائی نہیں دیتا تھا، چند لمحوں کی خاموشی کے بعد شاہ بخت نے اسے مخاطب کیا۔

"کیا جاننا چاہتے ہو تم؟"

"وہ سب کچھ جو تم چھپا رہے ہو۔" طلال نے خفگی سے کہا۔

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"اعتبار کرتے ہوئے ڈر رہے ہو؟" طلال کا لہجہ تیکھا ہوا تھا۔

شاہ بخت نے تڑپ کر اسے دیکھا اور لب بھینچ لئے۔ "ہاں" دوٹوک انداز تھا، اب کی بار طلال بس اپنا ضبط آزما کر رہ گیا۔

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں بخت! کہ میں ایک برا انسان ضرور ہوں مگر ایک اچھا دوست بھی ہوں۔" وہ یاسیت سے بولا تھا۔

شاہ بخت چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر طویل سانس لے کر اپنا سر اسٹیئرنگ پر رکھ دیا۔

"میں بہت خود پرست انسان ہوں معصب! میں نے کبھی کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ میری ذاتیات میں مداخلت مس کرے، مغل ہاؤس میں اب تک کوئی یہ نہیں جان سکا کہ آخر کون سی بات نے مجھے اتنا ڈپریس کر دیا تھا جو میرے ہاسپٹلائز ہونے کی وجہ بنی، سچ یہ ہے کہ میں اپنا آپ بہت چھپا کر رکھتا ہوں، اتنا زیادہ کہ کسی کو قطعاً اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ مجھے میری اجازت کے بغیر جان لے، مگر تم...... طلال بن معصب تم میں کچھ ہے، کچھ ایسا کہ میں اپنا آپ تمہیں سونپتے ہوئے ہچکچا نہیں رہا اور یہ چیز ہی مجھے پریشان کرتی ہے، میں اپنے اور تمہارے درمیان وہ Missing link ڈھونڈنا چاہتا ہوں، جو مجھے اکسا رہا ہے کہ میں تمہیں وہ سب کہہ دوں، وہ سب جو میرے اندر ہی اندر مجھے جلاتا ہے، مجھے مارے دے رہا ہے، مجھے لگتا ہے معصب، میں آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہوں، زندگی میرے وجود سے قطرہ قطرہ بہتی جا رہی ہے (Slowly and steadly go to death)۔" وہ اسٹیئرنگ پر سر رکھے بول رہا تھا، لہجہ کرب سے پھٹ رہا تھا، آواز شدت غم سے بتدریج دھیمی ہوتی گئی، فضا میں کتنے نوحے گونج اٹھے تھے، ایک ماتمی سوگواری ماحول میں رچ گئی تھی۔

معصب یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا، پھر اس نے آہستگی سے ہاتھ آگے بڑھایا اور شاہ بخت کو شانوں سے تھام لیا، گاڑی کی اندرونی لائٹ جل رہی تھی اور اس روشنی میں شاہ بخت کی شہد رنگ جھیلوں میں اترتی سرخیاں چھپی نہیں رہی تھیں۔

"ایسا کیا ہے بخت! بتا دو مجھے، سب کچھ، وہ سب جو تمہیں پریشان کر رہا ہے، وہ سب جو تمہیں اتنا تکلیف دیتا ہے، بتا دو مجھے، یقین رکھو مجھ پر، معصب بھی تمہیں، تمہارے اعتبار کو نہیں توڑے گا، تمہارے یقین کو ٹھیس نہیں پہنچائے گا، اعتماد کرو مجھ پر۔" معصب کے لہجے میں سچائی تھی، شاہ بخت خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

نوفل ناشتے کی میز پر آیا تو ذہن سے رات کا واقعہ اور شائی وانگ یکسر محو ہو چکی تھی، بہت اطمینان سے اس نے ناشتہ کرنا شروع کیا جب ملازمہ کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"سر! میم ناشتہ نہیں کریں گی؟" اور وہ جو لفظ "میم" پر حیران ہوا تھا یکلخت ذہن میں اسپارکنگ سی ہوئی اور اس کے ساتھ ہی شائی وانگ کا نام چمکا تھا، اس نے ایک طویل سانس لی۔

"ہاں تم اسے بلا لاؤ۔" وہ کہہ کر پھر سے ناشتے میں مشغول ہو گیا، کچھ دیر بعد وہ ملازمہ کے ساتھ آ گئی، سلیپنگ سوٹ میں ملبوس، اپنے لمبے بالوں کو جوڑے کی شکل میں سمیٹے، سوجی ہوئی متورم آنکھوں کے ساتھ وہ بے حد دلکش لگ رہی تھی، نوفل کچھ پل کے لئے اس پر سے نظر نہیں ہٹا سکا، اس لڑکی میں کچھ تو خاص تھا۔

"ہائے گڈ مارننگ۔" نوفل نے رسماً کہا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"مارننگ۔" وہ اس کے مقابل چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"ناشتہ کرو گی؟" نوفل نے پوچھا۔

اس نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا، ملازمہ اس کے سامنے ناشتہ لگانے لگی، ناشتہ کرتے ہوئے نوفل بڑے اطمینان سے اس کا جائزہ لے رہا تھا، وہ رات کی نسبت اب پرسکون لگ رہی تھی اور کچھ مطمئن بھی۔

"یہ تمہارا گھر ہے؟" شائی وانگ نے پوچھا۔

"ہاں کیوں؟" نوفل اس کے سوال پر قدرے حیران ہوا تھا۔

"مطلب میں یہاں کچھ دن ٹھہر سکتی ہوں ناں؟" وہ مضطرب لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"ہاں تم ٹھہر سکتی ہو۔" نوفل نے شانے اچکا کر قدرے لاپرواہی سے کہا۔

"تمہارا نام......؟" وہ کچھ ہچکچا گئی۔

"نوفل صدیق۔" وہ تیز تیز چائے کے گھونٹ بھرتا بولا۔

"مس...... مسلم۔" وہ بے طرح چونکی، اٹک کر بولی تھی۔

"آف کورس۔" وہ شانے جھٹک کر کپ رکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم کیا اسی ڈریس میں رہو گی، یوں کرو اگر مارکیٹ جانے کا موڈ ہو تو اپنے لئے کچھ ڈریسز خرید لینا، ورنہ کسی سرونٹ کو بھیج کر منگوا لینا، بائے۔" وہ عجلت میں والٹ نکال کر ڈھیر سارے نوٹ ٹیبل پر رکھتا تیزی سے مڑ گیا۔

وہ ساکت سی بیٹھی اپنی زندگی میں آنے والے اس منفرد نوعیت کے انسان کو سوچ رہی تھی جس نے رات سے لے کر اب تک اسے بس حیران ہی کیا تھا، سب سے پہلے یوں بنا کچھ سوچے سمجھے اسے اپنی گاڑی میں بیٹھا لیا پھر اپنے گھر لے آیا اور یہاں آنے کے بعد بھی اس کا رویہ نہایت بہترین تھا، اس نے شائی وانگ کے ماضی کو کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی اور نہ ہی اس سے اس مدد کا کوئی "معاوضہ" مانگا تھا بلکہ اپنے بہترین کردار کا ثبوت اسے علیحدہ کمرے میں ٹھہرا کر دیا تھا اور اب یوں اتنے روپے اسے شاپنگ کے نام پر دے گیا تھا۔

وہ گم صم سی بیٹھی اپنے سامنے پڑے روپوں کو دیکھ رہی تھی جب ملازمہ کی آواز نے اسے چونکا دیا، وہ ناشتہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"بندہ تو اچھا ہے۔" چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

☆☆☆

اسید گھر واپس آ چکا تھا، ناشتہ کے لئے جب مرینہ اسے جگانے آئیں تو وہ اوندھا لیٹا سارے جہان سے بے خبر تھا، انہوں نے اسے اتنی گہری نیند سوتے دیکھا تو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی سے دروازہ بند کر کے واپس آ گئیں، خلاف معمول حیا آج یونیفارم میں ملبوس کالج جانے کے لئے تیار، ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھی، اسے دیکھ کر ان کے حلق سے ایک اطمینان بھرا سانس خارج ہوا تھا، لازماً اسید نے رات کو اسے منا لیا تھا، انہوں نے مسرور ہوتے ہوئے سوچا۔

"میری بیٹی کا دل مان گیا کالج جانے کو۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے پیار سے اس کا گال چوما، حیا نے نہال ہوتے ہوئے بازوان کے گلے

میں ڈال دیئے۔
''آف کورس ماما۔''
''ناشتہ کس چیز کا کرنا ہے؟'' انہوں نے اس کے بال سنوارے۔
''دودھ اور بوائل ایگ۔'' وہ ناز سے فرمائش کررہی تھی۔
''او کے جانو! ماما ابھی آپ کا فیورٹ بریک فاسٹ لاتی ہیں۔'' وہ مسکراتی ہوئی کچن کی طرف مڑ گئیں، کچن کا کام وہ خود ہی کیا کرتی تھیں۔

حبا خاموشی سے چیئر پر بیٹھی پاؤں جھلاتی رہی، ایسا نہیں تھا کہ رات اسید کے ساتھ اس بدتمیزی کے بعد وہ پرسکون تھی، اس کے کمرے سے جانے کے فوراً بعد اسے اپنی بدتمیزی اور بد تہذیبی کا اندازہ ہوگیا تھا مگر اس وقت کیا ہوسکتا تھا کہ تیر کمان سے نکل چکا تھا، مگر اسے یقین تھا کہ وہ اسید کو منالے گی، وہ اس سے ناراض نہیں ہوسکتا تھا، وہ یہی سوچ کر مطمئن بیٹھی تھی، اسے اسید کا انتظار تھا، کچھ دیر بعد وہ فریش سا بلو جینز اور وائٹ شرٹ میں ملبوس ہاتھ میں کوئی بک تھامے ناشتے کی میز پر آگیا، اس نے نظر اٹھا کر حبا کی طرف نہیں دیکھا بلکہ خاموشی سے چیئر پر براجمان ہوکر بک کھول لی اور ساتھ ہی پنسل سے کچھ انڈر لائن کرنے لگا۔

حبا جو مسلسل اسے نگاہوں کی گرفت میں لئے ہوئے تھی، بے اختیار مسکرادی، کیا شان بے نیازی تھی، اس نے سوچا، مگر دل اس پر بھی آمادہ تھا کہ وہ دل کے نزدیک ہی اتنے تھا، اس کا دل چاہا وہ اسید کے سلیقے سے جمے گیلے بال بکھیر کر رکھ دے، بے اختیار وہ گنگنانے لگی۔

ساڈی زندگی وچ خاص تیری تھاں
سوچیں نہ تینوں دلوں کڈنا

اسید کا چلتا ہاتھ لمحہ بھر کو رک گیا۔

ماہی ماہی دل میرا کیندا رہندا اے
ماہی وے ماہی وے
لئے ڈر دے نہ کدی تیرا ناں
تے حق دی جتونا چھڈنا

اس کی آواز پوری نغمگی اور خوبصورتی سے اسید کی سماعتوں میں منتقل ہورہی تھی، ڈسٹربنس مسلسل تھی، اسید کو سامنے موجود کتاب کے الفاظ غائب ہوتے دکھائی دینے لگے، لب بھینچتے ہوئے اس نے کتاب بند کردی اور اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر چلا جاتا، مرینہ وہاں چلی آئیں۔
''ارے اسید! تم اٹھ گئے؟'' وہ حیران ہوئیں، وہ بنا جواب دیئے چیئر دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔
''ماما! اسید کو کیا ہوا ہے؟ یہ مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہا؟'' حبا نے مرینہ کو بیچ میں گھسیٹا۔

اسید نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا، اس کی آنکھوں میں ہلکا سا گلابی پن تھا اور حبا کے لئے اتنی نفرت اتنی برودت تھی کہ حبا کا سانس رک سا گیا، ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑ گئی تھی۔

وہ تیزی سے مڑا اور لاؤنج کے صوفے پر پڑا اپنا بیگ اٹھا کر شانوں پر ڈالنے لگا، مرینہ حیران سی تھیں۔
''اسید! کیا بات ہے؟ ناشتہ نہیں کرنا؟'' انہوں نے پوچھا۔
''موڈ نہیں ہے۔'' اس کے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا کہ مرینہ چونک گئیں وہ اب بیرونی دروازے کی طرف جارہا تھا۔

انہوں نے حبا کو دیکھا جس کا رنگ پھیکا پڑ

چکا تھا، وہ ٹھٹک سی گئیں۔
''کیا بات ہے حبا؟ کوئی جھگڑا ہوا ہے تم دونوں کے بیچ؟'' وہ کچھ سختی سے باز پرس کررہی تھیں، حبا بے اختیار ان کے شانے پر سر رکھ رونے لگی۔
''مجھے نہیں پتا ماما! خود ہی ناراض ہے، دیکھا آپ نے کیسے گیا ہے ناراض ہوکر اور...... اور دیکھ کیسے رہا تھا؟ اتنے برے انداز میں جیسے آنکھوں سے قتل کردینا چاہتا ہو، مجھے نہیں پتا آپ اس سے پوچھیں، اس سے کہیں مجھ سے بات کرے، اس سے کہیں نا ماما۔'' وہ مچل مچل کر رو رہی تھی، آفس جانے کے لئے تیار اندر آتے تیمور کے کانوں میں اس کے آخری چند جملے پڑے تھے، وہ لب بھینچتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ آئے۔
''کیا بات ہے حبا؟ کیوں رو رہی ہو تم؟'' ان کا لہجہ خشونت بھرا تھا، حبا کے رونے میں اور شدت آئی، مگر وہ مرینہ کے شانے سے سر اٹھا کر سیدھی ہوگئی۔
''اسید مجھ سے ناراض ہے پاپا، وہ مجھ سے بات نہیں کررہا، وہ مجھ سے خفا ہے اور یہ سب آپ کی وجہ سے ہے پاپا، صرف آپ کی وجہ سے، آپ ہیں قصور وار۔'' وہ شہادت کی انگلی اٹھائے بلند آواز میں چلا رہی تھی، تیمور کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔
''کیا بکواس کررہی ہو تم، تم ہوش میں تو ہو، یہ...... یہ سکھایا ہے تم نے اسے، آج منہ اٹھا کر باپ سے بدتمیزی کررہی ہے، کس لئے، صرف اس کل کے لڑکے کے لئے، اسید کے لئے۔'' وہ دھاڑ رہے تھے۔

دو پل میں ہی مرینہ کا رنگ پھیکا پڑ گیا، الزام کی زد میں آج بھی صرف ان کی ذات اور

اسید کا وجود ہی تھا، کچھ کہنے کی خواہش میں ان کے لب پھڑ پھڑا رہ گئے۔

"بس کیجئے پاپا، خدا کے لئے کیوں دیتے ہیں آپ ہر بات کا الزام ماما کو، کیوں؟ اپنے رویے پر غور کرنے کی کوشش کی ہے کبھی آپ نے؟" حبا حلق کے بل چلائی تھی۔

"بکواس بند کرو۔" تیمور کا ہاتھ بے ساختہ اٹھا اور حبا کے دائیں گال پر نقش و نگار بنا گیا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے باپ کو دیکھتی رہ گئی۔

"میری بات کان کھول کر سن لو مرینہ بیگم، میں تمہیں اور تمہارے بیٹے کو ایک پل بھی اب اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتا، اپنا بوریا بستر سمیٹو اور نکل جاؤ میرے گھر سے۔" وہ غضب کی شدت سے لرز رہے تھے، مرینہ نے دہل کر ان کی طرف دیکھا اور دل پر ہاتھ رکھا۔

"تیمور! خدا کے لئے، کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟" مرینہ روتے ہوئے کہنے لگیں۔

"میں بالکل ٹھیک کر رہا ہوں، اس مسئلے کا آج سلجھ ہی جانا چاہیے۔" ان کے عزائم خطرناک تھے، حبا ایکدم سے جیسے ہوش میں آ گئی۔

"پاپا، پاپا پلیز کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ ایسی باتیں نہ کریں، پاپا، آپ کی حبا مر جائے گی، آپ کی بیٹی مر جائے گی پاپا، میں اسید کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، میں ماما کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، ایسا مت کیجئے پاپا، آپ کو اللہ کا واسطہ۔" وہ زور زور سے روتی تیمور سے لپٹ گئی۔

تیمور کے دل کو یکدم کچھ ہوا تھا، وہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی، جس سے وہ دل و جان سے محبت کرتے تھے، جسے آج تک انہوں نے ڈانٹا نہیں تھا، پھر پتا نہیں کیوں ہر بار صرف اسید کی وجہ سے وہ اس کو جھڑکتے تھے، صرف اسید کی وجہ سے؟ انہوں نے سچے دل سے اپنا تجزیہ کیا تھا اور اس کا جواب تھا، نہیں یہ صرف اسید کا وجود نہیں تھا جو انہیں تکلیف دیتا تھا بلکہ یہ ان کے اندر کا کم ظرف انسان بھی تھا جو قطعاً اسید کو حبا کے برابر سمجھنے کو تیار نہ تھا، جو ہر بار انہیں ترغیب دیتا، انہیں اکساتا کہ وہ حبا کو اسید سے دور رکھیں مگر نا کبھی، آج وہ ماں کے لئے اسید کے لئے ان کے آگے تن کر کھڑی ہو گئی تھی کل کو انہیں جائیداد میں حصے دار بنانے پر تل جاتی تو...... ایک بھیانک سوالیہ نشان ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہے حبا، تم روؤ مت بیٹا، خاموش ہو جاؤ، چلو شاباش۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے اسے پچکارنے لگے۔

"آپ ماما سے کچھ نہیں کہیں گے نا؟" وہ مچلی تھی۔

"نہیں کچھ نہیں کہوں گا۔" انہوں نے پیار سے اس کا سر تھپکا اور اس کو خود سے الگ کر دیا، مرینہ تیزی سے واپس مڑ گئیں، تیمور نے حیرانی سے انہیں جاتے دیکھا۔

☆☆☆

وہ ساکت سا اپنے سامنے چت پڑے وجود کو دیکھ رہا تھا، چہرہ ضبط کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں تو جیسے جلنے کو تھیں۔

"بس کر دو، خدا کے لئے بس کر دو۔" وہ اس کا سرد بے حرکت ہاتھ تھام کر سسک اٹھا۔

"مجھے میری کمینگی کی اتنی سزا تو مت دو، کیسے بتاؤں تمہیں؟ یونو کچھ تو کہو؟ کیسے بتاؤں تمہیں کہ تم میرے لئے کیا ہو، میرے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو، مجھے یوں بے موت نہ مارو، خدا کے لئے۔" اس کے آنسو قطرہ قطرہ ساکت ہاتھ پر گر رہے تھے۔

اس وجود میں کوئی حرکت نہ تھی، وہ جیسے ہر قسم کی صدا سے عاری تھا اور اس کا کمزور، ابھری نسوں والا ہاتھ دیکھتے ہوئے اس کی اذیت کچھ مزید بڑھ گئی تھی، پورے وجود کے علاقے میں اک طلاطم برپا تھا، درد کی شدت اتنی تھی گویا وجود پرزوں میں بٹ جائے گا، عذاب دو چند ہو رہا تھا۔

"میں تمہیں اس طرح نہیں دیکھ سکتا، نہیں سہہ سکتا تمہاری یہ حالت؟ میرے ساتھ ایسا مت کرو، میں مر رہا ہوں، پل پل، ہر پل، زندگی میری رگوں سے بہتی جا رہی ہے، میری بے بسی کا اتنا مذاق نہ اڑاؤ، مجھ پر رحم کھاؤ، میرے ساتھ ایسا مت کرو۔" اب وہ بیڈ کی پٹی سے سر ٹکائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

"مگر...... اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!"

☆☆☆

"مغل ہاؤس" میں ایک روشن اور نوخیز صبح کا خوبصورت آغاز ہو چکا تھا، اس وقت بھی مکین ناشتے کی میز پر جمع تھے۔

میز پر صرف برتنوں کی کھنک کے علاوہ کوئی آواز نہ تھی، اس خاموشی کو وقار نے توڑا۔

"طلال چلا گیا؟" انہوں نے شاہ بخت سے پوچھا۔

"ہوں، چلا گیا۔" تلخ کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے اس نے کہا۔

"موڈ ہے نیویارک جانے کا تمہارا؟" انہوں نے مزید پوچھا، سبھی چونک کر متوجہ ہوئے۔

"کیوں؟" طارق چچا نے چونک کر سر اٹھایا۔

"ایونٹ ہے وہاں پر۔" وقار نے مختصراً کہا، تایا جان کی پیشانی پر ایک شکن آ گئی۔

"بخت! دیکھو بیٹے اس قسم کے مشغلے وقت گزاری کے لئے تو ٹھیک ہیں مگر انہیں پیشہ نہیں بنایا جا سکتا۔" ان کا لہجہ تادیبی تھا۔

"میں جانتا ہوں تایا جان، آپ پریشان مت ہوں، میں بھی اسے بس انجوائے منٹ کے طور پر لے رہا ہوں۔" اس کا لہجہ دوٹوک اور بے تاثر تھا۔

طارق کے ماتھے پر ایک شکن آ گئی، انہیں بیٹے کا انداز بالکل پسند نہیں آیا۔

"لیکن مجھے تمہاری یہ "انجوائے منٹ" بالکل پسند نہیں ہے، بہتر یہ ہوگا کہ تم ایگزامز کے بعد میرے ساتھ آفس جوائن کرو۔" طارق کا لہجہ سخت اور کھردرا تھا، شاہ بخت کے چہرے کا رنگ بدلا مگر اس نے دانستہ کچھ کہنے سے گریز کیا۔

"چچا جان! آپ غصہ مت کریں، آپ اسے یہ ایونٹ اٹینڈ کرنے دیں نا، آگے کی بعد میں دیکھی جائے گی۔" وقار نے نرمی سے کہا۔

"تم اسے بگاڑنے میں پورا پورا کردار ادا کر رہے ہو وقار! طارق ٹھیک کہہ رہا ہے اس تماشے کو اب بند ہو جانا چاہیے۔" تایا جان نے غصیلے اور تحکمانہ لہجے میں کہا، شاہ بخت کا رنگ سرخ ہوا تھا، اس نے کپ ٹیبل پر پٹخا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹھ جاؤ بخت!" وقار نے سختی سے اس کا بازو پکڑ کر گھسیٹا، وہ ہونٹ چباتے ہوئے بیٹھ گیا۔

"ناشتہ ختم کرو اپنا۔" طارق نے تحکمانہ انداز میں کہا، وہ خاموشی سے پلیٹ پہ جھک گیا۔

"شاہ بخت! اس میں اتنا غصہ کرنے کی کیا بات ہے؟ تایا جان نے تمہیں کچھ غلط تو نہیں کہا۔" رمشہ نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"تم اپنا منہ بند رکھو، تمہیں بیچ میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وقار نے سختی سے اسے

جھڑکا، رمشہ آف موڈ کے ساتھ چائے کے سپ لینے لگی، میز پر ایک خاموشی طاری ہوگئی۔
''ایگزامز کی تیاری کیسی ہے؟'' طارق نے نارمل سے انداز میں پوچھا۔
''اچھی ہے۔'' بخت نے دھیمے لہجے میں کہا۔
''اور عباس بیٹے آپ کی کیسی ہے؟'' انہوں نے عباس سے پوچھا۔
''ٹھیک ہے چچا جان!'' عباس (جواب تک خاموش بیٹھا تھا) نے کہا۔
''اور وقار بھئی یہ ایاز کی کیا خبر ہے؟ کدھر ہے وہ کافی دن ہوگئے اس کا فون وون آئے؟'' احمر چچا نے تشویشی انداز میں کہا، وقار نے ایک ٹھنڈی سانس خارج کی، ایاز اور سبین کا معاملہ سنگین تر ہوتا جارہا تھا۔
''مجھے اس کی کوئی خبر نہیں ہے چچا جان! آپ کو علم تو ہے آج کل کراچی والی فیکٹری کے حالات خاصے گڑبڑ ہیں بس ادھر مصروف ہوں کچھ، ایک پیر ادھر اور ایک ادھر ہوتا ہے، آج فون کروں گا۔'' وقار نے تفصیل سے کہا۔
''میری بات بھی کروانا، پوچھوں اس سے، کیا کیا ہے اس نے سبین کے کاغذات کا؟'' ان کا لہجہ تشویش لئے ہوئے تھا۔
سبین کے چہرے کا رنگ بدلا تھا اور عباس کی نگاہوں سے قطعاً چھپا نہیں رہ سکا تھا، اندر ہی اندر کچھ غلط ہونے کا احساس اور شکوک مزید بڑھ گئے تھے۔
''حد ہے بھئی اس لڑکے سے تو، وہاں جا کر بیٹھ ہی گیا ہے، نہ آگے کی خبر نہ پیچھے کا پتا، معذرت کے ساتھ مگر احمر صاحب! مجھے اس لڑکے کے تیور کچھ درست نظر نہیں آتے۔'' نبیلہ چچی نے صاف گوئی سے کہا، تایا جان کے چہرے پر تفکر کے سائے لہرانے لگے تھے۔
''آپ پریشان مت ہوں امی جان! امریکہ چیز ہی ایسی ہے، وہاں جا کر تو اچھے اچھوں کے تیور بدل جاتے ہیں، آپ کے پاس تو نواز بھائی کی مثال بھی موجود ہے۔'' عباس نے کہا۔
شاہ بخت کا رنگ پھیکا پڑ گیا، پتا نہیں کیوں جتنا وہ شاہ نواز کے موضوع سے بھاگتا تھا اتنا ہی اس کو ڈسکس کیا جاتا ہے۔
''فضول بولنے کی ضرورت نہیں، نواز کی بات کون کر رہا ہے۔'' انہوں نے اسے ڈانٹا۔
''ضرورت کیوں نہیں ہے، بالکل ہے، آخر انہوں نے ہی تو داغ بیل ڈالی ہے ابروڈ جانے کی، وہاں سیٹل ہونے کی۔'' رمشہ نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔
''اس موضوع پر بحث لاحاصل ہے، تم سب اٹھو اور اپنے اپنے کام سے لگو۔'' تایا جان تحکمانہ انداز میں کہتے اٹھ گئے۔
''لاحاصل......؟ نہیں بابا جان! یہ بالکل درست بحث ہے، ان کے نقش قدم پر ہی تو چلتے ہوئے ایاز بھائی کو یہ خبط ہوا تھا اس لئے یہ لاحاصل کیسے ہوسکتی ہے؟ اور اب ''ان صاحب'' کے تیور اور انداز بھی کم و بیش ویسے ہی ہیں۔'' رمشہ نے شاہ بخت کا مذاق اڑایا۔
''مجھے نواز اور ایاز سے Relate کرنے کی ضرورت نہیں ہے محترمہ!'' بخت نے غرا کر کہا۔
تایا جان خاموشی سے پلٹ کر باہر نکل گئے، وہ جانتے تھے یہ بحث وہ دیر تک چھیڑے رکھیں گے اور وہ پہلے ہی آفس کے لئے لیٹ ہوچکے تھے۔
''کیوں ضرورت نہیں ہے؟ کیا تمہیں ان

بھائی ہونے سے انکار ہے؟''
''کیا ان کے Geans کے اثرات تم میں نہیں ہیں؟'' رمشہ نے چیلنج کرتے ہوئے کہا۔
''Individual charactristis سے کیسے انکار کرو گی؟'' وہ بھی اپنے پوائنٹ پر اڑ گیا۔
''اور تم ''Geans influenced'' سے کیسے بچ سکتے ہو؟'' اس بار اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔
''تم حد سے زیادہ بدتمیز اور بدتہذیب لڑکی ہو، وقار بھائی کی بہن تو بالکل نہیں لگتیں، تم پر تو Geans influence نظر نہیں آتا۔'' بخت نے حد سے زیادہ سرد اور طنزیہ لہجے میں کہا، رمشہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔
''اپنا منہ بند رکھو، تمہیں میرے بارے میں Declcaration دینے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ بے قابو ہو کر پھٹ پڑی۔
''ہا...... اچھا تو کیا تمہارے پاس پرمٹ ہے میرے بارے میں ''Predicions'' دینے کا؟'' وہ مضحکہ اڑاتے ہوئے ہنسا، رمشہ کا چہرہ مزید سرخ ہوا تھا۔
''Go to hell۔'' وہ پیر پٹختی ہوئی اٹھ گئی، عباس اور وقار کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔
''انسان میں اتنی برداشت تو ہونی چاہیے کہ وہ دوسروں کے بارے میں رائے دینے کے بعد اپنے بارے میں بھی سن سکے۔'' شاہ بخت نے رمشہ کو سنانے کے لئے بلند آواز میں کہا، جو کہ لاؤنج سے نکل رہی تھی۔
''تم بھی نا بخت! کبھی کبھی حد کر دیتے ہو۔'' وقار نے سر جھٹکا۔
''آپ نے اس کی بدتمیزی دیکھی۔'' وہ خفا ہوا۔
''دیکھی ہے میرے بھائی! جانتے تو ہو اسے، وہ تو ایسی ہی ہے۔'' وقار نے اٹھتے ہوئے عاجزی سے کہا، شاہ بخت بے ساختہ ہنس دیا، علینہ نے دیکھا یہ آج کے دن کی سب سے خوبصورت اور Pure مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆

شائی وانگ کو یہاں آئے ہوئے تین دن ہوچکے تھے اور ان تین دنوں میں وہ نوفل صدیق کے بارے میں کافی کچھ جان چکی تھی، حیرت انگیز طور پر نوفل نے اسے بالکل تنگ نہیں کیا تھا کہ وہ اسے اپنے ماضی کے بارے میں بتائے اور نہ اس پر کسی قسم کا کوئی دباؤ ڈالا تھا، وہ بڑی آزادی سے پورے گھر میں گھوم پھر لیتی تھی، ہیڈ میڈ کے ذریعے اس نے مارکیٹ سے اپنے لئے ڈریسز منگوا لئے تھے اور اسے کسی چیز کی ضرورت نہ تھی، سب کچھ نوفل کے گھر میں تھا۔
لیکن وہ جانتی تھی کہ یہ گھر بھی اس کے لئے محفوظ پناہ گاہ نہیں تھا، اس کے پیچھے گھات لگائے ہوئے ''ڈرگ مافیا'' کے آدمی پاگل کتوں کی مانند اس کی بو سونگھتے پھر رہے تھے۔
اس وقت شام کا دھندلکا سا اجالا پھیل رہا تھا وہ خاموشی سے لان چیئرز پر براجمان تھی، کچھ دیر بعد گاڑی کے ہارن کی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی گیٹ وا ہوگیا، نوفل کی گاڑی اندر آگئی، وہ کچھ حیران ہوئی، نوفل عمومی طور پر نو بجے کے بعد ہی آتا تھا، شوفر نے ادب سے دروازہ کھولا اور گاڑی کے اندر سے خوش پوش اونچا لمبا نوفل صدیق برآمد ہوا تھا، اسے لان میں براجمان دیکھ کر وہ اسی طرف آگیا۔
''ہیلو!'' وہ ہلکے سے ہاتھ کو Wave کر کے اس کے سامنے بیٹھ گیا اور نظریں اس پر جما دیں، ہلکا سا گلابی پن لئے ہوئے اس کا چہرہ

جانے کیوں آنکھوں کو بھلا لگ رہا تھا۔
''ہائے۔'' وہ جواباً خوشدلی سے مسکرائی۔
''کیسا گزرا دن؟ بور تو نہیں ہوئیں؟'' وہ بہترین کرٹسی نبھاتے ہوئے پوچھنے لگا، وہ ہلکے سے ہنسی۔
''نہیں تم سناؤ؟ خاصے تھکے ہوئے لگ رہے ہو؟''
''ہوں کچھ تھکن ہو رہی ہے، کافی کا موڈ ہے؟''
''میں بنا لاتی ہوں۔'' وہ اٹھ گئی۔
''ارے نہیں ...... رکو...... تم بیٹھو، کسی ملازمہ سے کہہ دو نا۔'' اس نے ٹوکا۔
''کوئی فرق نہیں پڑتا...... یقین کرو...... میں اتنی بری کافی نہیں بناتی۔'' وہ مسکراتی ہوئی اندر چلی گئی۔
نوفل وہیں بیٹھا رہا، وہ بے حد حیران تھا، اس لڑکی سے متعلق ساری انفارمیشن آج ہی اس کی ٹیبل پر آئی تھی، خاصا دردناک ماضی تھا، نوفل کو تو اچھی خاصی ہمدردی ہو رہی تھی اب اس سے، وہ سوچ رہا تھا کہ اسے پاپا کو کیا بتانا چاہیے؟ آج ہی وہ یہاں پہنچ رہے تھے، اسی لئے وہ آفس سے جلدی آ گیا تھا، کچھ دیر بعد وہ کافی کی ٹرے تھامے آتی نظر آئی، بلیک شرٹ اور گرے جینز میں اس کا گلابی رنگ بہت نمایاں نظر آ رہا تھا، نوفل نے نظر پھیر لی وہ اتنا سر دروڈ اور تلخ مزاج تھا کہ پاپا کبھی مان ہی نہیں سکتے تھے کہ اس نے محض اس لڑکی کو ہمدردی میں گھر میں جگہ دی ہوئی ہے ناممکن، اس نے کافی کی ٹرے سامنے رکھی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔
''تم برا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں؟'' وہ کچھ ہچکچاتے ہوئے کہنے لگی، کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے نوفل نے قدرے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔
''پوچھو۔'' اور ایک سپ لیا۔
''کافی تو اچھی ہے۔''
''شکریہ، وہ میں یہ کہہ رہی تھی کہ...... جب سے تم آئے ہو کچھ الجھے الجھے لگ رہے ہو؟''
نوفل نے ایک طویل سانس لیا۔
''ہاں، ایسا ہی ہے، پاپا آ رہے ہیں تھائی لینڈ سے۔'' وہ ہلکے سے مسکرایا۔
''پاپا؟'' وہ حیران ہوئی۔
''ہاں میرے پاپا، سب کے ہوتے ہیں، تمہارے بھی ہوں گے۔'' وہ ہنسا، اس کی آنکھوں میں حسرت اور ویرانی پھیل گئی۔
''نہیں میرے نہیں ہیں۔''
''اوہ...... ڈیتھ ہو گئی، ویری سیڈ۔'' نوفل کو افسوس ہوا۔
''ڈیتھ...... نہیں I m a n illegitimate chilel۔'' وہ سفاکی سے خود پر ہنسی، نوفل کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کو بدلا مگر وہ مہارت سے چھپا گیا۔
''اس وقت ان باتوں کو چھوڑو، اچھے طریقے سے ڈریس اپ ہو جاؤ، پاپا بس پہنچتے ہی ہوں گے، میں بھی چینج کر لوں۔'' وہ موضوع بدل گیا۔
''میں؟'' وہ حیران ہوئی۔
''کیوں؟ کیا تم ان سے نہیں ملو گی؟''
''اوہ...... کیوں نہیں۔'' وہ بے ساختہ مسکرائی۔
''اوکے...... دین جسٹ گو۔'' وہ بھی مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔
ملازمہ کو پاپا کی پسند کی ڈشز بتانے کا کہہ کر وہ اپنے روم کی طرف پلٹ آیا، لباس منتخب کرنے سے لے کر شاور لینے تک اور بال بنانے سے لے

کر دوبارہ کمرے سے باہر آنے تک اس کا دھیان شائی وانگ میں ہی الجھا ہوا تھا، وہ کھانے کا جائزہ لینے کے لئے کچن میں آیا تو اسے کوکنگ رینج کے آگے جما دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔
''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' وہ فوراً مڑی، اسے اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کس بات پر زیادہ حیران ہے، اس کے کچن میں ہونے پر؟ یا کھانا بنانے پر؟
''میں نے سوچا کہ ٹیلر کی کچھ مدد کر دوں۔'' اس نے شانے جھٹکے۔
''لیکن......؟'' وہ کہتے ہوئے رک گیا۔
''میں اتنا برا کھانا نہیں بناتی نوفل! کہ تم اتنے پریشان ہو جاؤ۔'' وہ یقین دلاتے ہوئے کہہ رہی تھی، نوفل نے قدرے دھیان سے اس کا جائزہ لیا، سفید شرٹ اور سیاہ لانگ اسکرٹ میں ایپرن باندھے، اپنے سنہرے بالوں کو جوڑے کی شکل میں باندھے وہ دلکشی اور خوبصورتی کے سارے دلفریب رنگ سمیٹے ہوئے تھی۔
یکدم نوفل کے دل کو کچھ ہوا تھا، اس نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا اور دھڑکنوں میں بڑھتے شور کو سنبھالتے ہوئے واپس مڑ گیا۔

☆☆☆

اسید سہ پہر کے قریب گھر لوٹا تو خلاف معمول خاصی خاموشی طاری تھی، اسے حیرت نہیں ہوئی، صبح حیا کے ساتھ ہونے والی گفتگو اسے شد و مد سے یاد تھی، لیکن ماما پتا نہیں کہاں تھیں، وہ خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، چینج کر کے لوٹا تو ماما کو بیڈ پر براجمان پایا، وہ چلتا ہوا ان کے نزدیک بیٹھ گیا۔
''گڈ نون ماما! کیسا گزرا دن؟ کھانے میں کیا ہے؟'' اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز سے کچھ نکالتے ہوئے پوچھا۔
''اسید!'' مرینہ نے کہا اور ان کی پکار میں کچھ تو ایسا تھا کہ وہ بے ساختہ پلٹا، مرینہ کی آنکھیں متورم اور سرخ تھیں۔
''کیا بات ہے ماما؟ آپ روتی رہی ہیں؟'' وہ پریشانی سے پوچھ رہا تھا، مرینہ نے اس کی طرف دیکھا اور ضبط کھو کر پھر سے رونے لگیں، اسید نے بے ساختہ بازو پھیلا کر انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔
''کیا بات ہے ماما! پلیز مجھے بتائیں، خدا کے لئے روئیں مت، کیا گھر میں کوئی جھگڑا ہوا ہے؟''
''اسید! میرے بچے تم یہاں سے چلے جاؤ، تم اپنا مائیگریشن لاہور کروا لو، تیمور پاگل ہو چکے ہیں، انہوں نے مجھے وارننگ دی ہے کہ وہ تمہیں مزید اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتے اسید، مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟ وہ مجھے بھی نکال دیں گے، کیا اس عمر میں گھر بدری کا عذاب سہوں؟ بتاؤ میں کیا کروں؟'' وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بتا رہی تھیں۔
''میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا ماما!'' وہ جو سکتہ زدہ سا پڑا تھا یکدم ہوش میں آ گیا، تڑپ کر بولا تھا۔
''میں جانتی ہوں بیٹا! مگر وقت کے تقاضے کو سمجھو، انہیں حیا کا تمہارے ساتھ اتنا اٹیچ ہونا قطعاً پسند نہیں، پتا نہیں کون سے خدشات پل رہے ہیں ان کے دماغ میں، میں کچھ نہیں کر سکتی، یقین کرو میں مکمل طور پر بے بس ہوں، میں تمہیں خود سے دور نہیں دیکھ سکتی، مگر میں مجبور ہوں، میں لوگوں کو خود پر ہنسنے کا موقع نہیں فراہم کر سکتی، تم یہاں سے چلے جاؤ اسید چلے جاؤ۔'' وہ اسے آغوش میں چھپائے رو رہی تھیں۔
''لیکن آخر ہوا کیا ہے؟'' وہ جھلا گیا۔

"تمہارا حبا سے کوئی جھگڑا ہوا ہے؟" وہ الٹا پوچھنے لگیں۔

"نہیں وہ مجھے یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں ہے، نہ ماں کے حوالے سے نہ باپ کے حوالے سے، آپ یقین کریں ماما! میں نے اسے کچھ نہیں کہا...... میں تو......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گیا، اضطراری انداز میں ہونٹ چباتا رہا، مرینہ نے بھیگی آنکھوں سے اس کی پیشانی کو چوما۔

"تمہیں اس کی بات کو نظر انداز کر دینا چاہیے، وہ ابھی نادان ہے۔"

"But she is not a baby now۔" وہ تلخ ہوا۔

"پتا ہے مجھے، مگر وہ کم عقل تو ہے نا۔" انہوں نے اصرار کیا۔

"نہیں ماما! ایسی باتیں انسان تب ہی کرتا ہے جب اس کے ذہن میں پہلے سے موجود ہوں، یہ زہر وہ برسوں سے اپنے اندر چھپائے بیٹھی تھی جیسے ہی موقع ملا اس نے مجھ پر انڈیل دیا، تیمور صاحب کی کوششیں اتنی رائیگاں بھی نہیں گئیں ماما! اس نے ثابت کر دیا ہے کہ آخر وہ انہی کی بیٹی ہے۔" وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔

مرینہ خاموشی سے اس کے اونچے لمبے شاندار سراپے کو آنکھوں میں جذب کرتیں رہیں، کتنا دشوار تھا اتنا پیارا، فرماں بردار اور جاں سے بھی زیادہ عزیز بیٹا خود سے دور کر دینا کتنا مشکل تر، ان کی جیسے سانسیں تھمنے لگیں، حلق میں آنسوؤں کا پھندا سا پڑ گیا۔

"آخر وہ کیوں چاہتے ہیں کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔" وہ الجھ کر پوچھنے لگا۔

"حبا نے صبح ان سے بے حد بدتمیزی کی ہے، وہ تو مجھے بھی نکالنے پر تل گئے تھے مگر حبا نے رو رو کر سارا گھر سر پہ اٹھا لیا، پھر وہ ذرا ٹھنڈے پڑے، لیکن میں جانتی ہوں...... بات یوں ختم نہیں ہو گی۔" انہوں نے اضطرابی انداز میں کہا۔

"آپ فکر مت کریں ماما! حبا کیا مجھے مینج ہو گی میں تو خود اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔" وہ زہر خند لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"اسید!" انہوں نے فوراً اسے ٹوکا۔

"بس کیجیے ماما آپ اس کی فیور کرنا چھوڑ دیجیے، اسے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ برا مان کر بولا۔

"ایسا نہیں ہے اسید۔" وہ اس کے اتنے تلخ رویے پر حیران تھیں۔

"ایسا ہی ہے ماما! اور آپ بھی سن لیں میں ادھر سے کہیں نہیں جانے والا، میں ان سے خود بات کروں گا۔" اس کا لہجہ مستحکم تھا۔

"کیا بات؟" وہ دہل سی گئیں۔

"جب کروں گا تب جان لیجیے گا۔" وہ اٹھ گیا اور پھر سے دراز میں سے کچھ ڈھونڈنے لگا، مگر اب اس کی توجہ منتشر نظر آتی تھی۔

"چائے پلا دیں ماما۔" وہ پلٹا، شاید وہ مطلوبہ چیز ڈھونڈنے میں ناکام ہو گیا تھا اور ناکامی کی جھنجھلاہٹ اس کے چہرے سے ظاہر تھی۔

"کیا کھو گیا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"سب کچھ...... مان...... یقین اور محبت بھی۔" وہ جیسے خود پر ہنسا۔

"اسید کیا ہو گیا ہے تمہیں بیٹا! کنٹرول کرو خود پر، میں چائے بھجواتی ہوں۔" وہ واپس پلٹ گئیں، وہ تھک کر بیڈ پر گر سا گیا، چہرے پر گہری سوچ کی پرچھائیاں نظر آ رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد چائے پی کر فریش ہونے کے بعد وہ کمپیوٹر کے آگے جم گیا، فضول قسم کی ویب

سائٹس سرچ کرتے کرتے وہ بور ہو گیا تو وہاں سے اٹھا اور بک شیلف سے The crucible نکال کر بیٹھ گیا، دو صفحے پڑھ کے ہی دل بیزار ہو گیا حالانکہ یہ اس کا پسندیدہ ترین ڈرامہ تھا، اس نے کتاب سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی اور خود ایزی چیئر پر جھولنے لگا، کچھ دیر بعد تیمور کی گاڑی کی آواز سنائی دی، اس کی چیئر کی حرکت رک گئی، اس کا ذہن تیزی سے ایک فیصلے پر پہنچنے پر مصروف تھا، بحث اس نے کبھی کی نہیں تھی اور تیمور جیسے بھی تھے اس نے دانستہ کبھی ان سے بدتمیزی کرنے کا سوچا نہیں تھا، اس وقت بھی وہ اپنی Vocablury کے سب سے بہترین اور نرم الفاظ کا چناؤ کر رہا تھا جو اسے تیمور کے سامنے بولنے تھے، کچھ دیر بعد وہ اٹھا اور باہر نکل آیا۔

تیمور اسے لاؤنج میں چائے پیتے مل گئے، حبا ان کے ساتھ ہی بیٹھی تھی، اس نے حبا کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا۔

"السلام علیکم!" وہ سلام کرتا آگے بڑھ آیا۔

تیمور نے اس کے سلام کا جواب دینا گوارہ نہیں کیا وہ خاموشی سے ان کے سامنے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے پاپا۔" اس کا لہجہ دھیما تھا اور نظریں جھکی ہوئیں۔

وہ بہت کم ان سے مخاطب ہوتا تھا اور ان کا سامنا کرتا تھا، وہ حیران ہوئے تھے۔

"کرو۔" ان کا لہجہ سرد تھا۔

"میں نے کبھی آپ سے بدتمیزی کرنے کا نہیں سوچا، لیکن شاید نادانستہ طور پر میں آپ کے لئے آزار کا باعث رہا ہوں، اس کے لئے میں آپ سے معافی چاہتا ہوں، آپ کے حبا کے حوالے سے جو تحفظات ہیں مجھے ان کا احساس ہے، شاید وہ اس لئے مجھ سے تھوڑی بہت انسیچ ہے کیونکہ میں اسٹڈیز میں اس کی ہیلپ کرتا ہوں، آپ اس کے لئے کسی ٹیوٹر کا بندوبست کر دیجیے، انشا اللہ آپ کو اب مجھ سے کوئی شکائیت نہیں ہو گی۔" وہ محتاط لہجے میں کہہ رہا تھا۔

تیمور گنگ سے رہ گئے، انہیں اسید کی صورت میں مرینہ کی بہترین تربیت نظر آ رہی تھی۔

"یہی بہتر ہے اور اب تم جا سکتے ہو۔" انہوں نے بات ختم کی مگر لہجہ بدلا ہوا تھا۔

لاؤنج کے دروازے پر کھڑی مرینہ حیران سی تھیں، اسید خاموشی سے اٹھا اور باہر نکل گیا، حبا کی نظر تب تک اس کا پیچھا کیا تھا جب تک وہ نظر آتا رہا۔

میں نے اس کے بدلے ہوئے لہجے کی وضاحت پوچھی......؟
کچھ دیر خاموش رہا
پھر مسکرا کر بولا......!
پاگل......!
جب لہجے بدل جائیں تو وضاحتیں کیسی؟

وہ ساکت وضاحت سی بیٹھی تھی، یہ کیا کہہ گیا تھا وہ؟ یہ کیا کر گیا تھا وہ؟ یہ کونسی سزا سنا گیا تھا وہ؟

☆☆☆

"مغل ہاؤس" میں روای چین ہی چین لکھ رہا تھا، شاہ بخت اور عباس کے ایگزامز ہو چکے تھے، رمشہ پہلے ہی پارٹ ون کے ایگزامز دے کر فارغ تھی، علینہ بھی رزلٹ کے انتظار میں تھی، اب وہ تینوں تھے اور ان کی فراغت۔

لاہور کا شاید ہی کوئی ہوٹل، ریسٹورنٹ یا ڈھابہ ہو گا جو انہوں نے چھوڑ دیا، ہر روز باہر کھانے کا پروگرام بن جاتا، ہر روز کہیں لانگ ڈرائیو تو کبھی شاپنگ، وہ صحیح معنوں میں لائف

انجوائے کر رہے تھے، یہی وقت تھا جب وقار نے بہت عجیب سٹیپ لیا، شاہ بخت کے لئے رمشہ کا پروپوزل۔

وقار نے خود اسے بلا کر بات کی تھی، وہ اتنا حیران تھا کہ چند لمحے تو کچھ بول ہی نہ سکا، مگر اس نے بڑے واضح لفظوں میں اپنا انکار وقار کے آگے رکھ دیا تھا اور خاموشی سے اٹھ کر آ گیا تھا، اسی شام وقار نے اس کا انکار ماں تک پہنچا دیا تھا اور رات تک خبر پورے گھر میں گردش کر رہی تھی اور ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ رمشہ بے خبر رہتی، اس وقت رات کو نو بج رہے تھے جب ہلکے سے دروازہ بجا کر وہ کمرے میں داخل ہوئی، شاہ بخت اسے کمپیوٹر کے آگے جما نظر آیا، اس نے بیٹھے بیٹھے گردن موڑ کر اسے اندر آتے دیکھا اور پھر سے کی بورڈ پر ہاتھ چلانے لگا، وہ آگے بڑھ آئی۔

''آؤ رمشہ بیٹھو۔'' اس کا لہجہ بہت معتدل تھا۔

''مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔'' وہ چاہتے ہوئے بھی اپنے لہجے کو تلخ ہونے سے نہیں روک پائی۔

''کرو۔'' اس نے بنا اس کی طرف دیکھے کہا، غالباً وہ کسی کے ساتھ چیٹنگ میں مصروف تھا، رمشہ کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

''تم ایسا کیسے کر سکتے ہو میرے ساتھ؟'' وہ سسکی تھی، وہ حیرانگی سے اس کی طرف مڑا، اس کی ریوالوِنگ چیئر پوری کی پوری رمشہ کی طرف گھوم گئی۔

''کیا؟''

''اتنے انجان مت بنو، میں تمہارے انکار کے بارے میں بات کر رہی ہوں۔'' وہ پھٹ پڑی، شاہ بخت نے ریوالونگ چیئر واپس موڑ لی۔

''میں بھائی کو جواب دے چکا ہوں، میں تمہارے ساتھ اس ٹاپک پر بات نہیں کرنا چاہتا۔'' شاہ بخت کا لہجہ بے تاثر تھا۔

''کیوں؟ کیوں بات نہیں کرنا چاہتے؟'' وہ بلند آواز میں چلائی۔

''اپنی آواز دھیمی رکھو، میرے سامنے گلا پھاڑنے کی ضرورت نہیں، میں تم سے زیادہ بلند آواز میں بات کر سکتا ہوں۔'' وہ سرد لہجے میں ٹوک گیا، رمشہ کو جھٹکا لگا۔

''میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو تم؟ میں...... میں محبت کرتی ہوں تم سے۔'' وہ بچوں کی طرح بلک اٹھی۔

''لیکن میں تم سے محبت نہیں کرتا رمشہ! تم میری کزن ہو، میری اچھی دوست ہو، مگر میں نے اس حوالے سے کبھی تمہارے لئے نہیں سوچا۔'' اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔

رمشہ نے اس کی شہد رنگ جھیلوں کو آج سے پہلے کبھی اتنا سرد، بے حس اور اجنبی نہیں دیکھا تھا، اس کے دل کو کچھ ہوا۔

''ہم اتنے سالوں سے ساتھ ہیں بخت! تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ تمہیں کبھی محسوس نہیں ہوا کہ میں تمہارے لئے الگ سے فیلنگز رکھتی ہوں؟'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''نہیں تم میرے لئے کزن تھیں ہو، رہو گی، رشتوں کو ان کے مقام پر رکھ کر جانچا جائے تو یہی زندگی بیلنس رہتی ہے اور ضروری نہیں کہ اگر آپ کچھ خاص فیل کرتے ہیں تو دوسرا فریق بھی کر رہا ہو۔'' اس کا لہجہ اب بھی پرسکون تھا۔

اور اب اس کا یہ سکون رمشہ کے دل میں دراڑیں ڈال رہا تھا، اسے شاہ بخت کا یوں کمپوز رہنا بہت اچھا لگتا تھا، وہ اس کے چہرے کو

Flat stone کہا کرتی تھی جس پر کوئی تاثر ڈھونڈنا اتنا ہی مشکل تھا جتنا کہ ایک صاف و شفاف پتھر پر لکیر ڈھونڈنا۔

آج اس لمحے اسے شاہ بخت کا یہ سکون بہت برا لگ رہا تھا، اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اسے زور سے جھنجھوڑ دے، اس کے چہرے کے تاثرات نوچ ڈالے۔

''اگر مجھے تم میں دلچسپی ہوتی تو میں اتنے سالوں میں کبھی نہ کبھی تو ضرور تمہیں بتا دیتا۔'' وہ اسے واضح اور دوٹوک انداز میں بتا رہا تھا۔

''کیا کمی ہے مجھ میں؟'' وہ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے گر پڑی۔

''پلیز رمشہ اٹھو، یہ مت کرو۔'' اس نے رمشہ کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔

''میرے ساتھ یہ مت کرو شاہ بخت!''

''نہیں رمشہ! میں کچھ برا نہیں کر رہا، تم مجھے جانتی ہو ناں، میں نے آج تک کوئی بھی کام اپنے دل کی مرضی کے بغیر نہیں کیا، میرا دل نہیں مانا، میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں، میں نے وقار بھائی کو صاف انکار کر دیا، اس میں کسی قسم کا غور و فکر یا Prudantry کی تو ضرورت ہی نہیں تھی I said no, just no اور اگر میں تمہاری بات مان لو، تو سوچو، کیا نتیجہ نکلے گا اس رشتے کا، کچھ بھی نہیں۔''

A fake relation''

''A disastrous ending

''نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا، کمی تم میں نہیں ہے، تم بہت اچھی ہو، مگر میں تم سے شادی نہیں کر سکتا، شادی کوئی شاپنگ نہیں جسے چند گھنٹوں میں ختم ہو جانا ہے اور نہ ہی کوئی آئسکریم جسے پگھلنے کے ڈر سے جلد جلد کھایا جائے، یہ تو ہمیشہ کا تعلق ہے اور اس رشتے کے لئے دونوں فریقین کا خالص اور ہم خیال ہونا ضروری ہے میرے لائف پلان میں شادی ابھی نہیں ہے، لیکن میں جب بھی کروں گا، تم سے نہیں، کبھی نہیں۔'' وہ پیچھے ہٹ کر کھڑکی کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

رمشہ کے قدموں تلے زمین سرک رہی تھی، اس نے ہمیشہ شاہ بخت کو اپنے ساتھ بہت شائستہ، بذلہ سنج اور دوستانہ پایا تھا، یہ اتنا روڈ، ہارش اور Bitter شاہ بخت پتا نہیں کون تھا جسے وہ نہیں جانتی تھی، اسے اپنے گالوں پر بہتے آنسو اب تکلیف دے رہے تھے، وہ اتنے سالوں سے اس شخص کے پیچھے پاگل تھی جس کے نزدیک وہ کچھ بھی نہیں تھی یا شاید...... تھی...... اس نے ہی اپنے مقام کو Misjudge کیا تھا۔

وہ بھاگتی ہوئی باہر نکل آئی، اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں اور اس سے اپنے قدموں پر کھڑا رہنا مشکل ہو رہا تھا، یکدم وہ کسی سے ٹکرائی وہ کومل تھی۔

''رمشہ! کیا بات ہے؟'' وہ ہکا بکا رہ گئی تھی اس کا چہرہ دیکھ کر۔

''کچھ نہیں۔'' وہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی، وہ کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی، وہ کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی اور اگلے دن وہ نیو یارک فلائی کر گیا تھا۔

(باقی آئندہ)

صبا احمد

''اوئے شیری دیکھنا یار کس کا میسج ہے۔''
وہ کچن میں ایپرن باندھے ناشتہ بنانے میں مصروف تھا میسج ٹیون ہوئی تو اس نے وہیں سے ہانک لگائی۔

''اچھا۔'' جواب کی سعادت مندی سی آواز سنائی دی تھی مگر کافی دیر تک اس کی آواز دوبارہ نہیں آئی تھی۔

''شیری یار کس کا میسج ہے؟'' فریج سے انڈا پکڑتے ہوئے اس نے ایک بار پھر پوچھا۔

''اوباما کا۔'' شیری کی آواز سنائی دی تھی اور انڈا اس کے ہاتھ سے پھسل گیا تھا، اور اب فرش پر پڑا اپنی قسمت پر ماتم کناں تھا۔

''کیا اوباما کا میسج۔'' اس نے تیزی سے باہر نکلنا چاہا، مگر دوسرے ہی لمحے فرش پر ڈھیر ہو چکا تھا۔

ناولٹ

''اوئی...... ہے...... او میں گیا...... ہائے''
گرتے ہی کئی صدائیں اس کے لبوں سے برآمد ہوئی تھیں، شیری بھاگتا ہوا اس تک پہنچا تھا۔

''ارے تو کیوں یوں خوشی سے لوٹ پوٹ ہو رہا ہے۔'' اس نے اسے الٹا پڑا دیکھ کر پوچھا تھا۔

''بھئی اوباما کا میسج ہے، پہلے نہیں پڑھا کبھی جو خوشی سے بل کھا رہے ہو۔'' شیری کی بات پر اس نے تیزی سے اٹھنا چاہا مگر اپنی اس کوشش میں وہ ناکام ہو گیا تھا اور صرف کراہ کر رہ گیا۔

''کمینے! میں خوش ہوں، اندھا ہو گیا ہے کیا؟ نظر نہیں آ رہا میں گر گیا ہوں۔'' اس نے اپنے دکھتے ہوئے پاؤں کو دیکھتے ہوئے کہا تھا جو کہ شاید مڑنے کی وجہ سے اب اس کا ساتھ دینے سے قاصر تھا۔

''اوہو...... سوسیڈ یار...... بہت دکھ ہوا، مجھے تم سے دلی ہمدردی ہے اور میں دل کی
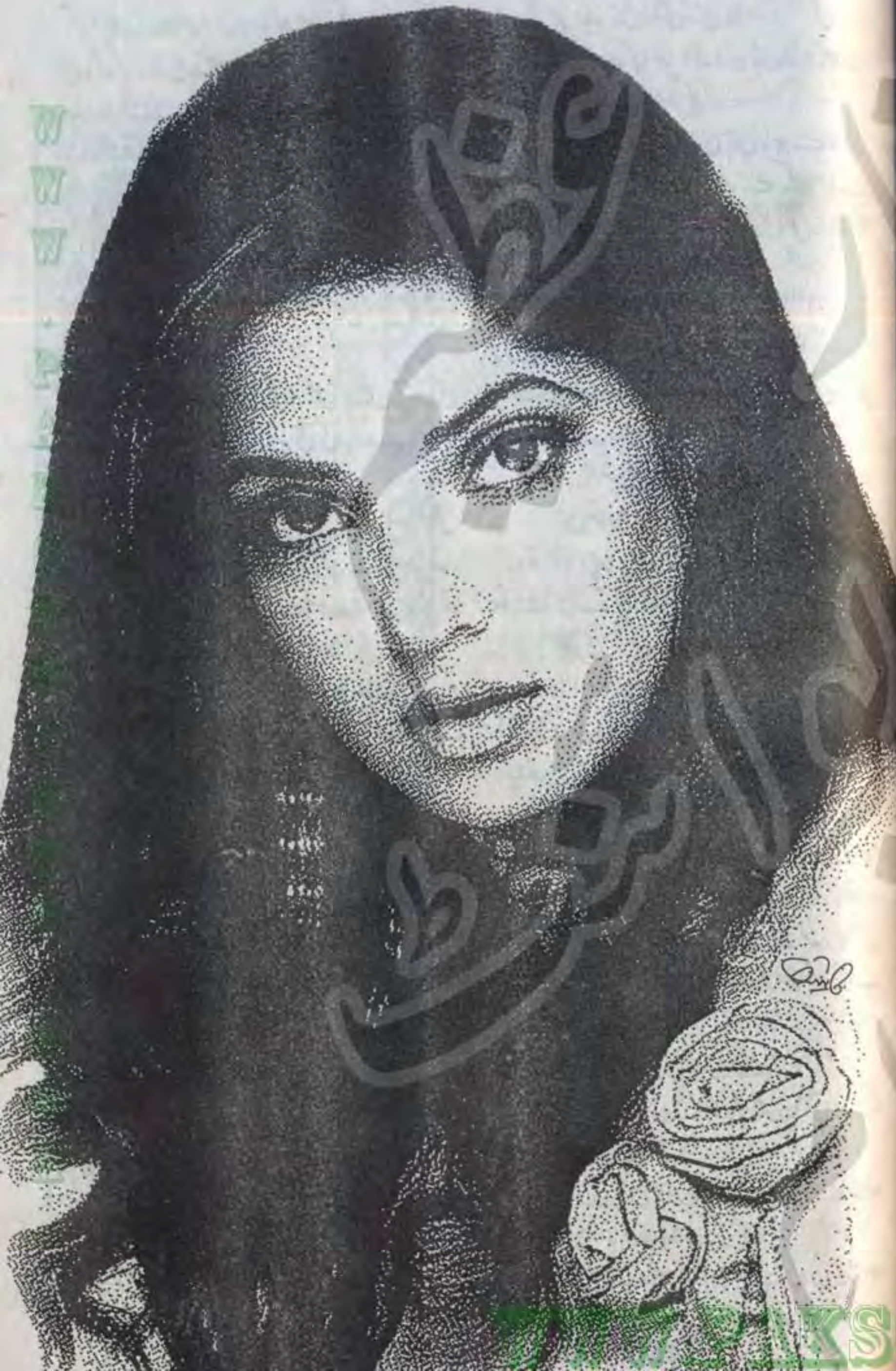
گہرائیوں سے تمہارے ساتھ ہوں مگر وہ کیا کہتے ہیں کہ گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں۔" نہایت افسوس سے کہتے ہوئے وہ واپسی کو مڑنے ہی والا تھا جب لکی نے دانت پیستے ہوئے اسے پکارا تھا۔

"یو ڈفر شیری، میں تکلیف سے مرا جا رہا ہوں اور تمہیں مسخریاں سوجھ رہی ہیں، مجھے اٹھا یار مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا۔" آخر میں اس کا لہجہ مسکین سا ہو گیا تھا۔

"سوری مائی ڈیئر لکی، میں زمین پر گری چیزیں نہیں اٹھایا کرتا۔" شیری کی بات پر اس کا خون کھول اٹھا تھا۔

"ٹھیک ہے بچو، یاد رکھنا اب۔" بمشکل اٹھتے ہوئے اس نے اسے مستقبل سے ڈرایا تھا، لنگڑاتے ہوئے وہ مشکل سے صوفے تک پہنچا تھا کپڑے الگ خراب ہو چکے تھے۔

اس نے کوفت سے اپنی وائٹ شرٹ کو دیکھا جو انڈا لگنے کی وجہ سے اکڑ چکی تھی اور اب عجیب سا نقشہ پیش کر رہی تھی۔

"لکی!" تھوڑی ہی دیر بعد اسے شیری کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی تھی اس کی توقع کے عین مطابق دوسرے ہی لمحے شیری اس کے سامنے تھا۔

"ناشتہ کدھر ہے؟" اس نے کسی کانسٹیبل کی طرح اسے گھورتے ہوئے سوال کیا، تو لکی نے مزے سے دانت نکالے۔

"دیکھ نہیں رہا میں زخمی ہوں۔" اس نے چڑایا تھا۔

"تو کوئی زخمی نہیں ہے، سب تیرے ڈرامے ہیں، جب بھی ناشتا بنانے کی باری ہوتی ہے تو یوں ہی کرتا ہے۔" عورتوں کی طرح لڑتے ہوئے اس نے ہاتھ نچائے۔

"ہیں یار میں واقعی نہیں بنا سکتا۔" لکی نے بظاہر عاجزی سے کہا تھا جبکہ دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے اسے غصہ میں دیکھ کر۔

"او کے مرضی ہے تیری میں باہر سے ناشتہ کر لوں گا۔" شیری نے مزے سے کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا جبکہ اس کی بات پر لکی کو کرنٹ لگا تھا۔

"اور میں...... میں کیا کروں گا؟" اس نے اڑتے حواسوں سے پوچھا۔

آج وہ بھوکا رہے گا یہ سوچ ہی اس کے ہوش اڑائے جا رہی تھی۔

"تم۔" شیری نے مزے سے اسے دیکھا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ تم آج ناشتہ نہ ہی کرو تو کتنا اچھا ہے نا۔" بائیک کی چابی اٹھاتے ہوئے اس نے کہا۔

"شیری! دیکھ یار تو اچھا نہیں کر رہا۔" وہ رونے والا ہو گیا اسے جاتے دیکھ کر اس نے آخری کوشش کی مگر وہ ہاتھ ہلاتا باہر کی سمت چلا گیا تھا۔

"کمینہ، ایڈیٹ، لالچی شخص۔" دل ہی دل میں کوستے ہوئے اس نے اس گالیوں سے نوازا تھا، جبکہ بھوک سے اس کا پیٹ دہائی دے رہا تھا۔

"ہیلو ایوری باڈی۔" اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے نہایت گرمجوشی سے کہا تھا مگر جواب ندارد۔

"ارے یہ دونوں کہاں گئے؟"

"شیری...... لکی۔" لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے اس نے پکارا۔

"میں یہاں ہوں یار۔" ایک کونے سے اسے لکی کی منمناہٹ سنائی دی تھی۔

"ہائیں یہ تجھے کیا ہوا؟ ایسے کیوں لیٹا ہوا ہے؟" اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"مت پوچھ یار۔" لکی نے رونے والے انداز میں کہا۔

"او کے ایز یو وش، نہیں پوچھتا۔" وہ دھم سے صوفے پر بیٹھا مگر فوراً ہی لکی کی آہ و بکا پر اٹھنا پڑا تھا۔

"ہائے مر گیا، امی جی، اللہ جی ہائے۔" وہ پاؤں پکڑے پکڑے دوہرا ہوا جا رہا تھا۔

"خیر تو ہے اتنے تمیز سے سب کو یاد کر رہے ہو۔" اس کی بات پر لکی کا دل چاہا تھا کہ یا اس کے بال نوچ لے یا اپنے، اللہ نے دوست دیے تھے اور وہ بھی بلبلے ٹائپ کے۔

"ابے اندھے، ذلیل انسان...... بندہ پوچھ ہی لے کہ کیا ہوا ہے۔" وہ تقریباً رو دینے کو تھا۔

"ہاں تو پوچھا تھا ناں، تو نے خود ہی کہا کہ نہ پوچھ میں نے پھر مناسب نہیں سمجھا پوچھنا۔" اس نے صفائی پیش کی تھی۔

"ہاں پہلے تو، تو ہر کام مجھ سے پوچھ کر کرتا ہے، ایک تو صبح سے کچھ کھایا ہی نہیں اوپر سے تو آ گیا دل جلانے۔" اس کا دل واقعی جلا ہوا تھا۔

"کیا تو نے صبح سے کچھ نہیں کھایا پیا۔" اس نے چیخنے کے سے انداز میں کہا۔

"اتنا ظلم، میں ہونے نہیں دوں گا۔" ایک اسٹائل سے کہتا ہوا وہ کچن میں گیا تھا اور کچھ ہی دیر بعد اس کی واپسی ہوئی تھی۔

"یہ...... یہ کیا ہے؟" لکی نے اس کے ہاتھ میں موجود پانی کے گلاس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ...... پانی ہے یار...... کیا ہو گیا ہے، چوٹ پاؤں پر لگی ہے یا دماغ پر؟" اس نے نہایت سکون سے جواب دیا۔

"لیکن یہ ہے کس لیے؟" وہ سمجھ نہیں سکا تھا۔

"پینے کے لئے ہے یار، تو نے صبح سے کچھ نہیں کھایا پیا ویسے بھی اس سے پیٹ صاف رہتا ہے اور رنگ بھی صاف ہوتا ہے۔" اس نے گلاس لکی کی سمت بڑھایا جبکہ وہ کافی دیر تک کچھ بول نہیں سکا۔

"تو...... تو ابھی اس وقت یہاں سے دفع ہو جا، ورنہ میں تیرا قتل کر دوں گا، گیٹ آؤٹ۔" وہ حلق کے بل چلایا، صدمے کی زیادتی سے اس کی آواز پھٹ رہی تھی۔

"یار تو تو ایسے ہی ہائپر ہو رہا ہے، ٹھیک ہے چلا جاتا ہوں ویسے میں تو ایک بہت امپورٹنٹ بات بتانے آیا تھا، بٹ تیرا موڈ نہیں سننے کا بائے۔" وہ واقعی جا رہا تھا۔

"نہیں سننی مجھے تیری کوئی بات، نہیں چاہیں مجھے تم جیسے دوست۔"

ایسے بے مروت دوست، ان سے بہتر ہے بندہ اکیلا رہ لے لکی نے نہایت مایوسی سے سوچا تھا۔

"خلوص کی قدر ہی نہیں ہے واقعی قیامت کی نشانیاں ہیں، جا رہا ہوں۔" اس نے لان میں جا کہ اونچی آواز میں کہا تھا اور پھر واقعی اس کی آواز آئی تھی۔

لگتا ہے آج سارا دن بھوک کے ساتھ ہی گزارنا پڑے گا۔

اس نے کلاک کی سمت دیکھا جو کہ بارہ بجنے کا اشارہ کر رہی تھی۔

"شیری جانے کہاں مر گیا، اس سے ریکوسٹ ہی کر دیتا کہ میرے لئے کچھ بنا دے، مشکل میں تو گدھے کو بھی باپ بنایا جا سکتا ہے۔" وہ اپنی سوچوں میں الجھا ہوا تھا جب دروازہ کھولنے کی آواز آئی تھی۔

"ہیلو جگر۔" دو آوازیں ایک ساتھ ابھری تھیں۔

لکی نے ان کی طرف نہیں دیکھا تھا، یہ اس کی ناراضگی کا اظہار تھا۔

"اوئے ہوئے کاکا ناراض ہے؟" شیری نے اسے چھیڑا تھا اور پھر کچن کی طرف چلا گیا تھا۔

"شٹ اپ، آئی ایم ناٹ کاکا۔" وہ پہلے ہی غصے میں تھا اس خطاب پر مزید بھڑک اٹھا تھا۔

"ہاہاہا، شیری یار جلدی کر بچے کو واقعی بھوک لگی ہے، ناشتہ لے آ۔" مانی نے کچن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کی بات پر لکی نے ایک جھٹکے سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"دیکھا لگی ہے نا بھوک۔" مانی نے اپنے اندازے کی درستگی پر فخر سے اسے دیکھا۔

"تو کیا سمجھتا ہے، ہمیں ترا خیال نہیں ہے دیکھ کیا گرما گرم پوریاں لے کر آئے ہیں۔" شیری نے کچن سے نکلتے ہوئے کہا تھا اس کے ہاتھ میں بڑی سی ٹرے تھی۔

"لے جگر، ناشتہ کر۔" اس کے سامنے ٹرے رکھتے ہوئے شیری نے کہا تھا۔

"ہاں ناشتہ بارہ بجے جب بھوک سے بندہ مرنے والا ہو جائے۔" وہ صرف سوچ ہی سکا، حلوہ پوری کی مزیدار خوشبو نے اسے بولنے سے روک دیا تھا، وہ بول کر اس سے محروم نہیں ہونا چاہتا تھا، کیونکہ اپنے سامنے بیٹھے ان دو خبیثوں سے وہ کچھ بھی امید کر سکتا تھا کہ ابھی اس کے سامنے سے یہ سب اٹھا لیتے اور وہ پھر بھوکا رہ جاتا۔

"ایک دفعہ ٹھیک ہو جاؤں پھر نپٹ لوں گا ان سے۔" چار پوریوں پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

☆☆☆

"پتا ہے اس دن اس شیری کمینے نے کیا کیا؟" لکی نے مانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو نہایت انہماک سے "چھمک چھلو" دیکھ رہا تھا۔

"وہ جب ہے ہی کمینہ تو کوئی ویسی ہی حرکت کی ہو گی۔" کہنے کو تو اپنے ہی دھیان میں اس نے کہہ دیا تھا مگر چونکا تب تھا جب اسے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا، اس نے آہستہ سے گردن موڑ کر دیکھا۔

"ارے یہ کیا شیری قسم لے لے، مذاق کر رہا تھا۔" شیری کو دیکھتے ہوئے اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا جو کہ چمچ اٹھائے مولا جٹ بنا اس کے سر پر کھڑا تھا۔

"نہیں نہیں شیری تو کمینہ ہے نا۔" شیری نے ہاتھ اوپر کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں یار میں نے کب کہا ایسا، تو خود ہی کہہ رہا ہے۔" مانی نے لجاجت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے معاف کیا، پر یاد رکھنا آئندہ احتیاط سے اوکے۔" وہ ایک شان بے نیازی سے کہتا ہوا دوبارہ سے کچن میں گم ہو گیا جہاں وہ شام کے لئے سالن تیار کر رہا تھا۔

"ہاں تو لکی کیا بتا رہا تھا تو۔" ٹی وی کی اسکرین پر کمرشل آ چکا تھا، جو کہ اس کے کام کا نہیں تھا سو اس نے لکی کی سمت رخ موڑا۔

"[illegible] کہہ رہا تھا، اب نہیں یاد مجھے۔" اپنی بات کے اثر کو اس طرح زائل ہوتے دیکھ کر اسے غصہ آ گیا تھا۔

"ایک تو کاکا غصہ بہت کرتا ہے۔" مانی نے ایک دفعہ پھر سکرین پر نظریں جمائی تھیں۔

"دیکھ مانی میں ترا بہت لحاظ کرتا ہوں، تو جانتا ہے مجھے یہ ورڈ کتنا برا لگتا ہے۔" اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

ایک دفعہ پاپا نے پیار سے اسے کاکا کہا تھا اور ظلم یہ ہوا تھا کہ ان کے سامنے کہہ دیا تھا تب سے وہ اسے اسی نام سے چھیڑتے تھے۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے نہیں کہتا، اب تو یہ بتا کہ یہ سب کیسے ہوا؟" مانی نے صلح جو انداز میں کہتے ہوئے اس کے پاؤں کی طرف اشارہ کیا۔

"وہی تو بتانے والا تھا جب تو اس چھمک چھلو میں کھویا ہوا تھا۔" اس کا انداز ابھی بھی روٹھا سا تھا۔

"اچھا نا اب نہیں دیکھتا اسے تو بتا۔" مانی نے اسے خوش کرنے کو کہا حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی فیورٹ ایکٹرس کو نہ دیکھے۔

"میں ناشتہ بنا رہا تھا جب میرے موبائل پر میسج آیا۔" لکی نے اپنی دکھی داستان سنانا شروع کی۔

"اور پتا ہے میسج کس کا تھا۔" اس نے پر اسرار انداز میں کہا۔

"نہیں یار مجھے کیا پتا ہو سکتا ہے، کس کا تھا؟" مانی نے تیزی سے پوچھا کہ اسے ابھی باقی مووی دیکھنی تھی۔

"اوباما کا۔" لکی نے کچھ دیر سنسنی پھیلانے کے بعد کہا تھا اور مانی کے ہاتھ سے ریموٹ گر گیا تھا۔

"دیکھا میرا بھی یہی حال ہوا تھا۔" لکی نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"میں بھی اسی طرح کچن سے بھاگا مگر راستے میں ہی زمین بوس ہو گیا۔" اسے وہ سین ایک بار پھر یاد آیا تھا۔

"نہیں یار لکی مذاق کر رہا ہے تو تیرے نمبر پر اوباما کا میسج، آئی کانٹ بیلیو یار۔" مانی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''تو کیسے یقین کرے گا بات ہی نہیں یقین کرنے والی۔'' اس دفعہ وہ مسکرایا تھا۔

''یہ سب اس شیری کے کارنامے ہیں جس نے رشید صفائی والے کا نام اوبامار کھا ہوا ہے، اسی کا میسج تھا اس دن۔'' لکی نے ہنستے ہوئے بتایا اور پوری بات سمجھ میں آتے ہی مانی کو بھی ہنسی کا دورہ پڑا تھا۔

''کیا ہوا، کیوں پاگلوں کی طرح حلق پھاڑ رہے ہو۔'' شیری بھی کچن سے برآمد ہوا تھا اور کچھ ہی دیر بعد وہ بھی ہنسنے میں ان کے ساتھ شامل تھا۔

''ویسے تو نے اس کا نام اوباما کیوں رکھا؟'' کافی دیر بعد مانی نے استفسار کیا تھا۔

''ایکچوئیلی اس کی شکل اوباما سے بہت ملتی ہے، یا پھر اوباما کی اس سے ملتی ہے، آئی ڈونٹ نوک مجھے اچھا لگا میں نے رکھ دیا۔'' شیری نے کہا۔

''ویسے کیسے لگتا ہے نا ''اوباما صفائی مین'' لکی نے کہا تھا اور ان کے مشترکہ قہقہے سے کمرہ گونج اٹھا تھا۔

شیری، لکی، مانی، تینوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم تھے۔

شیری اور لکی آپس میں کزن تھے اور مظفر آباد سے تعلق رکھتے تھے پڑھائی کی غرض سے لاہور میں تھے جہاں وہ ایم ایس سی کے پارٹ ون میں بادل نخواستہ پائے جاتے تھے۔

کامران عرف مانی، ان کے فلیٹ کے بالکل سامنے والے فلیٹ میں رہائش پذیر تھا، گوجرہ سے تعلق رکھتا تھا اور وہ بھی تعلیم کی جستجو میں یہاں تک آیا تھا یہ اور بات کہ تعلیم سے زیادہ اسے موویز دیکھنے کی جستجو رہا کرتی تھی۔

ایک ہی یونیورسٹی اور کلاس میں بھی مشترکہ ہونے کے سبب ان کی بہت جلد دوستی ہوگئی تھی جو کہ روز بروز ترقی کی جانب گامزن تھی۔

بظاہر ہر وقت لڑنے والے ان حضرات کی محبت بھی بے مثال تھی، ہر جگہ اکٹھے پائے جاتے، مانی کو جاسوس بننے کا جنون کی حد تک شوق تھا ہر وقت کسی نہ کسی کی جاسوسی کرنا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا چاہے اس کے بدلے میں اپنی عزت افزائی ہی کیوں نہ کروانی پڑے۔

اور شیری اور لکی اس کے ہر کام میں اس کے ساتھ برابر کے شریک ہوتے تھے جب بھی مانی کو جوتیاں پڑتیں وہ اس کے ساتھ پائے جاتے نہایت خوشی سے یہ کہتے ہوئے کہ۔

اس جوتی کے سائے تلے
ہم ایک ہیں ، ہم ایک ہیں

☆☆☆

''ہیلو فرینڈز...... ڈیٹکٹو مانی از ڈیئر۔'' ایک جھٹکے سے دروازہ کھولتے ہوئے وہ ایکشن سے اندر داخل ہوا تھا۔

''ڈیٹکٹیو کی جگہ نا ڈکٹیٹر لگا دے، جب بھی آتا ہے دھماکے سے ہی آتا ہے۔'' شیری نے جھکتے ہوئے پزے کا ٹکڑا اٹھایا جو کہ اس کی اچانک آواز پر نیچے گر گیا تھا۔

''تجھے نا اپنے یار کی صلاحیتوں کا ادراک نہیں ہے ابھی۔'' اس کے برابر بیٹھتے ہوئے مانی نے گردن اکڑائی۔

''ہاں جی پتا ہے مجھے، زیرو زیرو سیون کی طرح ایکشن مارنے سے تو وہ ہو نہیں جائے گا۔'' وہ ابھی تک جلا ہوا تھا، اچانک سے ڈرا جو رہا تھا دل ابھی تک دھک دھک کر رہا تھا۔

''بس گھر کی مرغی دال برابر۔'' مانی نے ایک آہ بھرتے ہوئے کہا۔

پھر اچانک اس کی نظر لکی پر پڑی تھی جو سر جھکائے تیزی سے کھانے میں مصروف تھا۔

''واہ...... یاراں نال غداریاں۔'' مانی نے اس کے ہاتھ میں موجود کوک کو دیکھا۔

''ایک تو نا بہت ندیدہ ہے تو، شیری یار لا دے اسے ورنہ یہ میرا ہضم نہیں ہونے دے گا۔'' اس کے کہنے پر شیری کچن میں گیا تھا اور پیزا اور کوک اسے پکڑائی تھی۔

''یہ ہوئی بات۔'' اس نے محبت سے شیری کو دیکھا۔

''اچھا دوستو میں تم لوگوں کے لئے ایک بمباسٹک نیوز لایا ہوں۔'' کھانے سے فارغ ہو کر اس نے کہا۔

''تیرے جیسی شکل سے کوئی اچھی خبر برآمد تو نہیں ہو سکتی خیر سنا دے اب جیسی بھی ہے۔'' یہ لکی تھا۔

''تیری اس بات کا نہ جواب ضرور دوں گا مگر پھر کبھی۔'' اس نے لکی کو گھورتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو خبر یہ ہے کہ تم دونوں بدھوں کو پتا ہے کہ تم لوگوں کے چیمبرز میں کیا ہو رہا ہے؟''

''کیا ہو رہا ہے؟'' دونوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔

''یہی تو...... یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ کیا ہو رہا ہے ادھر؟ مجھے کچھ غیر معمولی سا لگتا ہے وہاں اور ہمیں پتا ہونا چاہیے کہ وہاں کیا ہوتا رہتا ہے۔'' اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''مگر تم نے ایسا کیا دیکھ لیا؟'' شیری نے سوال کیا تھا۔

''کان ادھر کرو ذرا۔'' مانی نے دونوں کو اشارہ کیا، جس پر دونوں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔

''ہاں تو پھر ہم کل اس مشن پر جا رہے ہیں؟'' مانی نے کسی آرمی آفیسر کی طرح سوال کیا۔

''یس باس۔''

''We are ready۔'' انہوں نے تابعدار شاگردوں کی طرح سر ہلایا تھا۔

☆☆☆

''اچھا تو گائز اب سین یہ ہے کہ ہم اب سے تھوڑی دیر بعد اپنی چھت پر موجود ہوں گے۔'' مانی نے گھڑی کی سمت دیکھتے ہوئے کہا جہاں رات کے بارہ بج رہے تھے۔

''پھر جیسے ہی ہمیں لگا کہ وہاں کمرے میں کچھ گڑبڑ ہے ہم فوراً وہاں ساتھ چھت پر چھلانگ لگا دیں گے اور کھڑکی کے راستے اس کمرے میں داخل ہوں گے جس کے بارے میں، میں نے تم لوگوں کو بتایا ہے۔'' وہ دونوں خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔

''یار مانی، میں تو کہتا ہوں دفع کر اس چکر کو بہت نیند آ رہی ہے قسم سے۔'' لکی نے اپنی نیند سے بند ہوتی آنکھوں کو مشکل سے کھولتے ہوئے کہا۔

''شٹ اپ، تو ہے ہی کاکا، کبھی بڑا نہیں ہو سکتا۔'' مانی نے کہا تو اس طعنے پر اس کی پوری آنکھیں کھل گئی تھیں مگر وہ صرف دانت پیس کر رہ گیا تھا۔

''ہاں تو پھر یہ کہ میں اور شیری کمرے میں جا کر وہاں کی صورتحال دیکھیں گے اور لکی تو کیونکہ کود نہیں سکتا اس لئے تو باہر سے سچوئیشن کو Obrewe کرے گا اوکے۔'' مانی نے کسی انسٹرکٹر کی طرح پروگرام ترتیب دیا وہ تھوڑی ہی دیر بعد اپنی چھت پر موجود تھے۔

''لکی، شیری تیار ہو نا تم لوگ دیکھو گھبرانا نہیں ہم ایک بہت اچھا کام کرنے جا رہے ہیں اوکے۔'' دھیمی آواز سے کہتے ہوئے مانی نے

ساتھ والی چھت پر دیکھا۔
ہر طرف سکوت چھایا ہوا تھا، رات کے اندھیرے میں انہوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ماحول کا جائزہ لیا۔
تبھی انہیں سامنے کمرے میں سایہ چلتا ہوا نظر آیا تو، مانی ایک دم سے چوکنا ہوا۔
''شیری وہ دیکھو، وہی سایہ جو روز اس کمرے میں آتا ہے اس وقت۔''
''ہاں ہے تو سہی۔'' شیری نے دھیان سے دیکھتے ہوئے کہا۔
''او کے تم آؤ میرے پیچھے۔'' منہ پر ماسک چڑھاتے ہوئے وہ اسے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے آگے کو چلا، چھوٹی سی دیوار پھلانگ کر اگلے ہی لمحے وہ دوسری چھت پر تھے اور پھر وہ کھڑکی کے نزدیک چلے آئے جس کا ایک پٹ کھلا تھا۔
کامران اپنی چھت پر کھڑا تمام کاروائی دیکھ رہا تھا اور اس کے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے کمرے میں کھڑکی کے ذریعے چھلانگ لگا دی تھی، کامران غور سے دیکھنے لگا۔
''ابھی اندر سے کوئی چور یا مشتبہ شخص برآمد ہونگے جن کو گرفتار کرنے کا سہرا مانی کے سر ہو گا۔'' مانی نے تو اسے یہی کہا تھا۔
اندر سے عجیب سی آوازیں آرہی تھیں، وہ اندازہ نہیں کر سکا کہ یہ کس قسم کی آوازیں ہیں مگر دوسرے ہی لمحے اسے سب سمجھ آ گیا جب وہ دونوں اندر سے برآمد ہوئے لکی نے ٹارچ کا رخ ان کی طرف کیا پھٹی شرٹ، جوتا ندارد، اڑے ہوئے بال اور بھاگنے کی کوشش میں ہلکان ہوتا، یہ ڈیکیٹو مانی تھا اور تقریباً اس جیسا ہی حال شیری کا تھا جو کہ لنگڑاتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے تھا۔
اس کی شرٹ سرے سے ہی غائب تھی اور بغیر شرٹ کے اڑے حواسوں اور اڑے ہوئے بالوں کے ساتھ وہ خاصہ مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔
نہایت مشکل سے وہ اپنی چھت پر پہنچے تھے اور اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ نیچے آ گئے تھے، لائٹ جلاتے یہ جیسے ہی اس کی نظر ان پر پڑی ہنسی کا فوارہ ایک دفعہ پھر اس کے منہ سے پھوٹ پڑا۔
''تو کیوں دانت نکال رہا ہے؟'' مانی نے چڑ کر پوچھا تھا۔
''ادھر آؤ ذرا دونوں۔'' وہ انہیں لئے قد آدم آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا اور اپنی شکلیں دیکھتے ہی وہ خود بھی ہنسنے میں شامل ہو گئے تھے۔
''ہائے۔'' کپڑا گرم کر کے ٹکور کرتے شیری کی آواز آئی تھی۔
رات کے کارنامے میں اسے انعام ملا تھا جو کہ سیاہ گومڑ کی صورت میں اس کی آنکھ کے پاس سجا ہوا تھا ساتھ ہی گھٹنے پر شدید قسم کی چوٹ آئی تھی۔
''ویسے شیری، اس ستارہ جرأت کے ساتھ جو تیرے چہرے پر روشن ہے اور لنگڑاتی ٹانگ کے ساتھ تو بالکل میدا قصائی لگ رہا ہے۔'' ہنستے ہوئے لکی نے اس کا مذاق اڑایا، جس پر اس نے کشن اس کی سمت پھینکا تھا۔
''تو ہے ہی غدار، تجھے کہا تھا کہ کسی ہنگامی صورتحال پر ہماری مدد کرنا اور تو...... آرام سے کھڑا سین انجوائے کرتا رہا۔'' اس دفعہ مانی بولا تھا جو شیری کے پاس بیٹھا اپنے پھٹے ہونٹ کی ٹکور کر رہا تھا۔
''ہاہاہا، اب مجھے کیا پتا تھا کہ اندر یہ صورتحال ہوئی ہے کہ ایک نازک اندام حسینہ دو کڑیل جوانوں کو وائپر سے ہینڈل کر رہی ہے، ہائے فنی ناں، کاش میں اس نظارے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا۔'' وہ بے تحاشا ہنسے جا رہا تھا۔
''لکی اپنی بکواس بند کر لے ورنہ۔'' مانی نے اسے دھمکایا۔
''ویسے میں نے منع بھی کیا تھا بٹ تم لوگوں نے میری ایک نہ سنی اب بھگتو۔'' لکی نے جواب مزے سے کہا۔
''یہ سب ناں تیری وجہ سے ہوا ہے۔'' شیری نے کھا جانے والی نگاہوں سے مانی کو دیکھا۔
''اچھا اور تب تو آپ بھی بڑے شوق سے کہہ رہے تھے یس باس۔'' مانی نے اس کی نقل اتاری
''اب مجھے کیا پتا تھا کہ تم اتنے نکمے جاسوس ہو کہ ایک لڑکے اور لڑکی میں فرق نہیں کر سکے۔'' شیری نے سابقہ انداز میں کہا۔
''حالانکہ اس کی ناکام جاسوسی کی کتنی ہی قسطیں تم پہلے بھی دیکھ چکے ہو۔'' لکی نے کہا تھا جس پر مانی نے اسے غصہ سے دیکھا۔
''اچھا اب لڑنا بند کرو یہ سوچو کہ کل کا کیا کرنا ہے یونیورسٹی کیسے جاؤ گے؟'' لکی نے مصالحتی انداز اختیار کیا۔
''ہاں واقعی، یہ تو سوچا ہی نہیں اب اس حالت میں ہم کیسے جا سکتے ہیں۔'' شیری نے مرر میں اپنی آنکھ کو دیکھا جس کا کونہ مکمل سیاہ تھا۔
''میں تو نہیں جا رہا؟'' مانی نے فیصلہ سنایا تھا۔
''اور میں بھی۔'' شیری کیوں پیچھے رہتا بھلا۔
''اب جب تم دونوں نہیں جا رہے تو میں اکیلا جاتا کیا اچھا لگوں گا۔'' لکی نے اک انداز تغافل سے کہا جس پر ان دونوں نے چبا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔
''رات تو یاد نہ آئی یہ محبت۔''
''ہاں رات سے یاد آیا مانی یار، اس لڑکی کی شکل تو دیکھتے جس نے اپنی یہ درگت بنوا کر آئے ہو۔'' اس نے ایک بار پھر انہیں چھیڑا اور فوراً ہی باہر کی سمت بھاگا تھا کہ وہ شیری کا ہاتھ تیزی سے سائیڈ لیمپ کی طرف بڑھتا دیکھ چکا تھا جو وہ اسے مارنے کے لئے اٹھانے والا تھا۔
☆☆☆
''کیا بوریت ہے یار، یہ بھی کوئی زندگی ہے۔'' گھاس پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے مانی نے اپنا ہزار دفعہ کا بولا ہوا ڈائیلاگ دہرایا۔
''ہاں یار ٹھیک کہہ رہا ہے تو۔'' شیری نے اس کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔
آج کتنے ہی دنوں بعد وہ لوگ یونیورسٹی آئے تھے۔
''اگر مجھے پتا ہوتا ناں کہ ایم ایس سی اتنی ٹف ہے تو آرام سے آلو چنے کی ریڑھی لگا لیتا۔'' لکی کی بات پر ان دونوں نے قہقہہ لگایا تھا۔
''جیسی تری شکل ہے نا وہ بھی نہیں بکنے تھے۔'' شیری نے مذاق اڑانے کے سے انداز میں کہا۔
''اب ایسی بھی گئی گزری نہیں ہے۔'' وہ برا مان گیا تھا۔
''یعنی کہ گئی گزری ہے ضرور، بس اتنی گئی گزری نہیں۔'' یہ مانی تھا جس نے اس گفتگوئے بے مثال میں اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا تھا۔
''اگر تم دونوں نے یہی بکواس کرنی ہے تو میں جا رہا ہوں۔'' ایکدم سے اٹھتے ہوئے لکی نے غصے سے کہا۔
''اچھا اچھا کول ڈاؤن، نہیں کرتے ایسی بات، تم تو مائنڈ ہی کر گئے یار۔''
ہاتھ سے پکڑ کر اسے دوبارہ برابر بٹھاتے

ہوئے شیری نے کہا۔
''ویسے دوستو، میرے پاس ایک نہایت اعلیٰ پلان ہے اس بور لائف کو انٹرٹین کرنے کے لئے۔'' مانی نے احتیاط سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔
''کیسا پلان؟'' کگی نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔
''ادھر آؤ ذرا۔'' جواباً اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں نزدیک بلایا۔
''ایک تو تمہاری کھسر پھسر کی عادت مجھے سخت بری لگتی ہے۔'' شیری نے ناگواری سے کہا تھا۔
''کیا کریں یار، گھاس کے بھی کان ہوتے ہیں۔'' جواب نہایت شاندار ضرب المثل کے ساتھ دیا گیا۔
''گھاس کے کان۔'' کگی نے حیرت سے گھاس کو دیکھا۔
''لو جی اب یہ حضرت میری بات سننے کی بجائے گھاس کے کان ڈھونڈنے کھڑے ہو جائیں گے، کرلو کمائیاں۔'' مانی نے افسوس سے اسے دیکھتے ہوئے سر ہلایا اور دوسرے ہی لمحے وہ انہیں اپنا منصوبہ بتا رہا تھا جسے سنتے ہی انہوں نے فوراً نفی میں سر ہلائے۔
''نا بابا ناں، ہم اس کام میں شریک نہیں ہو سکتے اتنا فضول آئیڈیا۔'' کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔
''اور ویسے بھی میرا ایک دفعہ پھر لنگڑا ہونے کا کوئی ارادہ نہیں پہلے ہی اتنی مشکلوں سے نہ آنکھ ٹھیک ہوئی ہے۔'' شیری نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے صاف جواب دیا۔
''اور تم جانتے ہو اس قسم کے معاملات میں، میں بالکل کورا ہوں۔'' کگی نے بغیر کسی مروت کے کہا۔
''یار میرا نہیں خیال تھا کہ میرے دوست اتنے بزدل ہو سکتے ہیں کہ ایک لڑکی سے دوستی ہی کر سکیں۔'' مانی نے ان کی غیرت کو للکارا۔
''اس میں بزدلی کی کوئی بات نہیں، ہم پہلے ہی تمہارے بوگس آئیڈیاز کی وجہ سے کافی سے زیادہ پٹ چکے ہیں۔'' شیری کا انداز ہنوز تھا۔
''ہاں جی اور اگر ایسی کوئی بات پرنسپل تک پہنچ گئی تو یونیورسٹی سے تو نکلیں گے ہی مگر ساتھ ہی پاپا کی خوبصورت چپل ہمارا سواگت کرے گی۔'' کگی نے مستقبل کا نقشہ پیش کیا۔
''اس کا مطلب ہے کہ تم لوگ میرا ساتھ نہیں دے رہے۔'' مانی نے انہیں دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔
''اونہوں، اتنا رسک ہم نہیں لے سکتے۔'' ان کا جواب حسب توقع تھا۔
''ٹھیک ہے جیسے تم لوگوں کی مرضی، میں جانتا ہوں بزدل لوگ کبھی آگے نہیں جا سکتے، جبکہ ڈینکو مانی بزدل نہیں ہے اور خطرات سے کھیلنا مانی کی فیورٹ ہابی ہے۔'' گردن اکڑاتے ہوئے اس نے انہیں دیکھا۔
''جی اور پھر مار کھاتے کھاتے باہر آنا بھی تمہارے معمولات میں سے ہے۔'' شیری نے ہنستے ہوئے اس کا مذاق اڑایا۔
''ہونہہ، مائی ڈیئر اس دفعہ ایسا نہیں ہو گا بلکہ تم لوگ رشک کرو گے مجھ پر جب ایک عدد حسینہ میرے ساتھ ہو گی اور لوگ مجھ سے جیلس ہوا کریں گے۔'' خیالوں ہی خیالوں میں ایک حسینہ کو دیکھتے ہوئے مانی نے انہیں جلانے کے سے انداز میں کہا، مگر بجائے جلنے کے انہوں نے ہنسنا شروع کر دیا تھا۔
''حسینہ؟'' ہنستے ہنستے کگی نے کہا۔

''یقیناً شکوراں ہی ہو گی کیونکہ اور تو کوئی لڑکی اتنی پاگل نہیں ہو سکتی کہ تمہاری اتنی فضول شکل پر فریفتہ ہو جائے۔'' اس نے اپنے ڈیپارٹمنٹ میں جھاڑو لگانے والی کا نام لیا۔
''اونہہ، تم لوگ میری اہمیت سے آگاہ نہیں ہوا بھی، میرے لئے یہ بائیں ہاتھ کا کام ہے۔''
''اچھا پھر ہو گئی شرط۔'' شیری نے چیلنج دینے کے انداز میں کہا۔
''اوکے فائنل۔'' مانی نے جواباً کہا۔
''لیٹ سی۔'' کگی اور شیری نے بیک وقت کہا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن اس نے خوب رگڑ رگڑ کر چہرہ صاف کیا تھا اسپیشل فیس واش کے ساتھ۔
آج اس نے اپنی فیورٹ کریم کلر کی شرٹ پہنی تھی جس پر براؤن لائننگ اسے بے پناہ پسند تھی، جیل سے بال ایک اسٹائل سے کھڑے کرتے ہوئے اس نے ناقدانہ انداز میں اپنا جائزہ لیا۔
''ہونہہ، سمجھتے کیا ہیں مجھے، اگر مجھے اسکرین پر کام کرنے کا موقع ملے تو یہ شاہ رخ اور شاہد کپور میرے سامنے چوزے نظر آئیں۔'' آئینے کے سامنے سے ہٹتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں سوچا۔
گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے وہ خوبصورت سی دھن سیٹی پر بجاتے ہوئے ان کی طرف آ گیا تھا۔
''ہیلو برادرز۔'' نہایت خوشگوار موڈ میں اس نے انہیں پکارا اور ناشتہ کرتے ہوئے کگی کا ہاتھ ایک لمحے کو اسے دیکھتے ہوئے تھما تھا۔
''اوئے یہ وہی مانی ہے۔'' نک سک سے تیار مانی کو دیکھتے ہوئے کگی نے شیری کو ٹہوکا دیا تو اس نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔
''شک مجھے بھی ہو رہا ہے کہ یہ وہی ہے، جو دو ماہ سے پہلے نہاتا نہیں تھا۔'' شیری نے کہتے ہوئے اسے سر تا پا دیکھا، مگر جوں ہی اس کے پیروں پر نظر پڑی ایک قہقہہ اس کے حلق سے برآمد ہوا تھا۔
کگی نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور دوسرے ہی لمحے وہ بھی ہنسنے میں اس کے ساتھ شریک ہو چکا تھا۔
''مانی یار اگر تم اپنے چہرہ سنوارنے سے توجہ ادھر ادھر کرتے تو تمہیں اپنے پیروں میں پڑی ہوئی یہ گھسی پٹی ہوائی چپل ضرور نظر آ جاتی۔''
کچھ دیر بعد اس نے مانی سے استہزائیہ انداز میں جواب حیران کھڑا اپنے قدموں کو دیکھ رہا تھا جو اس کی گھریلو چپلوں میں اس کی ساری پرسنالٹی ڈاؤن کر رہے تھے اور پھر وہ نہی قدموں پر لوٹ گیا تھا کہ آج اس کی زندگی کا اہم دن تھا۔
اور اپنے اس خاص دن میں وہ اپنی شخصیت میں کوئی کمی برداشت نہیں کر سکتا تھا اور ٹھیک دس منٹ بعد وہ کالج کے گیٹ کے سامنے تھے۔
''ہمت مرداں مدد خدا۔'' ایک نعرہ مستانہ بلند کرتے ہوئے اس نے اندر قدم رکھا۔
کہنے کو تو اس نے آسانی سے کہہ دیا تھا کہ وہ کسی بھی لڑکی سے دوستی کر سکتا ہے، مگر دل تھا کہ تیز رفتاری سے دھڑکنے کے تمام ریکارڈ توڑ چکا تھا کیونکہ ایک ایسی شرط جو وہ لگا چکا تھا اس میں جیتنے کا چانس صرف ایک فیصد تھا۔
جبکہ ہارنے کی صورت میں وہ دونوں کمینے اس کا حشر کر دیتے۔
''اب کیا یہیں کھڑے کھڑے نروان حاصل کرنا ہے۔'' شیری نے اس کے کان میں چلا کر کہا تو وہ دم سے چونکا تھا۔

"ہاں ہاں چلو۔" اس نے اس کے پیچھے قدم بڑھائے۔

"اللہ کرے آج بینش اکیلی ہو۔" اس نے دل ہی دل میں دعا کی، بینش اس کے ڈیپارٹمنٹ کی سب سے خوبصورت لڑکی تھی مگر اس کے ساتھ ایک بڑا خطرہ...... اور وہ تھا اس کا کزن جو کہ سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ ہوتا اس کی موجودگی میں کسی لڑکے کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔

اب یہ اس کی دعا کا اثر تھا کہ اس کی اچھی قسمت برآمدے ایک کونے میں چیئر رکھے سر نوٹس میں گھسیڑے خود میں مگن بینش اسے نظر آئی تھی اور خوشی کی بات جو اسے محسوس ہوئی وہ وہاں اس کا اکیلا ہونا تھا۔

"یاہو۔" اس نے خوشی سے نعرہ لگایا۔

"بس اب تم لوگ شرط ہار گئے دوستو، بس میں یوں گیا اور یوں آیا۔" چٹکی بجاتے ہوئے اس نے کہا تو شیری نے ہمدردی سے اسے دیکھا۔

"جا بیٹا اللہ کی امان میں دیا۔" اس کا کندھا تھپکتے ہوئے اس نے کہا۔

"اور ہاں اب اس کا سیل نمبر لے کر ہی لوٹنا ورنہ۔" وہ جا رہا تھا جب اس نے پیچھے سے ہانک لگائی خود وہ وہیں کچھ فاصلے پر رکھے بنچ پر بیٹھ گئے جہاں سے سامنے کا سین آسانی سے نظر آ سکتا تھا۔

"ایکسکیوز می۔" اس کے نزدیک جا کر مانی نہایت مؤدب انداز میں کہا۔

"یس۔" حیرت زدہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے اس نے سر اٹھایا۔

"کین آئی سیٹ ڈیئر۔" اس کی نظروں سے خائف ہوتے ہوئے مانی نے جلدی سے کہا۔

"ایک تو یہ لڑکی ایسے دیکھتی ہے کہ بندہ پریشان ہو جائے۔" دل ہی دل میں اس نے خود کو کوسا۔

"ضروری تو نہیں تھا کہ صرف اسی سے دوستی کی جائے، حالانکہ یونیورسٹی بھری پڑی تھی لڑکیوں سے۔"

"شیور۔" اس کی بات کا جواب دے کر وہ ایک دفعہ پھر اپنے سابقہ کام میں مشغول ہو گئی تھی، وہ اس کے سامنے موجود چیئر پر بیٹھ گیا۔

"اب کیا کہوں؟" اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی، کبھی ایسا کام کیا ہی نہیں تھا اور اب زندگی کے اس پہلے تجربے میں ہی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے۔

"یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟" اسے یہی بات مناسب لگی تھی۔

"نوٹس فائنل کر رہی ہوں، بائیو کے۔" ٹکا سا جواب دے کر اس نے پھر سے سر نیچے کر لیا۔

"اچھا بائیو میرا فیورٹ سبجیکٹ ہے یونو بائیو بچپن سے ہی میرا پسندیدہ سبجیکٹ رہا ہے۔" اس نے کہیں پڑھا تھا کہ اگر کسی لڑکی کو امپریس کرنا ہو تو اسے اپنی ذہانت سے مرعوب کرو اور اس نے یہی کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس جلدی میں وہ ایک غلطی کر گیا تھا۔

"بچپن سے؟ یو مین آپ بچپن سے بائیو پڑھ رہے ہیں۔" مقابل بھی بینش تھی اور اس نے فوراً اس کی غلطی کو پکڑا تھا۔

"نہ...... نہیں میرا مطلب ہے کہ مجھے بہت پسند ہے یہ۔" کھسیانا سا ہو کر وہ یہی کہہ سکا۔

"اچھا پھر تو آپ اس میں کافی طاق ہوں گے۔" اس نے کہا تو مانی نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"طاق؟ جی جی بالکل، میں ہی طاق ہوں۔" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا حالانکہ "طاق کیا بلا ہے" وہ نہیں جانتا تھا۔

"او...... آپ نے تو میری پریشانی حل کر دی، یہ فارمولا میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کروں۔" ایک بھاری بھرکم بک اور نوٹس اس کے سامنے رکھتے ہوئے تو کہا تو مانی کو لگا کہ اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے ہیں۔

"ایسی صورتحال سے بھی سامنا ہو سکتا ہے۔" یہ اس نے سوچا تک نہیں تھا۔

اپنے سامنے پڑے اس پیچیدہ فارمولے کو دیکھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر خود پر لعنت بھیجی تھی اور اس وقت پر جب اس نے یہاں آنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"وہ یہاں کیا کرنے آیا تھا۔" اسے سب بھول چکا تھا یاد تھا تو صرف وہ فارمولا جو اس کے سامنے پڑا اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

"بینش کیا ہو رہا ہے میرے خیال میں کینٹین چلیں۔" اس کا کزن جانے کس کونے سے برآمد ہوا تھا مانی نے خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر فوراً ہی نظر جھکا لی۔

"ہاں چلتے ہیں یونو میرا مسئلہ حل ہو گیا ناؤ آئی ایم فری۔" ایک اسٹائل سے کہتی ہوئی وہ کھڑی ہو گئی۔

"او کے تم کرو میں بس تھوڑی دیر تک تم سے منگواتی ہوں۔" اسے آرڈر دیتی ہوئی وہ اپنے کزن کے ساتھ چل دی جبکہ وہ اپنے ہی بنے ہوئے جال میں پھنس کر رو دینے کو تھا۔

کلی نے اسے دیکھتے ہوئے وصل کی جس پر اس نے کھا جانے والی نگاہوں سے اسے گھورا۔

"چل کلی، اب سیدھے طریقے سے ہمیں

ایک شاندار ہوٹل سے ٹریٹ دے، کیونکہ تو شرط ہار چکا ہے۔" شیری نے کہا تو مانی نے اس کی بات پر تڑپ کر اسے دیکھا۔

"کون سی ٹریٹ، تم لوگ جانتے ہو میں ہارا نہیں۔" اس نے فوراً جواب دیا۔

"ہاں لیکن یہ سب ہارنے سے بھی برا تھا جو تمہارے ساتھ ہوا۔" کلی نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"ہاں تو پھر کب دے رہے ہو ٹریٹ۔" شامی کباب کی پلیٹ پکڑے شیری کچن سے برآمد ہوا، احتیاطاً وہ ان دونوں سے کافی فاصلے پر بیٹھا تھا۔

"احتیاط اچھی چیز ہے۔" ان دونوں نے غصے سے اسے دیکھا۔

"بڑا ہی تھوڑا اور چھوٹا دل ہے تمہارا۔" انگور کھٹے ہیں کہ مصداق مانی بس یہی کہہ سکا۔

"ہاں تو، تو بتا ناں کہ اپنے بڑے دل کا مظاہرہ کر رہا ہے۔" مزے سے کباب کھاتے ہوئے شیری نے سوال کیا۔

"اچھا میری بات سنو، مجھے ایک چانس اور دو اس دفعہ میں ضرور کامیاب لوٹوں گا۔" اس کی بات پر شیری اور کلی نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

"ہاں یار ایک چانس تو اسے ملنا چاہیے، جانے کتنی ہی لڑکیاں اس کی راہ دیکھ رہی ہوں گی کہ یہ آئے اور ان کے نوٹس بنا کر دے۔" شیری نے انہیں اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کا بتایا تھا اب وہ یقیناً اس زندگی میں تو اس کا پیچھا چھوڑنے والے نہیں تھے۔

"دیکھ یار مذاق نہیں۔" اس نے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا۔

"او کے نہیں کرتا مذاق۔" اس نے پلیٹ

خالی کرتے ہوئے ٹشو سے ہاتھ صاف کیے۔

"اچھا فرض کرو کہ ہم تمہیں ایک اور چانس دیتے ہیں تو اس بات کا کیا گارنٹی ہے تو اس دفعہ ناکام نہیں لوٹے گا۔" مانی کو دیکھتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"کیونکہ اس دفعہ میں نے دوسری لڑکی کا انتخاب کیا ہے۔" مانی نے کہا تو ان دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کس کا؟"

"زاریہ، نئی آئی ہے جو وہ شکل سے ہی معصوم لگتی ہے اور پھر وا بھی کل ہی آئی ہے ہمیں جانتی بھی نہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"ٹھیک ہے دیکھتے ہیں پھر۔" انہوں نے کندھے اچکا کر کہا تھا، اگلے دن وہ ایک نئے عزم اور نئے سٹائل سے آیا تھا۔

بہت سی لڑکیاں شاہ رخ کو پسند کرتی ہیں سو اس نے پوری رات شاہ رخ کی طرح بولنے کی پریکٹس کی تھی۔

اور اب جب وہ گلاب ہاتھ میں پکڑے خود کو شاہ رخ سمجھتا، اس کی طرح ہل ہل کر چلتے ہوئے زاریہ تک پہنچا تو شیری اور لکی کے لئے خود کو کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

ہنستے ہنستے ہو درخت کی اوٹ میں ہو گئے جہاں سے سامنے کا منظر بالکل واضح تھا۔

زاریہ بالکل سامنے گھاس پر اکیلی بیٹھی تھی، شاید وہ نئی تھی اس لئے ورنہ یہاں یونیورسٹی میں کسی کا بھی تنہا ہونا ایک مشکل امر تھا۔

مانی اس کے دائیں طرف رخ موڑ کر بیٹھ گیا تھا یوں کہ دور سے دیکھنے پر وہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل الگ نظر آرہے تھے۔

"یہ مانی کیا کہہ رہا ہوگا؟"

لکی نے تجسس سے انہیں دیکھا مانی بول رہا تھا جبکہ وہ لڑکی سن رہی تھی یا نہیں اس بات کا انہیں یقین نہیں تھا۔

جگنو کہوں تجھے کہ ستارہ کہوں تجھے
جو بھی کہوں میں جان سے پیارا کہوں تجھے
تو میرے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی غزل
جی چاہتا ہے پھر سے دوبارہ کہوں تجھے
تشبیہ تم کو چودھویں کے چاند سے میں دوں
یا پھر اک نور کا دھارا کہوں تجھے
تو گل ہے یا کلی ہے غنچہ ہے کیا ہے تو
خود ہی بتا کہ کیا میں خدارا کہوں تجھے
بے شک مرے رقیب سے تو راہ و رسم رکھ
میں پھر بھی اپنے درد کا سہارا کہوں تجھے

"زاریہ.....!"

ایک جذب سے غزل ختم کرتے ہوئے اس نے اسے پکارا جواب اس لڑکی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"لگتا ہے غزل پسند آئی ہے۔" مانی نے خود کو داد دی۔

"زاریہ تم جب سے آئی ہو میرا چین سکون روپیہ پیسہ سب لٹ چکا ہے۔" اس نے گردن سٹائل سے ہلاتے ہوئے کہا، شاہ رخ ایسے ہی ہلاتا ہے۔

"میں خود نہیں جانتا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے اور میں بتا نہیں سکتا۔" وہ لڑکی مسلسل مسکرا رہی تھی اسے مزید حوصلہ ہوا۔

"ہونہہ یہ ڈفر لڑکیاں اپنی تعریف سن کر کیسے خوش ہوتی ہیں۔" دل میں خود کو شاباش دیتے ہوئے اس نے سوچا۔

"حسن کی تعریف آج تک کوئی نہیں کر سکا اور نہ ہی کوئی کر سکتا ہے، میں بھی نہیں۔" وہ ابھی تک اسی رخ سے بیٹھا تھا۔

"اسی لئے آپ کے حسن کو نذرانہ پیش کرنے کے لئے میں یہ حقیر سا تحفہ لایا ہوں۔" چہرہ اس کی طرف موڑتے ہوئے مانی نے پھول اس کی طرف بڑھایا، لیکن اس نے پھول کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔

"شرما رہی شاید۔" اس نے اندازہ لگایا۔

"غالباً پسند نہیں آیا آپ کو۔" اس نے اس کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نکلیا، ایتی توئی بات نہیں ہے دی، مدے یہ بہت پسند آیا ہے اور آب بھی۔"

(شکریہ ایسی کوئی بات نہیں ہے جی، مجھے یہ بہت پسند آیا ہے اور آپ بھی) مانی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں نے ابھی آپ تو دیتا ہے اور ابھی آپ تو دل دے بیٹی ہوں، مدے ادل پتا ہوتا کہ آپ میلی دندگی میں آئیں دے تو میں تب تا مائی لیشن تو اتل ادل آداتی۔"

"(میں نے ابھی آپ کو دیکھا ہے اور ابھی آپ کو دل دے بیٹھی ہوں، مجھے اگر پتا ہوتا کہ آپ میری زندگی میں آئیں گے تو میں کب کا مائیگریشن کروا کر ادھر آجاتی)۔" وہ بول رہی تھی اور اس کا منہ کھلتا جا رہا تھا۔

"میں اب آپتو تبی نہیں تول سکتی۔"

"(میں اب آپ کو کبھی نہیں چھوڑ سکتی)۔" شرماتے ہوئے اس نے پھول پکڑا، تو مانی نے کھلے منہ سمیت اسے دیکھا۔

"مانی بیٹا بھاگ یہاں سے ورنہ یہ توتلی تجھے کہیں کا نہیں چھوڑے گی۔" ایک سوچ اس کے دماغ میں آئی تھی جس پر اس نے فوراً عمل کیا۔

"ارے آپ تہاں دالیے ہیں؟"

"(ارے آپ کہاں جا رہے ہیں)۔"

اسے کھڑے ہوتے دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"میں بس ابھی آیا۔" کہتے ساتھ ہی اس نے دوڑ لگا دی۔

"اے تنیں تو ارے تمال ہے نہیں تو تہی۔"

"(ارے سنیں تو ارے کمال ہے سنیں تو سہی)۔" اس کی آوازیں اسے سنائی دی تھیں مگر اس نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

اس نے جو وہاں سے دوڑ لگائی تو گھر جا کر ہی سانس لی تھی، ان دونوں کا بھی انتظار نہیں کیا تھا جس پر وہ یقیناً اس کے ساتھ برا سلوک کرنے والے تھے مگر جو اس کے ساتھ ہوا۔

"نکلیا۔" اسے پھر سے یاد آیا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" اس نے فوراً کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

☆☆☆

"ہاہاہا، وری فنی، بہت مزہ آیا۔" مسلسل ہنستے ہوئے آنے والی یہ منحوس آواز یقیناً شیری کے سوا کسی اور کی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

"میں اب آپتو نہیں تو لوں گی۔" اس نے نئے سرے سے ہنسنا شروع کر دیا تھا۔

"مانی یار تو مان لے کہ اب پڑھائی کے ساتھ ساتھ تو اس میدان میں بھی ناکام ہو چکا ہے۔" لکی نے اسے اپنے نادر مشورہ سے آگاہ کیا۔

"ویسے یار سچ سچ بتا اور کیا کیا باتیں ہوئیں اس توتلی حسینہ کے ساتھ۔" شیری نے کہا تھا اور مانی خون کے گھونٹ بھر کر رہ گیا تھا۔

"حیرت ہے میں جانتا ہوں کہ میرے دوست اعلیٰ درجے کے کمینے ہیں میں پھر بھی اپنی ہر بات تم لوگوں کو بتا دیتا ہوں۔" مانی نے حیرت کا اظہار کیا۔

"کیونکہ تو خود بھی ہماری ہی کمپنی سے ہے

اس لئے۔'' لکی نے اطمینان سے جواب دیا۔
''ویسے تم نے کیا سوچا ہے اب کہاں چلیں پھر ڈنر کے لئے۔'' شیری کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی مانی نے بے بسی سے اسے دیکھا۔
''ون مور چانس پلیز۔'' اس نے نہایت عاجزی سے کہا تھا۔
''نو وے ہو ہی نہیں سکتا، ہم پہلے ہی تجھے چانس دے چکے ہیں حالانکہ شرط میں ایسی کوئی پابندی نہیں تھی۔'' اس نے صاف انداز میں کہا۔
''شیری پلیز دیکھ میرا اکیلے والا دوست نہیں پلیز۔'' اس کا انداز رو دینے والا تھا، لکی کو اس پر ترس آیا لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ شیری کے سامنے اس کی ایک نہیں چلتی تھی۔
''پتا ہے تمہاری اس عادت سے مجھے سخت چڑ ہے جب جیب سے پیسے نکالنے کی بات ہو تو، تو منتیں کرنے لگتا ہے حالانکہ باپ برا اتنے بڑے گریڈ کا آفیسر ہے۔'' شیری نے چڑ کر اسے دیکھا۔
''پہلے تجھے چانس دیا تو کیا معرکہ مار لیا، خیر ایک بار پھر سہی، لیکن اب اگر ایسا ہوا تو میں تیری ایک نہیں سنوں گا۔'' اس نے آخر میں دھمکی دی۔
''یاہو۔'' مانی نے آواز بلند کی۔
''دوست ہوں تو تم جیسے، چاہے کمینے ہی ہوں۔'' اس نے شیری کے گلے لگتے ہوئے کہا تو شیری نے محبت سے اسے بھینچا تھا۔
بظاہر وہ اس سے چاہے کتنا ہی لڑتا رہتا مگر اس سے محبت بھی مثالی تھی، اس کی کوئی بات وہ رد نہیں کر سکتا تھا۔
''اچھا اور میں۔'' لکی نے مصنوعی غصے سے انہیں دیکھا۔
''ہاہا، تو تو جان ہے ہماری مگر۔'' ہنستے ہوئے انہوں نے اسے بھی ساتھ لے لیا۔

☆☆☆

''ہاں جی مسٹر مانی تیار ہیں آپ؟'' شیری نے اس کی تیاریوں کو دیکھتے ہوئے طنز سے کہا۔
''یس۔'' پرفیوم خود پر انڈیلتے ہوئے اس نے مختصر کہا۔
''اوکے ویسے آج کس سے بے عزت ہونے کا ارادہ ہے۔''
''شٹ اپ اوکے، ایسی کوئی بات نہیں ہو گی آج اور تم لوگ دیکھو گے کہ میں سنبل سے دوستی کر کے ہی لوٹوں گا۔''
''واٹ سنبل، پاگل تو نہیں ہو گیا تو، اس کے بوائے فرینڈ کو جانتا نہیں کیا۔'' شیری کو لگا کہ اس کی عقل کا کوئی پرزہ اپنی جگہ سے غائب ہو گیا ہے۔
''جانتا ہوں، اسی لئے تو اس کا انتخاب کیا ہے جب اس مریل سے بوائے فرینڈ کی جگہ پر خوبصورت لڑکا اس کے سامنے آئے گا وہ یقیناً میری ہی طرف آئے گی۔'' کہتے ساتھ ہی وہ چل پڑا تھا جبکہ شیری نے اس کی عقل پر ماتم کیا تھا۔
''یہ تو گیا کام سے۔'' اس نے خود کلامی کی۔
آج اس کا ارادہ نئے اور انوکھے سٹائل سے بات کرنے کا تھا، لڑکیاں بہادر مردوں کو بہت پسند کرتی ہیں تو اس نے آج بہادری دکھانے کا فیصلہ کیا تھا۔
سامنے ہی کوریڈور میں اسے وہ نظر آ گئی تھی، اپنی فرینڈز کے ساتھ چلتی ہوئی وہ ادھر ہی آ رہی تھی اور پھر جیسے ہی وہ اس کے قریب پہنچا مانی نے تیزی سے اسے پکارا۔
''سنبل۔'' اس نے کہا تو وہ ایک جھٹکے سے مڑی تھی۔

''آپ نے مجھ سے کچھ کہا۔'' ابرو اچکاتے ہوئے اس نے سوال کیا۔
''کہا تو نہیں لیکن کہنا چاہتا ہوں۔''
''لیکن اس وقت تو میں جا رہی ہوں کل بات ہو گئی۔'' وہ کہتے ساتھ ہی مڑی۔
''لیکن میں ابھی کہنا چاہتا ہوں۔'' اس کی کلائی تھامتے ہوئے اس نے زور دے کر کہا، رات ہی اس نے سلمان خان کی وانٹڈ دیکھی تھی اور یہ سین اسے سب سے زیادہ پسند آیا تھا، مگر یہی سین اسے یہاں بے عزت کروانے والا تھا وہ نہیں جانتا تھا۔
''آر یو میڈ۔'' سنبل نے غصے سے ہاتھ چھڑایا اور پھر یہی ہاتھ اس کے گال پر ثبت ہو گیا تھا، اس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ سینڈل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
''ارے یہ کیا کر رہی ہیں آپ، ارے سنیں تو۔'' ساری بہادری اڑنچھو ہو گئی تھی، اس عجیب صورتحال پر وہ ایک دم سے بوکھلایا تھا۔
''باجی بات سنیں، میرا مطلب یہ نہیں تھا۔'' بوکھلاہٹ میں اسے کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا کہہ رہا ہے۔
''تمہاری ہمت کیسے ہوئی اتنی۔'' جواب میں وہ بھی غصے سے بھری ہوئی تھی سٹوڈنٹس اس لائیو پرفامنس کو انجوائے کرنے آ رہے تھے۔
''دیکھیں آپ بالکل غلط سمجھ رہی ہیں، آپ ...... آپ تو میری بہن کی طرح ہیں۔'' سامنے ہی سنبل کا بوائے فرینڈ کچھ لڑکوں کے ساتھ ادھر ہی آ رہا تھا سو اس نے عافیت اسی میں سمجھی تھی کہ فوراً یہاں سے کھسک لے۔
پھر اس نے اِدھر اُدھر دیکھے بغیر دوڑ لگا دی تھی۔
''شکر ہے بچ گئے۔'' گھر پہنچتے ہی اس نے سکون کا سانس لیا، آج اسے ان دونوں کے مذاق کا کوئی خوف نہیں تھا جان بچ گئی اتنا ہی کافی تھا۔
''ہونہہ اب ٹریٹ دینی پڑے گی نکموں کو۔'' صوفے کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے اس نے سوچا۔
''جانے میری قسمت خراب ہے یا شاید مجھے اس کام کا تجربہ نہیں ہے۔'' اس نے اندازہ لگانا چاہا۔
''یہ میرے بس کی بات ہی نہیں، بس قصہ ختم لعنت ایسے کام پر جس میں بے عزتی کا اندیشہ ہو۔''
''قصہ ختم۔'' اس نے ایسا ہی سوچا تھا مگر قصہ یہیں ہیں ختم نہیں ہوا تھا اس کے اثرات دوسرے ہی دن سامنے آئے تھے۔

☆☆☆

''پاپا آپ۔'' دروازہ کھولتے ہی اسے جھٹکا لگا تھا، پاپا تو کبھی بھی اطلاع دیے بغیر نہیں آئے۔
''پاپا آپ یوں اچانک خیریت؟'' وہ اندر آ چکے تھے، ان کے سخت تیوروں سے خائف ہوتے ہوئے اس نے سوال کیا۔
''جس شخص کی تم جیسی اولاد ہو اس کے لئے خیریت کہاں ہو سکتی ہے۔'' غصے بھرے انداز سے انہوں نے اسے دیکھا مانی نے سوالیہ انداز میں انہیں دیکھا۔
''یہ سنبل کون ہے؟'' کڑے تیوروں سمیت انہوں نے استفسار کیا۔
''س...... س...... سنبل۔'' اس نے تھوک نگلا۔
''ہوں مجھے جواب مل گیا، یعنی ان کی بات صحیح ہے، تمہارے پرنسپل نے بلایا تھا مجھے اور صبح تم سنبل سے معافی مانگو گے، اینڈ دیٹس اٹ۔'' انہوں نے حکم سنایا اور اندر کی طرف بڑھ گئے جبکہ

وہ وہیں بیٹھا رہ گیا تھا۔

''مجھے نہیں پتا تھا کہ ایک چھوٹے سے مذاق کا یہ نتیجہ سامنے آئے گا۔'' اس نے نہایت دلگرفتی سے کہا تو شیری نے غور سے اسے دیکھا۔

وہ واقعی شرمندہ نظر آ رہا تھا، حالانکہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔

''اچھا چھوڑ نہ یار، ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے زندگی میں ہمیں خود بہت شرمندگی ہے اس بار پر ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' وہ اسے شرمندہ نہیں دیکھ سکتا تھا تبھی اسے حوصلہ دینے کو اس نے ایسا کہا۔

''تم نہیں جانتے یار، کتنا گلٹی فیل کر رہا تھا میں جب سکنیل سے معافی مانگ رہا تھا پاپا کے سامنے۔'' شیری کو وہ کافی اپ سیٹ لگا۔

''دفع کر ناں، تو دل پر مت لے، ایک دو دن تک تو بھی بھول جائے گا اس بات کو اور باقی سب بھی تو مٹی ڈال اس بات پر اور پھر سے پہلے والا ڈیکو مانی بن جا، کیوں کہ ہمیں وہی مانی پسند ہے۔'' شیری نے شگفتہ انداز میں کہا تو وہ افسردہ سے انداز میں مسکرایا۔

''نہیں یار اب نہیں پاپا صحیح کہتے ہیں کہ زندگی میں ہر چیز مذاق نہیں ہوتی اور نہ ہی ہر چیز کو مذاق سمجھنا چاہیے کیونکہ زندگی میں کامیابی کے لئے سیریس ہونا پڑتا ہے اور چیزوں کو سیریس لینا پڑتا ہے پریکٹیکل لائف میں اس قسم کی بے وقوفیوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' اس نے پاپا کی کل کی کہی ہوئی بات دہرائی۔

''واہ یہ اپنا یار تو فلسفہ بول رہا ہے، لکی پتا نہیں کہاں رہ گیا، وہ بھی اس فلسفیانہ گفتگو سے فیض یاب ہوتا۔'' شیری نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ جواب وہ بھی ہلکا سا مسکرا دیا۔

''ویسے یہ لکی ہے کدھر؟'' مانی نے اب غور کیا تھا۔

''ذرا مارکیٹ گیا ہے کچھ ضروری سامان لینے جانے کہاں رہ گیا۔'' شیری نے گھڑی کی سمت دیکھا اسے گئے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی۔

''کہا تھا گاڑی لے جاؤ، مگر اس کی اپنی مرضی، کہنے لگا پاس ہو تو ہے مارکیٹ پیدل ہی چلا گیا۔'' شیری کے انداز میں اس کے لئے فکر تھی۔

تبھی وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اندر داخل ہوا تھا ہاتھ خالی لال بھبھوکا چہرہ۔

''ارے یہ تو نے منہ کیوں لٹکایا ہوا ہے، اور تو تو سامان لینے گیا تھا۔'' مانی نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا جواب میں وہ چپ رہا تھا۔

''لکی بتا کیا ہوا ہے؟'' شیری نے بھی اس کے انداز پر پریشان ہو کر کہا تھا۔

''کچھ نہیں ہونا کیا ہے، میں دکان میں انٹر ہونے ہی والا تھا کہ میں نے سوچا کہ والٹ میں پیسے چیک کر لینے چاہیں، سو میں نے والٹ کھولا مگر ابھی دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک لڑکا آیا اور والٹ چھین کر بھاگ گیا۔'' لٹکے منہ سمیت اس نے ساری بات بتائی تھی۔

''لو اتنی سی بات اور اتنی پریشانی، کمال ہے یار کیا بہت زیادہ رقم تھی اس میں؟'' شیری نے ایک لمبی سانس خارج کرتے ہوئے سوال کیا، وہ تو پریشان ہی ہو گیا تھا کہ جانے کیا ہو گیا۔

''نہیں شیری مجھے والٹ کی فکر نہیں ہے بلکہ مجھے تو اس لڑکے پر دکھ ہو رہا ہے جس کی عمر ابھی صرف تیرہ یا چودہ برس تھی، جانے کون سے حالات تھے جس نے اسے یہ سب کرنے پر مجبور کیا۔'' اس کی آنکھوں میں دکھ کی دبیز تہہ تھی۔

''جبکہ اس کی یہ عمر کھیلنے کی تھی، سکول جانے کی تھی زندگی کو انجوائے کرنے کی تھی، پھر وہ کیوں اس طرف آ گیا۔''

اس کا دکھ بھرا لہجہ افسوس لئے ہوئے تھا۔

شیری جانتا تھا وہ بچپن سے ہی بہت حساس تھا کسی کو تکلیف یا مصیبت میں دیکھ کر بے چین ہو جانے والا، نہایت معصوم دل رکھنے والا یہ شخص، انسانوں کی اس قسم سے تعلق رکھتا تھا جو آج کے دور میں ناپید ہو چکی تھی۔

''پتا ہے لکی، اس دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں ہم دیکھنا نہیں چاہتے لیکن پھر بھی ہمارا سامنا ان چیزوں سے ہوتا ہے، اصل چیز ان سے مقابلہ کرنا ہے، ان سے نظریں چرا کر یا صرف ان پر دکھ کا اظہار کر کے ہم اپنا حصہ ادا نہیں کر سکتے بلکہ ان کو دور کرنے کے لئے اپنے اپنے حصے کا فرض ضرور ادا کرنا چاہیے، ہم سب کو اپنے اپنے حصے کا بیج ضرور بونا ہوگا اور پھر اس سے پودا اگانا اوپر والے کا کام ہے۔'' شیری نے محبت سے اس کا کندھا تھپکا۔

''ہاں یار، بالکل ٹھیک کہا تو نے۔'' مانی نے اس کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

''جو صرف ہنسی مذاق میں گزاری جائے وہ زندگی نہیں بیگار ہے، زندگی وہ ہے جس کا کوئی مقصد ہو۔'' اور پھر اس دن اسی لمحے انہوں نے زندگی کو نئے سرے سے جینے کا عزم کیا تھا۔

وہ زندگی جو کسی کو دکھ دینے کی بجائے خوشیاں بانٹے اور وہ زندگی جو صلاح کار کی جانب مائل ہو، وہ زندگی جو کچھ کر گزرنے کا عزم رکھتی ہو اور دوسروں کی۔

☆☆☆

''سر روم نمبر سیون کا مریض کب سے آپ ہی کو بلائے جا رہا ہے۔'' وارڈ بوائے نے اسے بتایا تو اس نے ایک نظر گھڑی کی طرف دیکھا، اس کی شفٹ ختم ہو چکی تھی اور وہ کافی سے زیادہ تھک چکا تھا لیکن۔

''او کے چلو۔'' ایک جھٹکے سے کرسی گھسیٹتے ہوئے وہ اس کے ساتھ چل دیا، اصل مسیحا وہی ہے جو ہر وقت مسیحائی کے لئے تیار رہے۔

آج سے چار سال قبل کوئی بھی یہ نہیں جانتا تھا کہ ہر وقت ہر بات کو مذاق میں اڑانے والا یہ مانی مستقبل کا بڑا اسپیشلسٹ ہوگا۔

عشق کھیل ہے دل کا

حمیرا ارباب چندا

مریض کو چیک کرنے کے بعد ہو گھر کے لئے نکل پڑا۔

وہ جانتا تھا فرید نے اس کے لئے ضرور کھانا بنایا ہوا ہو گا، گورنمنٹ ہاسپٹل لیہ کے مین وارڈ میں ایز اسپیشلسٹ اسے دوسرا سال تھا اور گھر سے اتنی دور اس ویرانے میں اسے اگر کسی کا سہارا تھا تو وہ فرید ہی تھا۔

فرید جو اس کے بھائیوں کی طرح تھا اور جسے وہ اپنا بھائی ہی بنا کر سڑک سے اٹھا کر لایا تھا جب وہ سڑک کنارے بھیک مانگ رہا تھا تب اس نے اسے اس راستے پر لانے کا فیصلہ کیا تھا، جو کہ منزل کی طرف جاتا تھا، وہ لاوارث تھا اور اس نے اسے اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کیا تھا اور پاپا نے اس کے اس عمل کی بھرپور تائید کی تھی تب سے اس کی تعلیم وغیرہ کے اخراجات وہ بخوشی برداشت کر رہا تھا۔

اپنے حصے کا بیج اس نے بو دیا تھا اور اس کے تناور درخت بننے کا اسے پورا یقین تھا، وہ جیسے ہی کھانے سے فارغ ہوا فون کی بیل نے اسے متوجہ کیا تھا۔

''ہیلو جگر کیا حال ہیں؟'' ریسیور سے شیری کی کھنکتی آواز سنائی دی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے، تو سنا کی کیسا ہے؟'' اس نے بھی جواباً مسکرا کر سوال کیا۔

''ٹھیک ٹھاک موجیں کر رہا ہے، ہر وقت چیر پھاڑ کرتا رہتا ہے۔'' قہقہہ لگاتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

کی اور شیری دونوں ایک ہی ہاسپٹل میں تھے کی ہارٹ سپیشلسٹ جبکہ شیری سکن سپیشلسٹ بن چکا تھا۔

''اچھا تو بتا ہمیں بھول تو نہیں گیا۔'' شیری نے کہا تو وہ ایکدم سے افسردہ ہو گیا تھا۔

''دوست بھولتے نہیں یار اور جو بھول جاتے ہیں وہ دوست نہیں ہوتے۔''

نجانے کتنے ہی خوبصورت منظر اس کی نگاہوں کے سامنے آئے تھے جو انہوں نے اکٹھے گزارے اور انجوائے کیے تھے۔

''تو اگر بھولنا بھی چاہے تو ہم ایسا ہونے نہیں دیں گے سمجھا۔'' شیری کے دھونس بھرے انداز پر وہ مسکرا دیا۔

''اچھا سن تیرا شادی وغیرہ کا کیا پلان ہے۔'' اس نے سوال کیا تو مانی نے قہقہہ لگایا۔

''مجھے تو معاف ہی رکھو تو جانتا ہے نہ مجھے لڑکیوں سے الرجی ہے۔''

''ہاہاہا...... الرجی...... ویسے ضروری تو نہیں کہ ہر لڑکی تو تلی ہی ہو۔'' شیری نے ایک اور بات تازہ کی تھی۔

''شیری تو پٹے گا مجھ سے۔'' ہنستے ہوئے اس نے دھمکی دی۔

''ہاں اب لگا ہے ناں پہلے والا مانی۔'' اور پھر دو چار ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔

دوست ایک ایسا خوبصورت لفظ جس کی مٹھاس نام لیتے ہی محسوس ہو، ایسے ہی دوستی انہوں نے کی تھی جو لازوال تھی۔

''بڑے چیتے آوندے نیں یار انملے دے بلے۔'' چائے بناتے ہوئے اس نے فرید کی سریلی آواز سنائی دی۔

''واقعی یار بڑے چیتے آوندے نیں۔'' اس نے ماضی کی یادوں کو محسوس کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''اور یار واقعی انملے ہوتے ہیں انمول موتیوں کی طرح۔'' اس نے خود کلامی کرتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں جن کے پیچھے کتنی ہی حسین یادوں کا میلہ سجا تھا۔

☆☆☆

"ایک بار سوچ لو جہانگیر یہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو Its too difficult۔" وسیم نے سفید لٹھے کے کڑکڑاتے سوٹ کو جہانگیر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا جسے رامش کچھ ہی دیر پہلے درزی سے لے کر آیا تھا۔

عشق محبت پیار اور ٹائیفائیڈ بخار
سوچ کر نہیں ہوتا میرے یار

یاسر جس نے ابھی کمرے میں قدم رکھا تھا وہ وسیم کی بات سن کر کندھے پر ہاتھ مارتا اپنی شاعرانہ منطق جھاڑنے لگا جو اس کی شخصیت کا خاصا تھی، جس پر وسیم نے اسے خشمگیں نظروں سے گھورا شاعری سے خاص شغف رکھنے کے باعث اکثر موقع محل تلاشتے ہوئے مایا ناز شاعروں کی تقلید کرنے کی کوشش کرتا۔

"جانتا ہوں لیکن شادی اچھی طرح سوچ سمجھ کر ہی کرنی چاہیے سمجھے مسٹر فلرٹ۔" وسیم نے اس کی پروانہ صفت فطرت پر چوٹ کی تو وہ کندھے اچکاتا جہانگیر کے برابر میں بیٹھ گیا۔

وسیم کی نظریں اب بھی جہانگیر پر تھیں جو اپنے کالج بیگ میں تمام لوازمات بھر کر تسلی بھری نظر ڈال کر زپ بند کرتا اس کی طرف متوجہ ہوا جو ابھی تک عالم تحیر میں گھرا سراپا سوال بنا کھڑا تھا، جہانگیر کے پرسکون چہرے پر اس کی پریشان صورت دیکھتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی وہ دونوں گھٹنوں پر دباؤ ڈالتا اس کے مقابل کھڑا ہو گیا اور اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے وسیم کہ میں نے اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ بنا سوچے سمجھے کیا ہے I know کہ سب کچھ جلد بازی میں ہو رہا ہے لیکن حالات کا تقاضا بھی تو یہی ہے جبکہ ہمارے پاس کوئی Seecond option بھی نہیں ہے، I hope you can under stand۔" جہانگیر نے اسے رسان سے سمجھاتے ہوئے متعلقہ صورتحال سے آگاہ کیا تو اس نے طویل سانس خارج کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"او بھائی Option ہو یا نہ ہو پر مجھ جیسے کسی سیانے کا کہنا ہے کہ عشق اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے اور چونکہ یہاں بھی معاملہ دل کا ہے تو اگر میں لیکن ویکن، کیوں کیسے جیسی خرافات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" رامش جو اپنے سنگل بیڈ پر جوتوں سمیت نیم دراز تھا ہاتھ میں کیمرہ تھامے ان کی جانب بغیر دیکھے بڑے مصروف انداز میں گویا ہوا وہ کچھ ہی دیر میں انجام پانے والی تقریب کو عکس بند کرنے کے لئے کیمرہ میں سیل ڈال رہا تھا۔

ان تینوں کے متوجہ ہونے پر رامش نے نظر بھر کر دیکھا پھر کچھ سوچتے ہوئے ان کے عجیب و غریب تاثرات سے مزین چہروں پر کیمرہ فوکس کیا اور جھٹ سے ایک تصویر بنا لی، جس پر وسیم نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا البتہ جہانگیر اور یاسر ہنس دیئے اور ویسے بھی کہا جاتا ہے کہ۔

یہ عشق نہیں آسان بس اتنا سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کر جانا ہے

"Any ways یہ لیجئے مستقبل کے دولہے راجا آپ کی عزیز از جان ہستی کی امانت۔" یاسر نے اپنے انداز میں خبردار کرنے کے ساتھ سرعت سے ایک سرخ مخملی کیس اپنی جیکٹ سے برآمد کرتے ہوئے اسے چھیڑا جسے جہانگیر نے فوراً تھام لیا۔

جگمگاتی لشکارے مارتی سونے کی انگوٹھی نے ان سب کی نظروں کو خیرہ کر دیا تھا، تاہم انگوٹھی کو دیکھ کر مستقبل کے پرکیف لمحات کا سوچتے ہوئے جہانگیر کے دل کے تار پورے زور وشور سے گنگنا اٹھے، دل میں بجنے والی مدھم موسیقی کی مدھر دھنوں کا عکس اس کے چہرے پر نمایاں تھا جس کا منہ بولتا ثبوت اس کے وجیہہ چہرے پر نمایاں ہونے والی مسکراہٹ اور آنکھوں میں اتری مخمور چمک تھی، کمرے میں موجود باقی تینوں نفوس اس کی خیالوں میں کھوئی مضحکہ خیز حالت محظوظ ہوتے دبی دبی ہنسی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، تب رامش گلے میں کیمرہ لٹکاتے ہوئے اٹھا اور بت بنے جہانگیر کے کندھے پر ایک زوردار دھپ رسید کی کہ وہ بری طرح چونکتے ہوئے حال کی دنیا میں لوٹا، پیشانی پر پسینے کی ننھی بوندیں نمودار ہو گئیں اور چہرے کے اعصاب تن گئے۔

اس کی یوں دگرگوں حالت دیکھ کر وسیم رامش اور یاسر کا فلک شگاف قہقہہ برآمد ہوا، جس پر جہانگیر نے انہیں برہمی سے گھورا۔

"اوہ میاں مجنو...... کیا پوری شادی خیالوں میں ہی انجوائے کرنے کا ارادہ ہے، حقیقت میں بھی کچھ ہاتھ پیر چلائیں گے یا نہیں، فی الحال تو ہمیں Mission impassible کی طرف پہلا قدم اٹھانا ہے So come to the raality my friend۔" رامش کی گل فشانی پر وسیم اور یاسر ہاتھ پر ہاتھ مار کر خوب ہنسے تو جہانگیر ٹھیک ٹھاک شرمندہ ہو گیا۔

"ترچھی نظر، بھولا مکھڑا، انداز شباب اور شوخ ادا، تصویر کا یہ عالم ہے تو وہ حسن مجسم کیا ہو گا۔" اس کی حالت کے پیش نظر یاسر کی زبان پر پھر سے کھجلی ہوئی۔

"شٹ اپ...... کام کی بات کرو۔" جہانگیر نے ان کا دھیان بٹانے کی خاطر بات بدلی۔

"سب کچھ پلان کے مطابق ہے فکر مت کرو خطرے کی کوئی بات نہیں۔" یاسر جو ابھی باہری صورتحال بھانپ کر آیا تھا یکدم سنجیدگی سے انہیں آگاہ کرنے لگا جس پر انہوں نے اطمینان بھری سانس لی۔

"Good مجھے لگتا ہے مزید دیر نہیں کرنی چاہیے Lets, go۔" وسیم کے کہنے پر وہ لمحے کی تاخیر کیئے بغیر محتاط طریقے سے بنا آہٹ کے یکے بعد دیگرے ہاسٹل کے کمرہ نمبر چھ سے نکل آئے۔

☆☆☆

"اماں قسم بی بی جی آپ ٹھیک نہیں کر رہیں خدارا اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔" شبو نے پریشانی سے ہاتھ مسلتے ہوئے اسے خبردار کرنا چاہا جو کمرے کے ایک کونے سے دوسرے تک پھرکی کی مانند گھوم گھوم کر تمام ضروری ساز وسامان اکٹھا کر کے سوٹ کیس میں تقریباً ٹھونس رہی تھی۔

"نظر ثانی تو ہو چکی شبو...... ہاہ...... اب تو بس تخت یا تختہ کا فیصلہ ہونا باقی ہے۔" اس نے الماری سے کپڑے نکال کر افراتفری سے جواب دیا۔

"پر کل سویرے جب بڑے صاحب کو آپ کی غیر موجودگی کا علم ہو گا نا تو بڑی قیامت ہو جائے گی بی بی جی۔" شبو نے ایک بار پھر اسے آئندہ صورتحال سے ڈرایا تو ایک پل کے لئے اس کا الماری میں ہینگ شدہ سوٹ کی طرف جاتا ہاتھ رک گیا۔

"قیامت تو دو دن بعد آئے گی جب وہ اپنے لوفر لفنگے ایک نمبر کے گھٹیا آوارہ بیٹے سے میری شادی کروا کے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنائیں گے، پر میں...... میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی میں ان کے ارادوں کو مٹی میں ملا دوں گی۔" اس نے بنا مڑے اپنے قطعی جائز

موقف کی طرف اشارہ کیا تو شبو خاموش ہو گئی، واقعی وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی اس گھر کے لوگ کتنے ظالم اور سنگدل تھے یہ وہ بھی اچھی طرح سے جانتی تھی اسی لئے اس کا فیصلہ شبو کو بالکل درست لگا۔

''بات تو آپ کی ٹھیک ہے بی بی جی پر کیا آپ کو بالکل بھی ڈر نہیں لگ رہا۔'' سب کچھ جاننے کے باوجود شبو نہ جانے کیوں اسے باز پرس کر رہی تھی تب عروسہ نے پہلی بار مڑ کر اس کے ہوائیاں اڑاتے چہرے کو بغور دیکھا جسے وہ جلد بازی میں یکسر اگنور کیئے ہوئے تھی، حواس باختہ زرد رنگت اور خوب و بے چینی سے دوپٹے کا کونہ بائیں شہادت کی انگلی پر لپٹتی شبو کی اس حالت سے عروسہ کے حسین دودھیا گلابیاں گھلے معصوم چہرے پر شریر مسکراہٹ آسمانی تحفے کی طرح قوس وقزاح جیسے کئی رنگ بکھیر گئی، علاوہ ازیں دائیں بائیں گالوں پر پڑنے والے گہرے گڑھوں نے اس کے بے داغ شفاف چمکتے مکھڑے کو مزید رعنایت بخش دی اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ بے حد خوبصورت تھی تاہم اس کی غیر معمولی پرکشش مسکراہٹ اسے عام لوگوں سے ممتاز کرتی تھی۔

اس کی ننھی آنکھیں ہنسنے کے باعث بالکل بند ہوتی معلوم ہوتی جس کی وجہ سے اس پر جاپانی کی گڑیا کا سا گمان ہوتا، شبو ہمیشہ کی طرح اس کے ڈمپلز میں کھو سی گئی اسے حال میں عروسہ کی آواز نے لوٹایا تھا۔

''کتنی عجیب بات ہے نا، گھر سے میں بھاگ رہی ہوں اور ڈر تجھے لگ رہا ہے۔'' اس نے ضرورت کے تین چار جوڑوں کو ہینگر سے آزاد کر کے تہہ لگاتے ہوئے کہا وہ اپنی ہم عمر سہیلی شبو سے بے حد فرینک تھی کیونکہ وہ دونوں بچپن سے اس گھر میں ایک دوسرے کے ساتھ تھیں۔

مصائب وآلام میں گھری والدین کی سرپرستی سے محروم ان دونوں کی تقریباً ایک سی کہانی تھی، وہ ایک دوسرے کی ہمراز تھیں شبو نے اس کے کپڑوں کو تہہ لگاتے ہوئے کہا، ایک نظر اس کے مطمئن چہرے کو دیکھا جو ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی اپنے ماں بابا کی تصویر کو بڑے پیار سے دیکھ رہی تھی۔

''بی بی جی کیا آپ کو واقعی ڈر نہیں لگ رہا؟''

''یہ گردش زمانہ ہمیں کیا ستائے گی ہم ہیں طواف کوچۂ جاناں کیئے ہوئے۔'' شبو کی بات پر عروسہ نے دل میں دہرایا، پھر اس کی سوئی کو وہیں اٹکے دیکھ کر تاسف سے سر ہلاتی تصویر کو سینے سے لگائے شبو کے قریب رکی۔

''نہیں بالکل نہیں، کیونکہ محبت صرف ایک نام نہیں بلکہ ایک ایسا جذبہ ہے جو پہلے روح کی طرح کسی بھی جسم میں سرائیت کر جاتا ہے پھر جسم کے ہر کونے کھدرے میں سانپ کی طرح کنڈلی مار کر بیٹھ جاتا ہے کہ دیگر جذبات اس کے قریب پھٹکنے سے بھی گھبراتے ہیں، محبت زہر کے ٹیکے کی طرح ہے شبو، اگر کسی کے جسم میں لگ جائے تو دل کی شریانوں میں اتر کر یہ پورے بدن کی نسوں میں موجود خون میں شامل ہو کر برق رفتاری سے دوڑنے لگتی ہے، جس دل میں محبت ہوتی ہے نا شبو اس میں ڈر خوف یا واہموں وسوسوں یا پھر کسی اور جذبے کی گنجائش نہیں ہوتی اور جہاں یہ سب کچھ ہو وہاں محبت نہیں ہوتی اور تم تو جانتی ہو کہ میرے پاس تو صرف ایک ہی دل ہے جس میں یا تو میری محبت ہے یا میرا خدا باقی کچھ بھی نہیں اسے لئے تم......''

''بس بس بی بی جی میں نے تو ایسے ہی پوچھ لیا تھا، آپ تو خواہ مخواہ سبق دینے بیٹھ گئیں۔'' شبو نے اس کی تقریر کو طویل ہوتے دیکھ کر ٹوکا تو وہ خفگی سے اسے گھورنے لگی۔

''اچھا یہ بتائیں کچھ پیسے ویسے بھی لئے ہیں یا نہیں، بلکہ میں تو کہتی ہوں وہ جو دو تین سونے کے سیٹ آپ کی ماما نے آپ کے لئے بنوائے تھے وہ رکھ لیں ضرورت کے وقت کام آئیں گے میں نے بھی خرچے میں سے بچا کر دو چار ہزار جمع کیے ہیں وہ بھی لے لیں، نہ جانے پھر کب ملاقات ہو، تب تک گزارا ہو جائے گا۔'' شبو نے اس کے تہہ شدہ کپڑوں کو سوٹ کیس میں رکھتے ہوئے صلاح دی تو عروسہ اس کی مہربان فطرت اور متفکر سوچ پر ہنس دی وہ ہمیشہ اس کی فکر میں ایسے ہی گھلتی تھی عروسہ کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا کہ اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''نہیں شبو میں اس گھر سے ایسا کچھ بھی نہیں لے کر جاؤں گی کیونکہ یہ سب میرا ہی ہے میں کون سا ہمیشہ کے لئے جا رہی ہوں مجھے تو ایک دن واپس آنا ہے بس ابھی میرے ناتواں بازوؤں میں اتنی طاقت نہیں لیکن جب میں واپس آؤں گی نا تو کسی کے محافظ کندھے کا سہارا میرے ہمراہ ہو گا جس کے بل بوتے پر میں ان ظالموں کا مقابلہ کر سکوں گی بس مجھے تھوڑا انتظار کرنا ہو گا، شبو پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا...... ہے نا؟'' عروسہ نے اس کی حوصلہ افزاء آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تائید چاہی تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا اسی اثناء میں اس کے موبائل کی میسج ٹون بج اٹھی جسے اس نے جھپٹ کر اٹھایا اور اسکرین پر لکھے الفاظ پڑھتے ہی اس کے جسم میں افراتفری دوڑ گئی۔

''شبو کی بچی وہ لوگ آ بھی گئے اور تو نے ابھی تک میرا سوٹ کیس تیار نہیں کیا اب جلدی ہاتھ چلا۔'' موبائل وہیں پھینک کر اس نے دیگر سوٹوں کو ایسے ہی گول مٹول مروڑ کر سوٹ کیس میں ٹھونسا شبو کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے وہ باقی ماندہ اکا دکا چیزیں سب ڈال کر سوٹ کیس بند کرنے لگی تب تک عروسہ الماری میں لٹکی کالی چادر پوری طرح اوڑھ چکی تھی۔

''بی بی جی مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے کل سویرے جب بڑے صاحب، کچہری لگائیں گے تو میں کیا جواب دوں گی، وہ تو مجھے کچا ہی چبا جائیں گے کیونکہ آپ کو نظر بند کرنے کے بعد اس کمرے میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں آتا۔''

''تم ڈرو مت شبو جیسا میں نے سمجھایا ہے تم ٹھیک ویسا ہی کرنا، تالے کی چابی تمہارے پاس ہے، ہر روز کی طرح صبح جب تم ناشتہ لے کر آؤ گی تو کمرہ خالی پا کر شور مچا دینا، جب تم سے پوچھا جائے گا تو میں کمرے میں ہی تھی اس کے بعد تمہیں کچھ پتہ نہیں، دو چار آنسو بہا کر ذرا سا ڈرامہ بھی کر لینا ویسے بھی اکثر ایسے موقعوں پر تمہاری رونی صورت بن جاتی ہے اس لئے تمہیں زیادہ محنت کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی یوں سب کو یقین آ جائے گا اور کسی کو شک بھی نہیں ہو گا، باقی جو ہونا ہے وہ بعد کی بات ہے، اوکے اب مجھے جانے دو۔'' عروسہ نے اس کی پریشانی سمجھتے ہوئے اسے پوری پلاننگ بتائی پھر وہ دونوں کمرے کے اس پار بنی بالکونی کی طرف آئیں جہاں سے باہری تاریک سڑک صاف دکھائی دے رہی تھی، رات کے ڈیڑھ بجے کا ٹائم تھا۔

سڑک بالکل سنسان اور ویران تھی کارنر لیمپ کی بدولت ممکن حد تک سڑک دوسرے موڑ تک روشن تھی ان کی کوٹھی سے چند قدم کے فاصلے پر ایک بائیک اور سڑک کے کارنر پر کھڑی بلیک

گاڑی اسے صاف نظر آ گئی۔

''اچھا شبو زیادہ وقت نہیں ہے میرے پاس زندگی رہی تو انشا اللہ بہت جلد دوبارہ ملاقات ہو گی تب تک کے لئے خدا حافظ۔'' وہ الوداعی سلام کہہ کر بالکونی کا بیرونی شیڈ پھلانگ گئی جہاں سے لان کی دیوار کم اونچی تھی اور یوں وہ آسانی سے گیٹ کی دیوار پر چلتے ہوئے ایک چھوٹا سا جمپ لگا کر باہر جا سکتی تھی، اس نے اپنا چھوٹا سا بیگ نما سوٹ کیس لان کی گھاس پر ہلکے سے پھینکا وہ خود ابھی پھلانگنے ہی والی تھی کہ شبو نے اسے پکارا۔

''ایک منٹ بی بی جی!''

''کیا ہوا؟'' اس نے پوچھا۔

''اپنا بہت سارا خیال رکھیئے گا بی بی جی اللہ آپ کو اپنی امان میں رکھے۔'' وہ شبو کے انداز پر ایک بار پھر ہنسی۔

''تھینکس شبو تم بھی اپنا خیال رکھنا اور یاد رہے میرے ماں بابا کا یہ گھر میری امانت ہے تمہارے پاس جسے میں تمہیں سونپ کر جا رہی ہوں بہت جلد میں اپنی امانت تم سے واپس لے لوں گی تب تک کے لئے میں تمہیں اور اس گھر کو اللہ کی امان میں دیتی ہوں۔'' عروسہ نے اس کے کندھوں پر بھاری ذمہ داری ڈالتے ہوئے اسے گلے سے لگا لیا۔

''خدا حافظ۔'' اس نے الگ ہو کر شبو کا گال تھپتھپایا۔

''رب راکھا بی بی جی، اللہ آپ کو خوش رکھے۔'' شبو نے اسے دعا دی پھر وہ دونوں بچھڑ گئیں زندگی میں پہلی بار لیکن یہ دردی اس کی سہیلی کی زندگی میں نیا موڑ لانے والی تھی، جو خوشیوں سے بھرا تھا اس لئے وہ دل میں دعا گو ہوتی تالا اٹھا کر کمرے سے باہر کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

''واٹ......؟ یہ کیا کہہ رہی ہو فری تمہارے پاس کاٹیج کی چابی نہیں ہے؟'' جہانگیر سمیت سبھی نے حواس باختہ ہو کر فری کی جانب دیکھا۔

''سو سوری گائیز وہ ایکچوئلی میں مما کے کمرے سے چابی نکالنا بھول گئی تھی اور جب تم لوگوں نے مجھے فون کر کے یاد دلایا تب تک مما کمرہ اندر سے لاک کر کے سو چکی تھیں، اب اگر میں مما کو جگا کر ان کی الماری سے چابی نکالتی تو انہیں شک ہو سکتا تھا۔'' فریال نے پریشانی سے ہاتھ مسلتے ہوئے انہیں ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔

''اوہ نو فری، ایک نمبر کی ڈفر ہو تم، تم تو کہہ رہی تھیں میں سب سنبھال لوں گی تو یہ پلاننگ تھی تمہاری۔'' عروسہ نے دانت پیستے ہوئے اسے سرزنش کی کیونکہ موجودہ صورتحال خاصی سنگین تھی جس نے اسے خوفزدہ کر دیا تھا۔

''سوری ایکچوئلی آج صبح ہی ڈیڈی آؤٹ آف کنٹری گئے ہیں، میری غیر موجودگی میں وہ چابی مما کو دے گئے تھے، اگر میں گھر میں ہوتی تب تو مسئلہ ہی کوئی نہیں تھا سب کچھ پلاننگ کے مطابق ہی ہو رہا تھا۔'' فریال نے عروسہ کا غصہ دیکھ کر صفائی پیش کی جس پر وسیم سنجیدگی سے بولا۔

''لیکن، فری فی الوقت تو مسئلہ بن گیا ناں۔'' اس کی بات پر سبھی سوچ میں پڑ گئے۔

''اب کیا ہو گا جہانگیر؟ مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' عروسہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، اس نے گھبرائے لہجے میں جہانگیر سے کہا جو خود بھی گومگو کی کیفیت میں مبتلا تھا۔

''اینی وے کچھ تو کرنا پڑے گا نا دوستو؟ ...ب رات بھر یہاں کھڑے ہو کر گفتگو کرنا بھی ...طرے سے خالی نہیں ہو گا۔'' رامش نے کچھ ...تے ہوئے کہا، وہ سب رات کے تین بجے ...ں کے بنگلے کے لان میں بنے قدرے ...یک گوشے میں کھڑے بڑے محتاط انداز میں ...شیاں کر رہے تھے، رامش کی بات پر فریال ...ک بار پھر گویا ہوئی۔

''اگر آپ لوگوں کو مناسب لگے تو میرے ...س ایک اور آئیڈیا بھی ہے۔''

''لو جی یہاں جان کے لالے پڑے ہیں ...ور محترمہ ابھی اجازت طلب فرما رہی ہیں جلدی ...بو نا، اب کون سا فلاپ آئیڈیا آیا ہے تمہارے ...بونس بھیجے دماغ میں۔'' یاسر جس کی فریال ...کے ساتھ قطعی نہیں بنتی تھی اسے تمہید باندھتا دیکھ کر ...رم ہوا۔

''شٹ اپ تم بھی اپنی بکواس بند رکھو۔'' ...یال کو بھی اس سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔

''پلیز یار اب تم دونوں تو جھگڑا مت کرو کیا ...ئیڈیا ہے تمہارے پاس۔'' جہانگیر نے ہمیشہ کی ...رح انہیں لڑتا دیکھ کر بیچ بچاؤ کرایا اور فریال کو ...وجہ کیا۔

''آئیڈیا یہ ہے کہ بابا رفیق دو دن کی چھٹی ...پنے گاؤں گئے ہیں ان کا سرونٹ کوارٹر خالی ...ے اگر تم لوگوں کو برا نہ لگے تو باقی ماندہ رات ...اں گزار سکتے ہو، عروسہ میرے ساتھ میرے ...کمرے میں سو جائے گی، کچھ ہی گھنٹوں کی تو ...ت ہے، صبح ہوتے ہی مما کلب چلی جائیں گی تو ...میں چابی نکال لوں گی پھر ہم کاٹیج چلے جائیں ...گے، کیا خیال ہے؟'' فریال نے بڑے رسان ...سے پوری بات بتائی جسے سن کر باقی ماندہ پانچوں ...اں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''چلو کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے I think آئیڈیا برا نہیں ہے۔'' رامش نے قدرے توقف کے بعد اپنی رائے دی، جس پر تقریباً اس وقت وہ سب ہی متفق نظر آئے۔

''ہوں، فری تم سنبھال لو گی ناں؟'' متلون مزاج وسیم ابھی بھی شش و پنج میں مبتلا تھا جس پر فریال ہلکے سے مسکرائی۔

''Dont worry yar believe me میں مین کر لوں گی۔'' فریال نے انہیں تسلی دی تو وہ سر ہلاتے اس کی تقلید میں سرونٹ کوارٹر کی جانب چل دیئے۔

☆☆☆

اگلی صبح چھ افراد پر مشتمل ان کا گروپ اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھا، فریال کے بابا کا یہ کاٹیج ان کے بنگلے سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر ایک قدرے کم گنجان آباد علاقے میں واقع تھا جہاں اکثر وہ بزنس میٹنگز کے لئے آتے تھے، دو کمروں، ڈرائنگ روم، اٹیچ باتھ، کچن اور ضرورت کی تمام Luxray سے آراستہ یہ کاٹیج فی الحال عروسہ اور جہانگیر کے لئے کسی جنت نما جائے پناہ سے کم نہ تھا۔

سامان رکھ کر سارے گھر کا جائزہ لینے کے بعد وہ سب ڈرائنگ روم میں جمع ہو کر آئندہ صورتحال پر غور و فکر کرنے لگے، رامش قاضی صاحب کو لینے کے لئے جا چکا تھا، فریال عروسہ کو تیار کرنے کے لئے بیڈ روم میں لے گئی تھی، افراتفری میں ہی صحیح لیکن وہ پہلی بار دلہن بننے جا رہی تھی فریال نے جی جان سے اسے تیار کیا، آخری کار فیروزی اور بے بی پنک کے امتزاج سے آراستہ سوٹ، پرلز اور ملٹی شیڈ نگوں کے سادہ سے کام کے لہنگے میں وہ کسی پرستان کی پری جیسی کھل اٹھی تھی، میچنگ جیولری لائٹ میک اپ اور

تازہ گلاب و موتیے کے گجروں کی آمیزش نے اسے بے حد حسین بنا دیا تھا۔

مزید برآں ڈر خوف گھبراہٹ اور شریک سفر کو پانے کی یقینی خوشی کے ملے جلے تاثرات سمیت اس کا مٹھیوں کو بار بار ہم پیوست کرنا اور گھنی سیاہ پلکوں کو چلمن کی گرا کر ہولے سے اٹھانا اور گلاب کی پنکھڑیوں جیسے نازک اعنابی ہونٹوں کو دانتوں تلے دبا کر آزاد کرتی یہ ادائیں اس کے حسن کو چار چاند لگا گئیں، مکمل تیاری کے بعد حتمی جائزہ لیتے ہوئے فریال بے یقینی کی کیفیت میں بے ہوش ہوتے ہوتے بچی وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ عروسہ کی شکل میں چاندنی جیسا تراشہ ہوا یہ مجسم پیکر اس کے ماہرانہ ہاتھوں کا کمال تھا یا پھر بقول بزرگوں کے اس پر دلہناپے کا روپ ڈٹ کر آیا تھا۔

خیر جو بھی تھا فریال نے اس کی بلائیں لیتے ہوئے گلے سے لگا لیا، جس پر عروسہ شرما کر ہلکے سے مسکراتی آنکھیں بند کر گئی ادھر جہانگیر بھی سفید سوٹ میں مکمل تیار کھڑا کسی ریاست کے شہزادے سے کم بھی نہیں لگ رہا تھا یعنی دونوں پر چاند سورج کی جوڑی کا گمان ہو رہا تھا، قاضی صاحب آ چکے تھے گواہان یعنی جہانگیر کے دوست پہلے سے موجود تھے جبکہ عروسہ، فریال کے ہمراہ سامنے والے کمرے میں تھی۔

چونکہ لڑکا لڑکی بنا کسی زور زبردستی ایک دوسرے کے ہم سفر بننے پر خوشی سے راضی تھے لہٰذا قاضی صاحب نے بنا کسی تردد کے نکاح کا فریضہ سرانجام دے دیا یوں لمحوں کی کٹھن آزمائش کے بعد وہ دونوں جیون ساتھی بن گئے۔

جہانگیر کے دوستوں نے منہ میٹھا کروا کے اسے باری باری گلے لگا کر مبارکباد دی، جہانگیر کا کھل کر مسکرانا اس کی بے پناہ خوشی کا غماز تھا، عروسہ کی بھی آنکھوں میں آنسو البتہ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، دل سے ایک بوجھ ہٹ گیا تھا کیونکہ جس کام کو وہ ایک کٹھن مہم سر کرنے کے مترادف سمجھ رہی تھی وہ اتنی آسانی سے طے پا گیا تھا اور دوسری جانب جہانگیر جیسے بے پناہ جان چھڑکنے والے ہم سفر کو پا کر وہ جیسے ہواؤں میں اڑنے لگی تھی۔

قاضی صاحب اپنی فیس لے کر جا چکے تھے، مغرب کا وقت ہو چلا تھا اور فریال کو اندھیرا ہونے سے پہلے گھر پہنچنا تھا، وسیم اسے گھر ڈراپ کرنے کے لئے بالکل تیار تھا تاہم جانے سے قبل فری نے عروسہ کو خوب چھیڑا پھر آئندہ زندگی کی نیک دعائیں دیتی رخصت ہو گئی۔

ادھر رامش اور یاسر، جہانگیر کو کھینچ کھانچ کر سادہ سے بیڈ روم کو حجلہ عروسی بنانے میں جت گئے۔

اور بالآخر ایک گھنٹے کی تھکا دینے والی مشقت کے بعد رنگ برنگے تازہ گلاب کے پھولوں سے سجا سنورا وہ بیڈ روم ہر طرح سے ایک مکمل شب زفاف کا نقشہ پیش کر رہا تھا، سینے پر ہاتھ باندھ کر حتمی جائزہ لیتے ہوئے جہانگیر کی نظر پتیوں سے بنے دل پر ٹھہر گئی، اسے یوں مگن دیکھ کر یاسر کی نس شرارت فوراً پھڑ پھڑائی۔

''آہم......'' یاسر کے گلا کھنکارنے پر بری طرح چونکا۔

''صبر میرے دوست صبر، بس اب تو کچھ دیر کی بات ہے پھر آپ ہونگے وہ ہونگی اور یہ عروسہ...... مم...... مم...... میرا مطلب ہے عروسی۔'' یاسر نے جان بوجھ کر عروسہ کا استعمال کیا تاہم اس مرتبہ جہانگیر نے اسے گھورنے کی بجائے ہنستے ہوئے ایک دھپ رسید کی۔

''او کے یار مجھے تو بہت سخت نیند آ رہی ہے I think اب چلنا چاہیے Take your time and gud luck۔'' رامش نے بھرپور انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

''میں بھی چلتا ہوں برادر، ویسے بھی آج خواب میں مجھے میری گرل فرینڈ نے چائے پر انوائیٹ کیا ہے، جلدی سے جا کر سوتا ہوں ورنہ میں لیٹ ہو جاؤں گا۔'' یاسر بھی جہانگیر کو بعجلت گلے لگا کر کہتا ہوا رامش کے ساتھ ہی باہر نکل گیا۔

☆☆☆

رات کا تقریباً درمیانہ پہر تھا، چار سو سناٹا پھیلا ہوا تھا ہر ذی روح اس وقت خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا اور ایک وہ تھی کہ نیند کا کچھ اتا پتہ نہ تھا، وسیم نے جانے جہانگیر کو لے کر کہاں غائب ہو گیا تھا، جبکہ وہ پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے انتظار کی سولی پر لٹک رہی تھی، وہ کمرے کی سجاوٹ پر نظر ڈال کر وہ آپ ہی آپ مسکراتے ہوئے شرما گئی۔

ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے رہنے کے باعث اس کی کمر تختے کی مانند اکڑ سی گئی تھی، چنانچہ خود کو ریلیکس کرنے کی خاطر وہ ٹانگیں بیڈ سے نیچے لٹکا کر بیٹھ گئی اور یوں ہی غیر ارادی طور پر ذرا سا بائیں ہاتھ جھک کر بیڈ کے عین وسط میں گلاب کی پتیوں سے بنے دل کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے لگی، تازہ پھولوں کی فرحت آمیز خوشبو اس کی روح و جسم پر ایک پرکیف سا سحر طاری کر رہی تھی لبوں پر مسکراہٹ سجائے وہ پتیوں پر انگلیاں پھیرنے میں مگن تھی کہ اچانک جہانگیر کے بنا دستک دیئے اندر داخل ہونے پر ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی، ادھر اپنی ہی دھن میں آتے جہانگیر کی نظر جیسے ہی سامنے پھولوں کی مسہری میں براجمان پری پیکر پر پڑی تو اس کا تو گویا دل ہی دھڑکنا بھول گیا۔

حسین و مہ جبین تو وہ پہلے تھی پر آج تو سر سے پاؤں تک بس قیامت ہی قیامت تھی اس کے شادابیاں گھلے چہرے پر سادگی سے کیے گئے میک اپ کے باوجود ٹوٹ کر روپ آیا تھا، اس لمحے جہانگیر اپنی قسمت پر دل کھول کر رشک کر رہا تھا۔

البتہ عروسہ اسے یوں یک ٹک اپنی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ کر کھڑی ہو گئی اگرچہ یہ دونوں کی محبت کی شادی تھی اور دونوں اچھے خاصے فرینک بھی تھے پر نہ جانے کیوں عروسہ کو جہانگیر سے بے انتہا شرم محسوس ہوئی۔

شاید یہ ماحول کا اثر تھا اور نئے قائم ہونے والے رشتے کا تقاضا بھی کہ دونوں ایک دوسرے کے بن گئے تھے اب نہ کوئی پردہ تھا اور نہ ہی کوئی دیوار۔

سامنے کھڑا یہ شخص اب اس کے دل و جان کا بھی مالک بن گیا تھا اور عروسہ مکمل طور پر اس کی تحویل میں آ گئی تھی، انہی سوچوں کے زیر اثر وہ جہانگیر کو یوں خود کو دیکھتے پا کر اچھی خاصی نروس ہو گئی۔

اور عروسہ کا یوں نظریں جھکانا جہانگیر کا دل لوٹ کر لے گیا یوں کہ وہ خود پر رہا سہا اختیار بھی کھو بیٹھا اور چند قدم پر مشتمل درمیانی فاصلہ سمیٹ کر اس کے بے حد قریب آ گیا، پھر اس کے چاند چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں بھر کر دودھیا گال پر پیار کی کلی کھلا دی۔

اگرچہ بعجلت طے پانی والی یہ حرکت دونوں کے لئے ہی غیر متوقع تھی، تبھی عروسہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی اور شرم کے مارے آنکھیں زور سے میچ لیں۔

دھڑکنیں تھیں کہ خطرناک حد تک بے قابو ہوگئی تھیں، ابھی وہ موجودہ سحر سے باہر نہیں نکلی تھی کہ اس کے گرد اپنے مضبوط بازوؤں کا گھیرا بنا کر اسے اپنی ذات میں مقید کرلیا، عروسہ بھی اس کی محافظ پناہوں میں آنے کے بعد اس کے سینے میں چہرہ چھپا گئی، نہ جانے کتنی ہی دیر وہ ایک دوسرے کی کہرام مچاتی پاگل دھڑکنوں کو محسوس کرتے رہے دنیا و مافیا سے بے خبر آنکھیں موندیں مکمل طور پر ایک دوسرے میں گم کہ اچانک جہانگیر کے ہونٹوں کی ہلکی سی جنبش نے اس طلسم کو توڑا۔

''عروسہ...... میری زندگی...... یہ حسن مجسم اور یہ چاندنی جیسا مخملی روپ اس پر بجلیاں گراتے شباب پر صرف میرا حق ہے نا۔'' نہ جانے کیسی بے یقینی کیسی پیاس تھی اس کے لہجے میں جواب جاننے کے باوجود وہ اجازت طلب کر رہا تھا۔

عروسہ نے ہلکا سا سر اٹھا کر پہلی بار اس کی مخمور آنکھوں میں جھانکا، جہاں لطف و سرور کا ایک مکمل جہاں آباد تھا۔

''خدا گواہ ہے کہ میں پہلے بھی تمہاری امانت تھی اور اب بھی میں دل و جان سے تمہاری ہوں، صرف تمہاری۔''

دور آسمان پر چاند ستاروں کی بارات ان کے ملن کا جشن مناتی صبح کے اجالے میں گم ہونے کو تیار اپنے اختتامی سفر کی جانب رواں دواں ہوگئی۔

☆☆☆

اگلی صبح عروسہ گیلے بالوں کو تولیے میں جوڑے کی شکل میں لپیٹ کر باہر نکلی تو سامنے پہلی نظر ہی جہانگیر پر پڑی جو تکیے کو دائیں ٹانگ کے نیچے دبائے الٹا لیٹے مکمل طور پر نیند کی وادیوں میں غرق تھا اسے بچوں کی طرح بے سدھ دیکھ کر عروسہ کو شرارت سوجھی۔

وہ آہستہ سے چلتے ہوئے اس کے سرہانے کھڑی ہوئی اور اپنے گیلے بالوں کو تولیے سے آزاد کر کے اس کے وجیہہ چہرے پر زور سے جھٹکا، شبنم کے ٹھنڈے ٹھنڈے قطروں کی اوس گرنے پر جہانگیر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اس سے پہلے کہ وہ صورتحال سمجھ پاتا عروسہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

جہانگیر کو بیدار کرنے کا یہ تجربہ اسے خاصا مزے کا لگا، دوسری جانب جہانگیر اسے یوں دھڑلے سے ہنستا دیکھ کر کہتے کہتے رک گیا، گیلے بالوں سے موتی گراتی میک اپ سے پاک صاف شفاف بے داغ نکھری نکھری سی صبح کی پہلی کرن کی مانند اپنی چاندی جیسی مسکراہٹ کی شوخیاں چارو اور بکھیرتی وہ کس قدر حسین لگ رہی تھی۔

جہانگیر اس کے دودھیا گالوں میں پڑنے والے گڑھوں میں کھو سا گیا اور عروسہ کی ہنسی کو بریک دروازے کی دستک سن کر لگا، نوارد یاسر تھا عروسہ نے جلدی سے دوپٹہ اوڑھ کر آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

''ٹن...... ٹران...... ناشتہ ریڈی ہے دوستو۔'' یاسر نے ناشتے کی ٹرے کو انگلیوں کی مدد سے گھما کر بڑے دھڑلے سے انٹری دی، پھر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندے جہانگیر پر نظر پڑتے ہی وہ دنگ رہ گیا۔

''ہائیں...... جہانگیر میرے یار...... یہ ایک رات میں تجھے کیا ہوگیا بھائی؟ کہاں تو ہاسٹل کا سب سے پہلے بیدار ہونے والا لڑکا تھا اور کہاں ابھی تک......؟'' ٹرے سامنے میز پر رکھتے ہوئے یاسر نے اس کا تمسخر اڑایا پھر دو قدم ریورس میں چلتے ہوئے وہ عروسہ کے برابر میں

کھڑے ہو کر خاصے سرگوشیانہ انداز میں گویا ہوا۔

''ویسے آپس کی بات ہے عروسہ بھابھی جی (بھابھی جی پر خاصا زور دیا گیا)۔''

''شٹ اپ...... وہ کب کے جاگ چکے ہیں۔'' عروسہ بولی۔

''اوکے اوکے Calm down اب تم تو کم از کم نہ ڈانٹو یار، پہلے کیا میرے دشمنوں کی کمی ہے جو......''

''بہر حال تم لوگ فریش ہو کر آرام سے ناشتہ کر کے آجاؤ ہم سب تمہارا ڈرائنگ روم میں ویٹ کر رہے ہیں۔'' یاسر کے جانے کے بعد جہانگیر کسلمندی سے انگڑائی لیتا فریش ہونے کی غرض سے باتھ روم کی جانب چل پڑا۔

☆☆☆

''اوکے گائیز یہاں تک تو سب بڑی آسانی سے ہوگیا But now what about next؟'' وہ سب ڈرائنگ روم میں سر جوڑے آگے کی صورتحال کا جائزہ لے رہے تھے، فریال بھی پہنچ چکی تھی وسیم کی بات پر سب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے کیونکہ بعد کی کسی نے پلاننگ نہیں کی تھی۔

''مجھے تو صحیح معنوں میں اب ڈر لگ رہا ہے پتہ نہیں آگے کیا ہوگا؟'' عروسہ نے بے چینی سے ہاتھ مسلتے ہوئے کہا۔

''اب تم لوگ ڈیسائیڈ کرلو کہ بچے دو ہی اچھے یا پھر کرکٹ ٹیم۔''

''کم آن یاسر کبھی تو سیریس ہو جایا کرو، اگر کوئی آئیڈیا نہیں دے سکتے تو پلیز اپنا منہ بند رکھو۔'' یاسر نے عروسہ کے ہوائیاں اڑے چہرے پر مسکراہٹ لانے کی غرض سے عادتاً چٹکلا چھوڑا تاہم سنجیدہ مزاج وسیم نے اس کے بے موقع مزاح پر ڈانٹ دیا۔

''اوہ...... ہو...... آئیڈیا؟...... اور وہ بھی یاسر جس کا دماغ نہیں ہے۔'' فریال نے بھی یاسر کی عزت افزائی ہوتے دیکھ کر اپنا حصہ ڈالا۔

''تم بھی ذرا اپنی چونچ بند رکھو، مینڈکی کیونکہ فارغ الدماغ مخلوق میں تم بھی میری ہم پلہ ہو بلکہ Top of the list ہو سمجھیں۔'' یاسر بھی کہاں پیچھے رہنے والا تھا، ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''اب اگر تم دونوں کی بکواس بند ہوگئی ہو تو ہم کام کی بات کریں۔'' بحث طویل ہوتے دیکھ کر جہانگیر کو مجبوراً بیچ میں کودنا پڑا جس پر وہ دونوں ہی شرمندہ ہو کر پہلو بدل کر رہ گئے۔

''ابھی ہم لوگ اس شادی کو شو آف سے بڑا مسئلہ رہائش کا ہے فریال کے ڈیڈ کی واپسی سے پہلے ہمیں یہ گھر خالی کرنا ہوگا جبکہ دوسری طرف عروسہ کے گھر والے پاگلوں کی طرح اسے تلاش کر رہے ہونگے اور ہوسکتا ہے انہوں نے پولیس سے بھی مدد مانگی ہو۔'' وسیم نے اپنا اظہار خیال بتایا جس پر کچھ تاخیر کے بعد فریال نے تجویز پیش کی۔

''جہانگیر تم عروسہ کو حویلی کیوں نہیں لے جاتے؟ گاؤں کی طرف تو اس کی فیملی کا بالکل بھی دھیان نہیں جائے گا۔''

''نہیں فری Its not possible اپنی فیملی کو اعتماد میں لینے کے لئے مجھے ابھی تھوڑا وقت چاہیے کیونکہ ہم وڈیروں میں خاندان سے باہر شادی نہیں کی جاتی پھر میں تو اس گاؤں کے کرتا دھرتا وڈیرے عالمگیر کی اکلوتی اولاد ہوں جو اصولوں کی پاسداری کے معاملے میں اپنی مثال آپ ہیں۔'' جہانگیر نے عذر پیش کرتے ہوئے اس کے مشورے کی تردید کی۔

''اور جہاں تک میرا خیال ہے عروسہ کو کالج

بھی بالکل نہیں جانا چاہیے کیونکہ اگر اس کی فیملی نے پولیس سے رابطہ کیا تو وہ پوچھ تاچھ کے لئے کالج ضرور جائے گی۔" رامش نے بھی پہلی بار مداخلت کی۔

"تو؟ پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" فری کے سوال پر ایک بار پھر خاموشی چھا گئی جسے وسیم نے ہی توڑا۔

"دوستو مجھے لگتا ہے اس قصے کو فی الوقت یہیں Pending کر دینا چاہیے لیکن عروسہ تمہیں کالج جانے سے خطرہ ہو سکتا ہے اس لئے کچھ دن تم منظر سے غائب رہو گی یعنی اسی گھر میں اور ہم سب نارمل روٹین کی طرح اپنی کلاسسز اٹینڈ کرتے ہیں، باقی رہے آگے کی بات تو انشا اللہ موقع کی مناسبت سے کچھ نہ کچھ تو پلان کر ہی لیں گے کیوں جہانگیر؟" اپنی بات کے اختتام پر وسیم نے تائیدی نظروں سے اسے دیکھا جو گہری سوچ میں گم تھا۔

"ہوں..... وسیم ٹھیک کہہ رہا ہے ابھی خاموشی اختیار کرنا ہی بہتر رہے گا آگے کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکل آئے گا۔" جہانگیر نے طویل سانس خارج کرتے ہوئے کہا، جس پر سب کو متفق ہونا پڑا کیونکہ اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی چارا نہیں تھا۔

☆☆☆

عروسہ کی گمشدگی کی خبر نے اس کے گھر میں ہلچل مچا دی، اس کے تایا کمال اور تائی بختاور کو تو اپنی برسوں کی محنت پر پانی پھرتا نظر آ رہا تھا، عروسہ سونے کی چڑیا تھی جس کا یوں پھر سے اڑ جانا ان کو بہت مہنگا پڑ سکتا تھا، وہ سالوں سے اس گھر میں بیگانی دولت پر عیش کر رہے تھے تاہم عروسہ کے ایک اشارے پر وہ لمحوں میں کنگال ہو سکتے تھے، اسی بنا پر وہ زور زبردستی سے عروسہ کی شادی اپنے بیٹے تیمور سے کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ ہمیشہ کے لئے اس دولت پر قابض ہو جائیں، کیونکہ عروسہ کے والد مرحوم کی وصیت کے مطابق عروسہ کی شادی کے بعد ساری جائیداد حتیٰ کہ بینک بیلنس میں بھی اس کا شوہر برابر کا شراکت دار بن جاتا عروسہ کے یوں اچانک فرار ہونے پر جہاں تایا تائی کے ہاتھوں کے طوطے اڑے ہوئے تھے وہیں تیمور عرف (ٹونی) کا تو دن کا چین اور رات کی نیندیں اڑی ہوئی تھیں وہ دولت کا لالچی ہونے کے علاوہ عروسہ کے حسن و شباب پر میلی نظر بھی رکھتا تھا، لیکن عروسہ کے چہرے پر ہمہ وقت آویزاں No lift کے بورڈ کی وجہ سے وہ اس قدر جنونی ہو گیا تھا کہ ہر قیمت پر عروسہ کو حاصل کرنا چاہتا تھا، تاکہ اس کے غرور اور پھول سے نازک شباب کو اپنے پیروں تلے مسل دے، لیکن عروسہ کا یوں عین شادی کے قریب گھر سے بھاگ جانا، اس کے سارے ارادوں کو مٹی میں ملا گیا۔

غم و غصے کی شدید لہر نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا جس کے باعث وہ بھوکے شیر کی طرح اس کے خون کا پیاسا اسے ڈھونڈ نکالنے میں کمربستہ ہو گیا، اس کام میں اس کے والدین نے بھرپور ساتھ دیا۔

شہر کے تمام تھانوں، نیوز چینلو حتیٰ کہ اخبارات میں، بیں اس کی گمشدگی کی خبر نشر کر دی گئی، پولیس نے کھوج نکالنے کے لئے وقت مانگا۔

ٹونی اگرچہ پولیس کی کارکردگی سے مطمئن تھا تاہم وہ اپنے تئیں پتہ لگانے کی غرض سے بار بار کالج گیا لیکن کوئی سراغ نہ ملا، فری اور عروسہ کی دوستی سے وہ خوب واقف تھا کیونکہ اکثر فری عروسہ کے ہمراہ گھر آتی رہتی تھی۔

فریال سے بھی اس نے کئی بار پوچھا مگر ہر بار اس کے لاعلمی ظاہر کرنے پر مایوس لوٹتا البتہ اس کی شیطانی رگ پھڑ پھڑائی کہ کہیں نہ کہیں دال میں کچھ کالا ہے کیونکہ فریال کا اپنی گہری دوست کے بارے میں یوں لاتعلقی ظاہر کرنا اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گیا اور بالآخر اس نے فریال کی جاسوسی کرنے اور اس پر نظر رکھنے کا پلان بنایا جس میں وہ بہت جلد کامیاب ہو گیا کیونکہ فری ہر روز عروسہ سے ملنے اپنے ڈیڈ کے کاٹیج جاتی، جہاں وہ سب دوست آپس میں میٹنگ کرتے، فری انہیں ہر خبر سے اپ ڈیٹ کر رہی تھی۔

عروسہ کو ایک طرح سے کچھ دنوں کے لئے نظر بند کرنے کے ساتھ ساتھ گھر میں بھی ہمہ وقت چوکنا رہنے کی سختی سے تلقین کی گئی تاکہ ان نازک حالات میں کسی کو شک نہ ہو، وہ سب اس بات سے قطعی لاعلم تھے کہ مکان کی دیواریں خواہ کتنی ہی بلند کیوں نہ کر لی جائیں، چڑھتے سورج کی روشنی اندر جانے کا راستہ خود ہی بنا لیتی ہے۔

ٹونی نے فری کا پیچھا کر کے عروسہ کا پتہ لگا ہی لیا اور بالآخر پولیس کی گاڑی میں سوار ٹونی نے عین اس وقت چھاپا مارا جب فری کالج آف ہونے کے بعد جہانگیر کے ساتھ ہی واپس آ رہی تھی، عروسہ اس وقت گھر پر اکیلی تھی، وہ تینوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے کہ اچانک مسلح پولیس نے دھاوا بول دیا اور انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا، ٹونی بھی ان کے ہمراہ تھا۔

☆☆☆

ٹونی نے جہانگیر پر عروسہ کو اغواء کرنے کا الزام لگایا تھا جسے جہانگیر کے ساتھ ساتھ خود عروسہ بھی ماننے سے انکاری تھی، اس وقت وہ تھانے میں موجود تھے۔

"میرا یقین کیجئے انسپکٹر صاحب مجھے کسی نے اغواء نہیں کیا میں خود اپنی مرضی سے اس کے ساتھ آئی ہوں جہانگیر میرے شوہر ہیں ہم نے باقاعدہ نکاح کیا ہے، بالغ ہونے کے ناطے میں ایسا کرنے کا پورا اختیار رکھتی ہوں اور ہاں مجھ پر کوئی زور زبردستی نہیں کی گئی، ہاں البتہ میں اگر گھر سے نہ بھاگتی تو شاید کچھ لوگ زور زبردستی سے میری شادی میری مرضی کے خلاف کروا دیتے۔"

عروسہ نے اپنا بیان دیتے ہوئے کن اکھیوں سے ٹونی کو دیکھا جو بظاہر تو نظریں چرا گیا تاہم عروسہ کے نکاح والے انکشاف نے اس پر بجلی گرا دی تھی، وہ سمجھا شاید عروسہ اس سے بچنے کی خاطر جھوٹی کہانی گھڑ رہی ہے۔

"یہ سب جھوٹ ہے اور کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ اس آدمی سے تمہارا نکاح ہوا ہے؟"

"یہ رہا ثبوت۔" اس سے پہلے کہ عروسہ اس کے تقاضے کا کوئی جواب دیتی فریال عین موقع پر نکاح نامہ لے کر پہنچ گئی۔

ایک لیڈی کانسٹیبل کو نگرانی کے طور پر اس کے ساتھ بھیجا گیا تھا کیونکہ وہ بھی موقع پر موجود ہونے کی وجہ سے پولیس حراست میں تھی۔

"یہ لیجئے سر ان دونوں کا نکاح نامہ۔" فری نے زہر خند نظروں سے ٹونی کو گھورتے ہوئے وہ کاغذ جان بوجھ کر اس کے سامنے لہرا کر انسپکٹر کی جانب بڑھایا، جسے وہ بغور پڑھنے لگا انسپکٹر کے چہرے کے ڈھیلے پڑتے تاثرات سے بات واضح تھی، کہ اس کے ہاتھ میں موجود نکاح نامہ بالکل اصلی تھا تاہم ٹونی کسی صورت بھی ہار ماننے کو تیار نہ تھا۔

"جھوٹ یہ سب لوگ مل کر ایک گیم پلان

کے مطابق آپ کو اعتماد میں لے رہے ہیں انسپکٹر صاحب، یہ...... یہ نکاح نامہ جعلی بھی تو ہو سکتا ہے اور ویسے بھی نکاح کے لئے ایک عدد قاضی اور چند گواہان کا موجود ہونا لازمی ہے، ان سے کہیے اگر ان کا واقعی نکاح ہوا ہے تو گواہوں اور قاضی کو تھانے میں پیش کریں۔'' ٹونی نے اپنی گیم کا آخری پتہ بھی پھینکا تاہم جہانگیر بھی کچا کھلاڑی نہیں تھا وہ اطمینان سے مسکرایا۔

''کیوں نہیں، ابھی کچھ ہی دیر میں قاضی صاحب اور میرے دوست جن کی موجودگی میں ہمارا نکاح ہوا ہے یہاں پہنچنے والے ہیں، میں نے انہیں آل ریڈی کال کر دی ہے ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔'' اور ایسا ہی ہوا، ٹھیک آدھے گھنٹے بعد مطلوبہ افراد انسپکٹر باسط کے سامنے موجود تھے قاضی صاحب نے ان کے نکاح کی باقاعدہ تصدیق کی جسے سن کر انسپکٹر پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

''اتنا سب کچھ کافی ہے انسپکٹر صاحب یا آپ کو یقین دلانے کے لئے کوئی اور ثبوت دینا پڑے گا۔''

''ویسے ہمارے پاس ان دونوں کی شادی کی تقریب کی تصویریں بھی ہیں اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم وہ بھی پیش کر سکتے ہیں۔'' وسیم نے تسلی سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''Oh no gentle man اس کی ضرورت نہیں I am extremly sorry کہ محض ایک غلط فہمی کی بناء پر ہم نے آپ سب کو اتنی تکلیف دی، لیکن سچ ہو یا جھوٹ ہمیں اپنی ڈیوٹی تو کرنی پڑتی ہے I hope you understand۔'' انسپکٹر باسط نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا ساتھ ہی اس نے تیمور کی جانب غصیلی نظروں سے دیکھا۔

''مسٹر تیمور اب آپ کو ان سے معافی مانگنی چاہیے کیونکہ جس طرح آپ نے ان شریف لوگوں کو ذلیل کیا ہے اس کے بدلے میں یہ آپ کو جھوٹا الزام لگانے کے جرم میں آپ پر کیس بھی کروا سکتے ہیں۔'' انسپکٹر کی بات سن کر تیمور کے اندر غصے کا شدید ابال اٹھا جسے وہ مجبوراً دبا گیا، تاہم جانے سے قبل انتہائی غصے سے مٹھیاں بھینچتا وہ کچھ پل عروسہ کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا پھر انتقامی جذبات کو قابو کرتا وہاں سے چلتا بناء، جہانگیر بھی انسپکٹر سے رسمی علیک سلیک کرنے کے بعد اپنے دوستوں کے ہمراہ وہاں سے نکل آیا۔

اب چونکہ بلی تھیلے سے باہر آ چکی تھی تو مزید تاخیر نہ کرتے ہوئے عروسہ نے انسپکٹر باسط کی ہی مدد سے (جو کہ ایک ایماندار انسان تھے) اپنے تایا تائی اور تیمور کو گھر سے نکال باہر پھینکا جس پر وہ تینوں اپنا سامنہ لے کر ہمیشہ کے لئے رفو چکر ہو گئے۔

☆☆☆

وصیت کے مطابق جہانگیر اب عروسہ کی جائیداد میں برابر کا حصے دار تھا، لیکن اس نے یہ سب لینے سے انکار کر دیا، کیونکہ وہ فقط عروسہ سے محبت کرتا تھا اس کی دولت سے نہیں البتہ اب انہیں رہنے کے لئے ایک بہترین ٹھکانہ مل گیا تھا، فائنل ایگزام شروع ہونے والے تھے اور وہ دونوں ٹینشن فری ہو کر ایگزامز کی تیاری کرنا چاہتے تھے، اس کے بعد ہی جہانگیر اپنی اور عروسہ کی شادی کے بارے میں گھر والوں کو بتا کر انہیں راضی کرنے کے ساتھ ساتھ عروسہ کو حویلی جانے کا بھی بندوبست کرنا چاہتا تھا، لیکن ایک مشہور کہاوت ہے کہ عشق عشق چھپائے نہیں چھپتے، چاہے سات پردوں میں کیوں نہ کی جائے

محبت ایک دن دنیا پر آشکار ہو ہی جاتی ہے، عروسہ جہانگیر کی داستان عشق بھی آگ کی طرح پھیلتی گاؤں تک جا پہنچی، سائیں وڈیرا اس خبر کو سن کر سکتے میں آ گئے، تاہم اس افواہ کو ممکنہ حد تک جھوٹ سمجھ کر اس کی تصدیق کی خاطر انہوں نے خود شہر جانے کا فیصلہ کیا۔

دوسری جانب ایگزامز شروع ہو گئے وہ سب پوری لگن سے امتحانات میں مصروف تھے کہ عروسہ نے ایک لو رایٹم پھوڑ دیا، وہ ماں بننے والی تھی، اس کی پریگنینسی کی خبر سے سب میں Excitment پھیل گئی۔

جہانگیر کا تو خوشی کے مارے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہا تھا لیکن پریشان بھی ہو گیا تھا کیونکہ اب اس شادی کو گھر والوں سے مزید راز رکھنا اب ممکن نہ تھا۔

جب سے عروسہ اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی، وہ اس کے بارے میں زیادہ محتاط اور حساس ہو گیا تھا، عروسہ کو اس پل اپنے شوہر کی محبت کے علاوہ کسی بڑے کی توجہ کی سخت ضرورت تھی اور اس کام کے لئے جہانگیر کو اپنی اماں سائیں کی پیار اور اطمینان بھری آغوش سے بہتر کوئی اور ٹھکانہ نہ لگا، لیکن وہ انہیں بتاتا بھی تو کیسے، بابا سائیں کے جاہ و جلال سے وہ خوب اچھی طرح واقف تھا۔

امتحان ختم ہونے اور عروسہ کے ماں بننے کی خوشی میں انہوں نے گھر پر ہی Get together اس نئے کھڑے ہونے والے مسئلے کا حل تلاش کرنا تھا، فریال جو ننھے مہمان کے آنے پر کچھ زیادہ ہی Exeited تھی، وہیں عروسہ کی دیکھ بھال کے معاملے میں فکر مند بھی تھی۔

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو جہانگیر، ان حالات میں عروسہ کو تمہاری والدہ کی ضرورت ہے، ایک عمر رسیدہ اور تجربہ کار ہونے کے ناطے وہ اس کا بہتر طور پر خیال رکھ سکتی ہیں۔'' فریال نے بھی جہانگیر کے خیال کو سراہا۔

''پہلے تو صرف شادی کا مسئلہ تھا پر اب تو میری زندگی میں اتنی بڑی خوشی آنے والی ہے اماں اور بابا سائیں دادا دادی بننے والے ہیں پتہ نہیں وہ یہ سب سن کر کیا ری ایکٹ کریں گے؟'' بابا سائیں کے غصے اور ناراضگی کے ڈر کے علاوہ جہانگیر کو کچھ اور سجھائی نہیں دے رہا تھا، اسے یوں پریشان خود سے لڑتا دیکھ کر عروسہ تڑپ اٹھی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے آہستہ سے گویا ہوئی۔

''ان سب کی ذمہ دار میں ہوں جہانگیر، میری نحوست نے تمہیں بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، دیکھو ناں جب سے تمہاری زندگی میں شامل ہوئی ہوں ٹینشن کے علاوہ کچھ نہیں دے پائی، میں نے تمہیں بہت مشکل میں ڈال دیا ہے جہانگیر کاش...... کاش کہ میں......؟'' عروسہ نے تو دل کا غبار نکال دیا تھا تاہم اس کے الفاظ برچھیوں کی طرح جہانگیر کا سینہ چھلنی کر گئے، ایک جھٹکے سے اٹھ کر اس کے لبوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے عروسہ کو مزید کوئی دل شکن بات کہنے سے روکا۔

''خبردار...... اگر کوئی بھی دل خراش بات منہ سے نکالی ہو تو، تم بوجھ نہیں ہو میری جان، تم تو میری زندگی کا اثاثہ ہو، میرے ہونے والے بچے کی ماں، تم دونوں تو اب میری کل دنیا ہو، اس لئے آئندہ کچھ بھی برا مت بولنا پلیز۔''

''یہ نالائق گدھا الو دا پٹھا بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے بہو۔'' بات قطعی غیر متوقع تھی تاہم کسی کی مانوس اور گرج دار آواز نے سب کو پلٹنے پر مجبور کر دیا، لیکن سامنے اپنے مخصوص جاہ و جلال اور رعب شخصیت کے مالک وڈیرے عالمگیر کو ایستادہ دیکھ کر جہانگیر سمیت باقی سب کے بھی پیروں تلے سے زمین کھسک گئی۔

☆☆☆

حویلی میں پنچایت لگی تھی اس بار سرپنچ کے سامنے مجرم کوئی اور نہیں بلکہ ان کا اپنا خون تھا جس سے انہیں اس حرکت کی قطعی امید نہ تھی اماں سائیں بظاہر تو بابا سائیں کے سامنے اپنے غصے اور ناراضگی کا اظہار کر رہی تھیں تاہم اندر سے ان کا دل دادی بننے کی مسرت کے باعث بلیوں اچھل رہا تھا۔

بابا سائیں پیٹھ میں ہاتھ باندھے ماتھے پر خطرناک حد تک تیوریاں چڑھائے غصے سے کھولتے دائیں بائیں چکر کاٹ رہے تھے، ان کے اس جارحانہ انداز پر وہاں موجود جہانگیر، عروسہ ان کے دوست حتیٰ کہ اماں سائیں سمیت سب کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا اور بالآخر لمحہ منتظر کے بعد وہ کچھ بولنے کی پوزیشن میں نظر آئے۔

''ہم نے اپنی لڑکیوں کو گاؤں سے باہر تعلیم حاصل کرنے کی اجازت اس لئے کبھی نہیں دی کہ کہیں شہر کی باغی ہوائیں انہیں ہمارے رسم و رواج اور اصولوں کے خلاف سرکش نہ بنا دیں، ہر یہی خوف ہمارے بیٹے کی صورت میں ہمارے سامنے آ گیا، پوری برادری میں تو کیا پورے گاؤں میں تم نے ہماری ناک کٹوا دی، تم نے ہمیں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا'' وڈیرے عالمگیر کا سر شرم سے جھکا دیا۔

بابا سائیں کی چپ کا روزہ اس گمبھیر انداز میں ٹوٹے گا اس کا جہانگیر کو خاطر خواہ اندازہ تھا، تاہم فی الوقت ان کے سامنے مزاحمت کرنے یا اپنا موقف بیان کرنے کی ہمت وہ نہیں کر پا رہا تھا۔

غلطی تو ان سے بہرحال ہوئی تھی لہٰذا خاموشی سے سر تسلیم خم کیے وہ مزید کھری کھری سننے کے لئے تیار تھا، توقع کے عین مطابق وہ پھر سے گرجے۔

''ہم مانتے ہیں کہ ہم اپنے اصولوں کے غلام ہیں پر بخدا اپنی اولاد کی خوشیوں کے دشمن ہرگز نہیں ہیں اور اولاد بھی وہ جسے نہ جانے کتنی منتوں اور ریاضتوں کے بعد پایا تھا، تم نے محبت کی، کوئی دکھ کی بات نہیں کیونکہ ہماری نظر میں محبت کرنا جرم نہیں پر شادی جیسا عمر بھر کا قطعی سنجیدہ فیصلہ؟ اجازت تو دور کی بات رہی کم از کم مشورہ ہی کر لیتے آخر کو اکلوتی اولاد ہو ہماری۔'' شکوہ سے بھرپور اختتام پر ان کا لہجہ قدرے دھیما پڑ گیا جس سے جہانگیر کو کافی ڈھارس ملی اور بولنے کے قابل ہوا۔

''آپ کا غصہ، ناراضگی شکایت سب اپنی جگہ بالکل جائز ہے بابا سائیں، پر مجھے معاف کر دیجئے میں بے حد شرمندہ ہوں، لیکن اگر آپ کا دل رضامند ہو تو پلیز میری بات کا یقین کیجئے بابا سائیں کہ حالات ہی ایسے سنگینی اختیار کر گئے تھے کہ ہمیں خود کسی طرح کی منصوبہ بندی کرنے کا وقت ہی نہیں ملا، ورنہ یوں آپ کی اجازت کے بغیر میں شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتا، پر سب اتنی جلد بازی میں ہوا کہ اگر میں ان حالات میں عروسہ کا ہاتھ نہ تھامتا تو یقیناً اس کے لالچی تایا تائی اپنے آوارہ بیٹے سے زبردستی اس کی شادی کروا دیتے، اس طرح نہ صرف میں اپنی محبت سے ہمیشہ کے لئے ہاتھ دھو بیٹھتا بلکہ کسی معصوم کی بھی زندگی تباہ ہو جاتی، بس ہنگامی صورتحال کے پیش نظر مجھے اتنا بڑا فیصلہ یوں اچانک آپ کے علم میں لائے بغیر کرنا پڑا۔'' ایک سانس میں بڑا

حوصلہ کر کے بولتے ہوئے جہانگیر نے بات مکمل کی۔

''سن رہی ہیں بیگم، اب آپ کے لاڈلے صاحبزادے اتنے سیانے ہو گئے ہیں کہ اس قسم کے غیر معمولی حالات کا تن تنہا مقابلہ کر سکیں، تمہیں ذرا بھی اندازہ ہے کہ یہ معاملہ کس قدر سنگین اور خطرناک ہو سکتا تھا، اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود تم نے محض ایک فون کال کر کے بتانا بھی ضروری نہ سمجھا، ایک بار ہمیں سارے قصے سے آگاہ تو کرتے، پھر دیکھتے کہ بدلے میں ہم تمہاری مدد کرتے ہیں یا نہیں پر نہ جی اس وقت تو یہ خود ہی باپ بنے ہوئے تھے۔'' الفاظ تھے یا طنز میں بجھے تیر جہانگیر نے تو چپ رہنے میں ہی عافیت جانی۔

''بہر کیف جو تم نے کرنا تھا وہ تو کر دیا اگر عروسہ دھی کے پس منظر پر روشنی ڈالیں تو اسے دیکھتے ہوئے تمہیں معافی مل سکتی ہے کیونکہ ایک یتیم کو سہارا دے کر تم نے نیکی کمائی ہے اور اتنے پتھر دل تو ہم بھی نہیں کہ اس کار خیر میں تمہاری مخالفت کریں لیکن ہم تصویر کے دوسرے رخ کو بھی تو فراموش نہیں کر سکتے ناں، ایک معصوم کی زندگی تو تم نے بچالی پر دوسری جانب ایک بے قصور کی اپنے ہاتھوں سے برباد کر دی۔'' بابا سائیں کا اشارہ کس جانب تھا وہ بخوبی جانتا تھا کہ بابا مہ جبین کے بارے میں ضرور سوال اٹھائیں گے جو اس کی بچپن کی منگیتر تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے تایا ابو جیسا آپ سوچ رہے ہیں۔'' خوبصورت کوئل سی نسوانی آواز کی مداخلت پر سب نے اچانک مڑ کر دیکھا اور لشکارے بکھیرتے حسن کی مالک مہ جبین کو سامنے کھڑا دیکھ کر بھی دنگ رہ گئے۔

''مہ جبین...... تت...... تم......؟'' جہانگیر کی تو گویا سٹی گم ہو گئی تھی۔

''ہاں میں...... ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں سب کچھ سن چکی ہوں، تمہیں شادی بہت بہت مبارک ہو جہانگیر۔'' غصے یا صدمے کے تاثرات سے عاری انتہائی خوش لہجے میں مہ جبین کا مبارک باد دینا سبھی کو حیرتوں کے سمندر میں خوطہ زن کر گیا کیونکہ سب کچھ سننے کے بعد تو وہ لوگ اس سے انتہائی شدید در عمل کی توقع کیے بیٹھے تھے یہ تو سارا معاملہ ہی الٹ ہو گیا۔

''پتر مہ جبین یہ تو......''

''حیران مت ہوں تایا ابو میں نے یہ سب اپنے پورے ہوش و حواس میں کہا ہے، آج اس خوشی کے موقع پر میں بھی آپ کو ایک سچ بتا کر اس بوجھ سے کہ میرے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے آزاد کر دینا چاہتی ہوں۔'' نہ جانے وہ کیا کہنے والی تھی، وہاں موجود سب لوگ ہمہ تن گوش تھے، جہانگیر کے تو جسم کا ایک ایک عضو کان بن گیا تھا۔

''تایا ابو جہانگیر کے شادی کر لینے سے میری زندگی برباد نہیں بلکہ برباد ہونے سے بچ گئی کیونکہ جہانگیر کی طرح میں بھی...... کک کسی...... کسی اور کو پسند کرتی ہوں۔'' مہ جبین کے انکشاف پر گویا ایک زبردست دھماکہ ہوا جسے سن کر سب کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''اور وہ شخص کوئی اور نہیں پھپھو زرینہ کا بیٹا کاشان ہے، ہم دونوں ایک دوسرے کو ایک عرصے سے پسند کرتے ہیں، پر جہانگیر سے میری نسبت ہمیشہ ہم دونوں کے لئے رکاوٹ بنی رہی اور جب جہانگیر کی تعلیم مکمل ہونے کے فوراً بعد آپ نے ہماری شادی کرنے کا باقاعدہ اعلان کیا تو وہ دلبرداشتہ ہو کر دوبئی چلا گیا، میں نے اور کاشان نے اپنی محبت کو دل میں دفن کر کے ہمیشہ کے لئے اپنے راستے الگ کر دیئے تھے، پر اب...... اب جہانگیر کی شادی نے زندگی کا رخ یکدم سے پلٹ دیا ہے اپنی محبت پا لینے کی امید پھر سے میرے اندر جاگ اٹھی ہے مجھے روشنی کی ایک کرن نظر آئی ہے تایا ابو لہذا میں آپ سے آج ایک مدد مانگنا چاہتی ہوں۔'' مہ جبین ایک کے بعد ایک انکشاف کر رہی تھی جس پر سب حیران و پریشان بیوقوفوں کی طرح اس کا منہ دیکھ رہے تھے، وڈیرے عالمگیر تو، تو اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آیا تھا، وہ ہونقوں کی طرح سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''تایا ابو آپ نے ابھی کہا ناں کہ آپ محبت کے خلاف نہیں ہیں تو پھر...... میری اور کاشان کی محبت کو ملانے میں بھی ہمارا ساتھ دیں، کیونکہ وہ صرف آپ ہی ہیں جو ہمارے والدین کو راضی کر سکتے ہیں، بولیے ناں تایا ابو کیا آپ ہماری مدد کریں گے۔'' ایک سوالیہ نشان بنی بڑے مان سے وہ انہیں جواب طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''پر مہ جبین پتر......''

''پلیز تایا ابو اگر مجھے واقعی بیٹی سمجھتے ہیں تو انکار مت کیجئے گا، آپ خود ہی ہمیشہ کہتے ہیں کہ میں آپ کو جہانگیر کی طرح عزیز ہوں تو پھر جہاں آپ نے اس کی شادی کو تسلیم کر کے اسے معاف کر دیا وہیں میری محبت حاصل کرنے میں میرا ساتھ دیں، پلیز تایا ابو پلیز۔'' وہ اتنی معصومیت سے سراپا التجا بنی ہوئی تھی کہ وہ انکار نہ کر سکے ایک طرح سے مہ جبین کے لئے حامی بھر کر وہ اپنے بیٹے کی زیادتی کا مداوا کر سکتے تھے۔

''ٹھیک ہے دھی رانی، اب تیری اور کاشو کی شادی کی ذمہ داری میری، اوئے آخر کو وہ بھی تو ہمارا ہی بیٹا ہے۔''

''او تھینک یو تایا ابو یو آر گریٹ، آپ سچ میں میرے سب سے اچھے دوست ہیں۔'' مہ جبین نے فرط مسرت سے ان کے گلے لگتے ہوئے کہا تو انہوں نے بھی اسے خود میں بھینچ لیا۔

''اچھا اچھا اب تم سب لوگ بھی کان کھول کر میری ایک بات ذہن نشین کر لو کہ میں نے اس کھوتے کو ابھی تک معاف نہیں کیا، اس نے جو غلطی کی ہے اس کی سزا اسے ضرور ملے گی۔'' بابا سائیں پھر سے پرانی جون میں لوٹے۔

''بڈھا شیر ہٹلر سے کم نہیں، سزا دیئے بغیر جان نہیں چھوڑے گا، خیر دیکھتے ہیں کیا سزا سناتے ہیں جج صاحب۔'' رامش نے قیاس لگایا۔

''تو اس کی سزا یہ ہے کہ آج کے بعد بہو اس نکھٹو کے ساتھ شہر نہیں جائے گی بلکہ یہیں رہے گی حویلی ہم سب کے ساتھ اور یہ...... ہمارا آخری فیصلہ ہے۔'' اگرچہ سب مہر بہ لب ان کی بات کے منتظر تھے، تاہم ان کی یہ معافی نما سزا سن کر سب کا فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا جس میں خود بابا سائیں کی بھی ہنسی شامل تھی۔

☆☆☆

''ہیلو...... کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟'' مہ جبین نے ان کے کمرے کے کھلے دروازے سے اندر جھانکتے ہوئے گلا کھنکار کر اجازت طلب کی جس پر وہ دونوں کسی بات پر ہنستے ہوئے چونکے۔

''ارے...... تم ابھی تک یہیں گھوم رہی ہو مجھے لگا شاید جا چکی ہو۔'' جہانگیر نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا۔

''بس جا رہی تھی سوچا جانے سے پہلے تمہیں ایک بار پھر بذات خود مبارکباد دے دوں۔'' مہ جبین نے اندر آتے ہوئے کہا، جہانگیر کے بھی دوست انہیں آئندہ زندگی God wishes دے کر رخصت ہو چکے تھے۔

"اوہ......تو اس کا مطلب ہے کہ ہم دونوں کی خوش فہمیاں بالآخر غلط فہمیاں ثابت ہوئیں، خیر جو بھی ہوتا ہے اچھے کے لئے ہوتا ہے یہ تو اللہ کا بڑا احسان ہے کہ چار زندگیاں تباہ ہونے سے بچ گئیں، من چاہا ہم سفر پانا بڑی خوش نصیبی کی بات ہے کیوں عروسہ بھابھی جی؟" اس مرتبہ اس نے خاموش بیٹھی عروسہ کو بھی اپنی بحث میں گھسیٹا جس پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ویسے ماننا پڑے گا جہانگیر تمہاری پسند واقعی لاجواب ہے۔" مہ جبین کی تعریف پر جہانگیر نے عروسہ کی جانب دیکھا جو شرما کر نظریں جھکا گئی۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں کافی ٹائم ہو گیا اور ہاں تائی امی نے تم دونوں کو بلوایا تھا، شاید کوئی ضروری بات کرنی تھی، میں ادھر ہی آ رہی تو پھر انہوں نے مجھ سے ہی پیغام دینے کو کہہ دیا، اللہ تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔" تاخیری کلمات ادا کر کے وہ عروسہ سے گلے ملنے کے بعد چلی گئی، مہ جبین کے رخصت ہونے کے بعد کچھ پل کے لئے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

عروسہ کو مہ جبین کافی اچھی لگی، پھر اچانک اماں سائیں کا پیغام یاد آنے پر وہ سر جھٹک کر دروازے کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ جہانگیر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کہاں جا رہی ہو جان من۔" الفاظ تو جو تھے تو تھے البتہ لہجہ بے حد رومینٹک تھا عروسہ بدک کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

"وہ......وہ میں......آنٹی نے بلایا ہے نا ان کی بات سن کر آتی ہوں۔" اس نے فرار ہونا چاہا لیکن جہانگیر نے اس کے ارادے بھانپتے ہوئے فوراً آگے بڑھ کر راستہ روک لیا۔

"او کے او کے چلی جانا پہلے......ذرا یہاں میرے قریب تو آؤ۔" اس نے زبردستی کھینچ کر عروسہ کو بانہوں کے گھیرے میں جکڑ لیا۔

"یہ......یہ کیا کر رہے ہو جہانگیر، آج سے پہلے تو کبھی اتنے رومینٹک نہیں ہوئے۔" اس نے گھیرا توڑنے کی ناکام کوشش کی۔

"آج سے پہلے تم اتنی حسین بھی تو کبھی نہیں لگیں ناں۔"

"کیا......کیا مطلب؟"

"اوہ......مم......میرا کہنے کا مطلب تھا کہ آج سے پہلے ٹینشنز بہت زیادہ تھیں ناں، ہر وقت تو ایک ڈر سا ہمارے سر پر سوار رہتا تھا کہ نہ جانے کیا ہو گا؟" عروسہ کو بانہوں میں بھر کر وہ بے خودی کے عالم میں کچھ کا کچھ بول گیا تھا جس پر عروسہ نے اسے خشمگیں انداز سے گھورا پر ساتھ ہی اس کی وضاحت پر ڈھیلی بھی پڑ گئی۔

"اب تو کوئی ٹینشن نہیں ہے نا جہانگیر۔" عروسہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"نہیں اور اب میں ہونے بھی نہیں دوں گا انشاء اللہ۔" اس نے یقین دلایا۔

"آئی لو یو سویٹ ہارٹ۔"

"آئی لو یو ٹو۔" جہانگیر نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے کہا تو جواب میں وہ بھی اس کے مضبوط چوڑے سینے میں اپنا منہ چھپا گئی۔

"اچھا چلو اب اماں سائیں کی بات سن کر آتے ہیں، یقیناً انہوں نے اپنے ہونے والے پوتے یا پوتی کے بارے میں ضروری ہدایات جاری کرنی ہوں گی۔" جہانگیر نے جان بوجھ کر ڈرانا چاہا پھر وہ دونوں ہنستے ہوئے ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے کمرے سے باہر نکل گئے۔

☆☆☆

تارکول کی لمبی سڑک بغیر بل کھائے، ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی ناگن ابدی نیند سو رہی ہو، پھر شام کے گہرے ہوتے سائے ماحول کو مزید پراسرار بنا رہے تھے، اردگرد لہلہاتے درخت جو اپنی تنہائی کا بین کر رہے تھے، لبابہ بغیر کسی چیز کی پرواہ کیے چلتی جا رہی تھی اس کا سفید دوپٹہ سڑک پہ گھسٹتا جا رہا تھا، بالوں کی لٹیں اس کے معصوم چہرے کو بار بار چوم رہی تھیں، وہ خاموشی سے چلتی جا رہی تھی اس کی منزل کیا تھی کہاں تھی اسے کچھ پتا نہیں تھا، آج اس کا سب کچھ لٹ گیا تھا، سارے رشتے، اعتماد، محبت، سب کچھ ہار دیا تھا اس نے، وہ جو ساری زندگی سب کا خیال رکھتی رہی سب میں خوشیاں بانٹتی رہی، آج جب اس نے خوشیاں حاصل کرنا چاہیں تو وہ خالی ہاتھ رہ گئی، اب اس کے پاس کچھ نہ بچا، تو وہ ان بے جان چیزوں کے پاس آ گئی جو اس کو مزید تنہا کر رہے تھے، وہ چلتی رہی، چلتی رہی، پھر بغیر سوچے سمجھے اس نے اپنی تنہائی ہمیشہ کے لئے دور کر لی۔

☆☆☆

''لبابہ بیٹی اٹھ جاؤ، اب آفس نہیں جانا کیا۔'' زبیدہ بیگم نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

''اٹھ رہی ہوں امی!'' وہ سستی سے بولی۔

پھر جیسے ہی اس کی نظر وال کلاک پہ پڑی تو ٹائم دیکھ کر وہ جلدی سے اٹھی۔

''امی ساڑھے آٹھ ہو گئے ہیں میں نے نو بجے تک آفس پہنچنا ہے آپ نے اٹھایا ہی نہیں۔''

''کب سے تو جگا رہی ہوں، اب یہ لڑکی ناشتہ کیے بغیر ہی چلی جائے گی۔'' زبیدہ بیگم بڑبڑاتی ہوئی اس کے پیچھے گئی، لبابہ جلدی جلدی باہر کی طرف بھاگی وہ چلاتی رہیں۔

''لیکن لبابہ...... امی دیر ہو جائے گی، میں وہاں کچھ کھا لوں گی۔'' کہتے ہوئے چلی گئی۔

''اس لڑکی کا روز ہی یہی کام ہے۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی ناشتے کے برتن سمیٹتی رہیں۔

''یار جلدی نکل آیا کرو، میں تمہارے انتظار میں کھڑا کھڑا سوکھ جاتا ہوں۔'' عماد نے ہنستی مسکراتی لبابہ کی طرف دیکھ کر کچھ بے زاری سے کہا۔

''عماد ناراض نہ ہوا کریں، آفس کے کام ایسے ہی ہوتے ہیں ختم ہوتے ہی نہیں بلکہ خود ختم کر کے نکلنا پڑتا ہے۔'' وہ پرس سنبھالتی بائیک کے نزدیک آ گئی۔

''اچھا ٹھیک ہے، اب بیٹھو کہیں کھلی ہوا میں بیٹھتے ہیں جا کر، گرمی سے بھی برا حال ہو رہا ہے۔'' وہ ہیلمٹ پہنتے ہوئے بولا، وہ ہینڈ بیگ کو گود میں رکھتے ہوئے بیٹھ گئی، سارے راستے وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی عماد سر ہلا کر کبھی ہوں ہاں کر کے جواب دیتا رہا، پھر وہ لوگ ایک پبلک پیلس میں جا کر ایک سنگی بینچ پہ بیٹھ گئے۔

''لبابہ یار آخر کب تک تم جاب کرتی رہو گی۔'' عماد نے تھکے تھکے سے لہجے میں پوچھا۔

''اس سوال کا جواب میں آپ کو بہت دفعہ دے چکی ہوں، پھر بار بار کیوں پوچھتے ہیں۔'' وہ ذرا ناراض ہوئی۔

''یار میں تم سے محبت کرتا ہوں، شادی کرنا چاہتا ہوں، گھر بسانا چاہتا ہوں، لیکن تمہاری مجبوریاں ہی ختم نہیں ہوتیں، آخر کب تک، کب تک ہم یوں لوگوں سے چھپ چھپ کر ملتے رہیں گے، مجھے تو لگتا ہے ایسے ہی زندگی گزر جائے گی۔'' وہ تھکے تھکے لہجے میں بولا۔

''عماد آپ اتنا ناراض کیوں ہو رہے ہیں جب شادی کے ٹاپک پہ ہماری بات ہوئی تو میں نے آپ پہ واضح کیا تھا کہ مجھ پر بہت ساری ذمہ داریاں ہیں، میرا بھائی ابھی پڑھ رہا ہے جیسے ہی

کبھی اچھی جاب پہ لگ گیا تو میں جاب چھوڑ دوں گی پھر آپ اپنے گھر والوں کو بھجوا دینا اس سے پہلے میں شادی کا سوچ بھی نہیں سکتی، آپ نے کہا تھا کہ آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے اس کے باوجود آپ مجھ سے گلہ شکوہ کرتے رہتے ہیں، آپ کو اتنی ہی جلدی ہے تو آپ کسی اور سے شادی کر لیں۔'' لبابہ یہ کہہ کر وہاں سے جانے کے لئے اٹھ گئی۔

''لبابہ...... لبابہ...... میری بات سنو......''

لیکن وہ تیز تیز چلتی ہوئی سڑک پہ آ گئی، رکشہ روک کر اس میں بیٹھ گئی، عماد نے افسوس سے لب کاٹتے ہوئے اسے جاتے دیکھا۔

☆☆☆

''بیٹی کیا بات ہے کوئی مسئلہ ہے کیا، آج بڑی چپ چپ کیوں ہو۔'' زبیدہ بیگم نے ٹیرس پہ بیٹھی لبابہ سے پوچھا۔

''ارے نہیں امی ایسی کوئی بات نہیں، نیچے گرمی اور تھکن سی ہو رہی تھی اس لئے اوپر آ گئی، پھر آج آفس میں کام بھی بہت تھا اس لئے تھکن سی ہو گئی۔'' اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''میں ایسے ہی پریشان ہو رہی تھی، بیٹی، حیدر کے کالج کے فیس کی پرسوں آخری تاریخ ہے وہ پوچھ رہا تھا۔'' انہوں نے یاد کراتے ہوئے کہا۔

''جی امی مجھے یاد ہے کل سیلری مل جائے گی تو دے دوں گی اسے کہیں کہ وہ فیس وغیرہ کی فکر مت کیا کرے صرف اپنی پڑھائی پہ توجہ دے، اس کا گریجویشن ہو جائے تو پھر کسی اچھی جگہ جاب کے لئے اپلائی کر دے۔'' وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندتے ہوئے بولی۔

''بس بیٹا ایک سال ہی تو رہ گیا ہے پھر اللہ خیر کرے گا۔'' وہ بیٹی کو تھکا سا دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

''بیٹی میں عالیہ کے ہاتھ چائے بھجواتی ہوں تھکن اتر جائے گی۔''

''میں خود ہی نیچے آ رہی ہوں، عالیہ بھی پڑھ رہی ہو گی اس کے ایگزامز ہونے والے ہیں اسے کام مت کہا کریں۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کر نیچے آ گئی۔

عماد کب سے کال کر رہا تھا لیکن اس نے ایک دفعہ بھی رسیو نہیں کی، پھر پاور آف کر کے سو گئی، صبح وہ جیسے ہی آفس جانے کے لئے نکلی عماد پہلے ہی موجود تھا، سوجی سوجی آنکھیں، تھکا تھکا سا چہرہ، رتجگے کی چغلی کھا رہا تھا، لبابہ کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔

''لبابہ!'' وہ اس کی طرف لپکا، لبابہ نے نظریں جھکا لیں۔

''جب تم جانتی ہو کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا تو کیوں مجھے تنگ کرتی ہو، کیوں ستاتی ہو۔'' اس نے تھکے تھکے لہجے میں پوچھا۔

''عماد مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے۔'' وہ جانے لگی، لیکن عماد نے بیچ سڑک اس کا بازو پکڑ لیا۔

''لبابہ! آج تم آفس نہیں جاؤ گی، سارا دن میرے ساتھ رہو گی، ورنہ میں جان دے دوں گا۔'' لبابہ نے تڑپ کر اس کے لبوں پہ ہاتھ رکھا۔

''جان دیں ہمارے دشمن۔''

''تو پھر چلو میرے ساتھ۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''عماد!...... وہ...... وہ'' وہ ذرا ہچکچائی۔

''تم کال کر دو کہ نہیں آ سکتی بس بات ختم اور چلو میرے ساتھ۔'' وہ بائیک پہ بیٹھتے ہوئے بولا، وہ کچھ دیر ہچکچائی، پھر مسکرا کر بیٹھ گئی۔

"عماد آپ بھی نا بس۔"

"ساری باتیں چھوڑو، صرف اتنا یاد رکھو کہ میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں اور ایک پل بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔" وہ بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

"اچھا زیادہ باتیں نہیں کریں، دھیان سے بائیک چلائیں ٹریفک بہت ہے۔" وہ اس کی کمر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"ارے واہ مجھے منانا ہی نہیں پڑا اور تم مان گئی، تھینکس گاڈ ورنہ تو میری نیندیں اڑی ہوئی تھیں۔" وہ کچھ پیچھے کی طرف ہو کر بولا، بائیک لڑکھڑائی۔

"عماد! دھیان سے۔" وہ چلائی۔

"اچھا بابا...... اچھا...... اب صرف ...... سامنے دھیان۔" پھر خاموشی سے وہ لوگ پارک پہنچے، بہت ساری باتیں کی، عماد نے اسے اتنا ہنسایا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، پھر انہوں نے ایک ساتھ لنچ کیا اور شام تک گھومتے پھرتے رہے، بالآخر ایک بھرپور دن گزار کر عماد نے اسے ڈراپ کیا۔

"آج آپ نے بھی آفس سے چھٹی کی، لیکن آئندہ ایسا نہیں کرنا، ہم ڈیلی شام کو مل تو لیتے ہیں اس لئے آئندہ خیال رکھنا ہے۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"تم سے زیادہ میرے لئے کچھ بھی اہم نہیں ہے، ویسے بھی مجھے جاب کی اتنی پروا نہیں ہے، بابا کی پنشن آتی ہے، دوکانوں کا کرایہ بھی آتا ہے اور کھانے والے ہم تین لوگ ہیں بس، اماں، بابا اور میں ہاں جب تم آ جاؤ گی تو جاب کی پروا کر لونگا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"اچھا بابا...... ٹھیک ہے...... اب جائیں آپ۔"

"سنو۔" عماد نے اسے پکارا۔

"کیا ہے جانے بھی دیں۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔

"تم ناراض تو نہیں ہو۔" اس نے بہت پیار سے پوچھا۔

"نہیں۔" اتنا کہہ کر وہ چلی گئی۔

☆☆☆

"امی...... امی کہاں ہیں آپ۔" احمد چیختا چلاتا ہوا گھر میں داخل ہوا۔

"خدا خیر کرے کیا ہو گیا۔" زبیدہ بیگم کچن سے نکل کر بولیں۔

"آپی کہاں ہیں۔" وہ چیخا۔

"ارے ہوا کیا ہے بتاؤ تو سہی۔" انہوں نے اس کے قریب آ کر پوچھا۔

"امی...... آج آپی نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔" وہ اب نسبتاً آہستہ آواز میں بولا تھا۔

"بیٹا بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے، کیوں پریشان کر رہے ہو مجھے۔" زبیدہ بیگم نے پھر پریشانی سے پوچھا۔

"امی...... امی کیا بتاؤں آپ کو۔" وہ صوفے پہ ڈھے جانے والے انداز میں گر کر بولا، زبیدہ بیگم بھی اس کے قریب بیٹھ گئیں۔

"امی...... میرا دوست جمشید ہے نا، اس نے آج مجھے بتایا کہ اس نے آپی کو کسی لڑکے کے ساتھ گھومتے پھرتے دیکھا، پھر وہ لڑکا آپی کو گھر تک بھی چھوڑنے آیا، امی جان جمشید نے اگر اپنے گھر بات کر لی تو ہماری پورے محلے میں بدنامی ہو جائے گی۔" احمد نے تھکے تھکے لہجے میں بتایا، زبیدہ بیگم نے اپنے دل پہ ہاتھ رکھا، پھر خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

"بیٹا ہو سکتا ہے کہ کوئی پرابلم ہو اور وہ اپنے کسی کولیگ کے ساتھ آئی ہو [illegible] تشویش میں

کوئی نہ کوئی ہنگامہ ہوا رہتا ہے۔"

"امی پلیز، کوئی صفائی نہیں دیں میری ایک بات سن لیں کہ آج کے بعد آپی گھر سے باہر نہیں نکلیں گی، میں پڑھائی چھوڑ کر جاب کرونگا، محنت مزدوری کر لونگا، لیکن اب آپی کو گھر سے باہر قدم بھی نہیں رکھنے دونگا، یہ آپ انہیں بھی بتا دینا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"احمد بیٹا بات تو سنو...... احمد۔" وہ آوازیں دیتی رہیں، لیکن وہ تیزی سے باہر نکل گیا، زبیدہ بیگم سر پکڑ کر ادھر ہی بیٹھ گئیں، شور سن کر لبابہ کمرے سے باہر آنے والی تھی، لیکن احمد کی باتیں سن کر وہیں رک گئی، اسے لگا کہ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، اس نے کمرے کی کنڈی لگا لی، اسے انجانا سا خوف محسوس ہوا جیسے احمد کمرے میں آ جائے گا، کچھ دیر بعد زبیدہ بیگم کمرے کی طرف بڑھیں، بند دروازہ دیکھ کر وہ کافی دیر کھٹکھٹاتی رہیں کوئی بھی جواب نا پا کر انہیں یقین ہو گیا کہ احمد جو کہہ رہا تھا سچ ہی تھا، انہوں نے پھر سے اپنے دل پہ ہاتھ رکھا اور ادھر ہی فرش پہ بیٹھ گئیں، جب سے لبابہ کے بابا کی ڈیتھ ہوئی تھی، لبابہ نے ہی گھر کی ذمہ داریوں کو سنبھالا ہوا تھا، زبیدہ بیگم نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا لبابہ اس طرح ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائے گی، وہ تو آنکھیں بند کر کے اس پہ اعتبار کرتی تھیں، ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کریں، انہیں احمد کی بھی فکر تھی جوان خون تھا جانے کیا قدم اٹھاتا وہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھیں۔

"امی جان چولہے پہ کچھ رکھا ہے کیا، جلنے کی بو آ رہی ہے۔" بارہ سالہ عالیہ کی آواز پہ انہوں نے چونک کر دیکھا۔

"ہاں...... وہ کھانا بنا رہی تھی، سب کچھ جل گیا ہوگا۔" وہ جلدی سے کچن کی طرف گئیں۔

"لبابہ دروازہ کھولو، دیکھو کتنی رات ہو گئی ہے احمد ابھی تک گھر نہیں آیا۔" زبیدہ بیگم نے دروازہ پیٹتے ہوئے کہا اس نے جلدی سے دروازہ کھولا۔

"امی آپ نے اسے کال کی۔" اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

"بہت دفعہ کی ہے، اس کا نمبر بند ہے۔" انہوں نے آنکھوں کی نمی صاف کرتے ہوئے کہا۔

"میں کرتی ہوں۔" اس نے جلدی سے موبائل اٹھایا اور نمبر ملایا، لیکن نمبر ابھی تک بند تھا، وہ تینوں پریشانی کے عالم میں ڈرائنگ روم میں آ گئیں۔

"امی اس کے دوستوں میں پتہ کریں۔" لبابہ نے فکر مندی سے کہا۔

"ارے تم نے اسے دوستوں میں بیٹھنے کے قابل چھوڑا ہے جو وہ وہاں بیٹھا ہو گا۔" زبیدہ بیگم نے غصے سے کہا، لبابہ نے نظریں جھکا لیں، ابھی وقت نہیں تھا کہ وہ کوئی بات کرتی اس لئے خاموش ہی رہی۔

"امی آپ پریشان نہ ہوا احمد بھائی آ جائیں گے۔" عالیہ نے ماں کو تسلی دی، اتنے میں دروازے پہ بیل ہوئی، زبیدہ بیگم بھاگ کر گئیں، دروازہ کھولا تو تھکا تھکا سا احمد کھڑا تھا۔

"بیٹا کہاں تھے، ہم کتنے پریشان ہو رہے تھے۔" انہوں نے بیٹے کی طرف دیکھ کر محبت سے پوچھا، وہ بغیر کچھ کہے اندر چلا آیا سامنے لبابہ کو دیکھ کر اس نے منہ موڑ لیا، لبابہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔

"بیٹا کھانا لاؤں تمہارے لئے۔" زبیدہ بیگم نے پھر محبت سے پوچھا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے سونے جا رہا ہوں۔" یہ

کہتا ہوا وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔
''احمد! بیٹا بات تو سنو۔'' زبیدہ بیگم آوازیں دیتے ہوئے پیچھے تک گئیں، لیکن اس نے دروازہ بند کر لیا، وہ دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ کر سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔
''امی آپ تو کھانا کھا لیں۔'' عالیہ ان کے قریب آ کر بولیں۔
''تم جا کر سو جاؤ صبح اسکول جانا ہے۔'' انہوں نے لہجے کو نرم بناتے ہوئے کہا، وہ سر ہلا کر اٹھ گئی، لبابہ بھی جانے لگی تو انہوں نے روک لیا۔
''ادھر آؤ میری بات سنو۔''
''جی امی!'' وہ سر جھکا کر بولیں۔
''ادھر آ کر بیٹھو۔'' انہوں نے سامنے صوفے کی طرف اشارہ کر کے کہا، وہ خاموشی سے بیٹھ گئی، کچھ دیر خاموشی رہی، پھر زبیدہ بیگم ٹھنڈی آہ بھر کر بولیں۔
''احمد نے جو کہا، وہ سب کیا ہے مجھے ایک ایک بات بتا دو، تمہارا بھائی بہت غصے میں ہے، میں نہیں چاہتی کہ غصے میں وہ ایسا کچھ کرے کہ تمہارا اور اس کا مستقبل تباہ ہو جائے۔'' لبابہ کچھ دیر خاموشی سے لب کاٹتی رہی، پھر آہستہ سی آواز میں بولی۔
''امی سب سچ ہے۔'' زبیدہ بیگم کے پیروں تلے سے جیسے زمین نکل گئی ان کے دل میں آس کا چھوٹا سا دیا روشن تھا کہ ہو سکتا ہے احمد نے جو دیکھا ہو ویسا نہ ہو، لیکن اب تو کوئی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔
''لبابہ کچھ تو خیال کرو، کتنی ڈھٹائی سے جواب دیا ہے تم نے۔''
''تو کیا جھوٹ بول دیتی، جو سچ ہے وہ کہہ دیا۔'' اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔
''کتنا اعتبار تھا تم پہ ہمیں، تم نے ہمیں کہیں نہ چھوڑا تمہیں اپنے جوان بھائی کا ایک دفعہ بھی خیال نہیں آیا کہ اس کا کیا ہوگا، وہ پڑھائی چھوڑ کر کسی کام میں لگ جائے گا، تو کیا ساری عمر وہ محنت مزدوری ہی کرتا رہے گا کیا۔'' انہوں نے چیختے ہوئے پوچھا۔
''امی میں نے ایسا کچھ نہیں کیا، نہ ہی میں ایسا کچھ چاہتی ہوں، عماد اور میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے اور میں نے اسے صاف لفظوں میں کہا ہے کہ جب تک میرا بھائی اپنے پیروں پہ کھڑا نہیں ہو جاتا اس وقت میں اس سے شادی نہیں کروں گی۔''
''تب تک تم اس کے ساتھ پارکوں اور سڑکوں پہ گھومتی رہو گی۔'' زبیدہ بیگم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔
''امی۔'' لبابہ نے صدمے سے ان کی طرف دیکھا۔
''بس لبابہ، بس اپنے کمرے میں جاؤ۔'' زبیدہ بیگم نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا، وہ لب کاٹتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

''بیٹا اتنی صبح صبح کہاں جا رہے ہو۔'' زبیدہ بیگم نے احمد کو باہر جاتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔
''امی ایک دوست کو جاب کے لئے کہا ہے بس اسی طرف جا رہا ہوں۔'' اس نے آہستہ سی آواز میں جواب دیا۔
''اتنی صبح کس نے بلا لیا۔'' انہوں نے اس کے قریب آ کر پوچھا۔
''امی مجھے جانے دیں۔''
''رک جاؤ احمد۔'' لبابہ کی آواز پہ انہوں نے مڑ کر دیکھا۔
''دیکھو احمد تم ابھی اتنے بڑے نہیں ہو جو بڑے بڑے فیصلے کرنے لگ گئے ہو، میں مانتی

ہوں میں نے آپ سے سب سے چھپا کر غلطی کی، مجھے بتا دینا چاہیے تھا، پھر ہم جس محلے میں رہتے ہیں وہاں مجھے کسی کے ساتھ بائیک پہ بیٹھ کر نہیں آنا چاہیے تھا، لیکن اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم اپنا فیوچر تباہ کر کے بیٹھ جاؤ۔"

"امی ان سے کہیں مجھے ان سے کوئی بات نہیں کرنی۔" وہ اپنے غصے کو دباتے ہوئے بولا۔

"لیکن مجھے تم سے بات کرنی ہے، کچھ ہوش سے کام لو، جیسا تم سمجھ رہے ہو ویسا نہیں ہے۔"

"امی میں جا رہا ہوں۔"

"احمد میری بات سنو۔"

لیکن وہ چلا گیا، لبابہ کی آنکھوں میں نمی آ گئی، اس نے زور سے آنکھیں بند کیں اور اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔

"لبابہ ناشتہ کر لینا کل سے کچھ نہیں کھایا تم نے۔" زبیدہ بیگم یہ کہتے ہوئے کچن میں چلی گئی، وہ کچھ دیر کھڑی رہی پھر وہ بھی کچن میں چلی گئی بھوک تو لگ رہی تھی اب کچھ زیادہ احساس ہو رہا تھا اس لئے خاموشی سے ناشتہ لے کر کمرے میں آ گئی، اس کا موبائل بجنے لگا، اسکرین پہ عماد کالنگ دیکھ کر اس نے فوراً کال ریسیو کی۔

"کیسی ہو اور کہاں ہو؟"

"عماد!" اس کے لہجے میں نمی گھلی تھی۔

"کیا ہوا۔" وہ فکرمندی سے بولا۔

"عماد آپ نے رات کال نہیں کی، میں کرتی رہی تو ریسیو نہیں کی کہاں تھے آپ۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"اوہ...... ہو...... اتنی بات پہ پریشان ہو گئی، ارے بابا نیند آ گئی تھی اور تمہیں میری عادت کا تو پتا ہے ایک دفعہ نیند آ جائے تو پھر کوئی میرے سر پہ ڈھول بھی بجاتا رہے تو میں نہیں اٹھتا، جب تمہیں پتا بھی ہے پھر کیوں پریشان ہوتی ہو۔" اس نے بہت پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"آپ سوئے رہیں اور میرے ساتھ کچھ بھی ہو جائے۔" آنسو اس کی گلابی گالوں پہ لڑھک گئے تھے۔

"لبابہ میری جان کیا ہوا؟ کوئی پرابلم ہے کیا؟ مجھے بتاؤ کیا بات ہے۔" وہ بھی پریشان ہو گیا، لبابہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے سارا واقعہ تفصیل سے بتایا۔

"اوہ تو یہ بات ہے، لیکن اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے میں گھر والوں کو بھیج دیتا ہوں تاکہ ان کو بھی پتا چلے کہ میں واقعی عزت سے تمہیں اپنا بنانا چاہتا ہوں۔" عماد نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں عماد ابھی صحیح وقت نہیں ہے ایسی کسی بھی بات کرنے کا احمد بہت غصے میں ہے اور امی بھی مجھ سے ناراض ہیں۔" اس نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کیا تم ایسے بیٹھی رہو گی۔" وہ کچھ الجھا۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا، لیکن حالات کچھ بہتر ہو جائیں تو ہی آپ گھر والوں کو بھیج دیجئے گا۔"

"اچھا ٹھیک ہے جیسے تم کہو گی ویسے کر لیں گے لیکن تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کوئی کچھ بھی کہے میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں اور رہونگا بھی، تم اپنا خیال رکھنا۔" اس نے بہت پیار سے اسے تسلی دی۔

"جب آپ میرے ساتھ ہیں تو پھر مجھے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔" اس نے بھی مسکرا کر کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے مجھے آفس جانا ہے لیٹ

ہو رہا ہوں پھر کال کرونگا ٹھیک ہے نا۔" عماد نے اجازت مانگتے ہوئے کہا۔

"جی ٹھیک ہے، آپ آرام سے آفس جائیں میری فکر نہیں کرنی سب ٹھیک ہو جائے گا سب کچھ۔" اس نے بھی مسکرا کر اجازت دی، اب وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی، اس لئے بڑے سکون سے ناشتہ کیا۔

"احمد بیٹا میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو، لبابہ بھی میری بیٹی ہے اتنا مجھے اس پہ یقین ہے کہ وہ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھائے گی جس سے ہماری بدنامی ہو۔"

"امی ابھی بھی آپ یہی کہتی ہیں۔" احمد نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"بیٹا اس نے غلطی کی ہے تو وہ اپنی غلطی کو مان بھی رہی ہے اور آئندہ ایسی کوئی غلطی نہ کرنے کا اس نے وعدہ بھی کیا ہے۔" زبیدہ بیگم نے سمجھاتے ہوئے کہا، احمد خاموش رہا تو زبیدہ بیگم مزید بولنے لگ گئیں۔

"دیکھو بیٹا وہ تو بیٹی، بہن ہے اس نے ایک نہ ایک دن اس گھر سے چلے ہی جانا ہے، اس طرح تم پڑھائی چھوڑ کر بیٹھ جاؤ گے تو اس کا کیا جائے گا مستقبل تو تمہارا تباہ ہو گا، اس لئے بیٹا ہوش سے کام لو اپنے مستقبل کے لئے ہی سہی، بہن کی اس غلطی کو جانے دو۔" وہ بہت دیر تک اسے سمجھاتی رہیں، وہ خاموشی سے سنتا رہا، اس کی خاموشی کو رضامندی سمجھ کر زبیدہ بیگم مطمئن سی ہو گئی، دروازے کے باہر کھڑی لبابہ کے دل میں چھناکے سے کچھ ٹوٹا تھا، اس کی سگی ماں اور بھائی اپنے مطلب کے لئے اسے معاف کر رہے تھے، وہ اپنے آنسو پیتے ہوئے کمرے میں آ گئی، اس کا دل چاہا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے، پھر کچھ دیر تو وہ آنسو بہا کر دل کا بوجھ ہلکا کرتی رہی، پھر اس نے سوچا کہ جب بابا بیمار تھے اور چارپائی پہ آخری سانس لے رہے تھے تو اس نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس گھر کا بیٹا بنے گا چھوٹے بھائی اور بہن کو کسی چیز کی کمی نہیں آنے دے گی اب اس کے اپنے اس کے ساتھ جو بھی سلوک کریں اس نے تو باپ سے کیا وعدہ نبھانا ہے، اسی طرح بہت ساری الجھنوں کو سلجھاتے سلجھاتے وہ سو گئی۔

"تم بہت خاموش خاموش سی رہنے لگ گئی ہو۔" عماد نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں نہیں ایسے آپ کو وہم ہو رہا ہے، اچھا چلیں لنچ ٹائم ختم ہو چکا ہے۔" وہ موبائل پہ ٹائم دیکھتے ہوئے بولی۔

"ابھی اچھا خاصا ٹائم ہے کچھ وقت رکو تو سہی۔" عماد نے اصرار کیا۔

"پلیز عماد ضد نہیں کریں چلیں یہاں سے۔" وہ ہینڈ بیگ اٹھاتے ہوئے بولی، عماد نے بھی خاموشی سے بل ادا کیا اور چابی اٹھا کر چل دیا۔

احمد اور عالیہ اپنی اسٹڈی میں مصروف تھے، لبابہ سے احمد نہ ہونے کے برابر بات کرتا تھا، جبکہ زبیدہ بیگم تو ماں تھیں ان کا رویہ سب کے ساتھ ایک جیسا ہی تھا، آہستہ آہستہ وہ عماد کے ساتھ بھی پہلے کی طرح ملنے لگی تھی وہ بھی خوش تھا، پھر احمد نے سی ایس ایس کی تیاری کی جس میں اسے شاندار کامیابی ملی، سب گھر والوں کے تو خوشی سے پاؤں ہی نہیں ٹک رہے تھے، لبابہ آج سرخرو ہو گئی تھی اب عالیہ کی ذمہ داری بھی احمد کی تھی وہ مطمئن تھی، اس نے ریزائن دیا اور اس رات وہ سکون کی نیند سوئی عماد بھی بہت خوش تھا

اور جلد ہی اپنے گھر والوں کو بھیجنے والا تھا۔

امی آخر عماد میں کیا کمی ہے جو آپ اس کے پرپوزل کی اتنی مخالفت کر رہی ہیں، لبابہ نے انہیں بہت دیر تک سمجھانے کے بعد جھلاتے ہوئے پوچھا۔

''ارے اس کے پاس نہ ڈھنگ کی نوکری ہے نہ ڈھنگ کا گھر، وہ کس منہ سے ہمارے اتنے بڑے گھر میں تمہارا رشتہ لینے آئے، وہ تو میں نے احمد کو روکا ورنہ وہ تو موقع پہ ہی نہ صرف انکار کرتا بلکہ انہیں اچھی خاصی سناتا بھی۔'' زبیدہ بیگم نے غصے سے کہا۔

''امی! عماد نے ہمارا گھر یا پھر میرے بھائی کی اچھی پوسٹ دیکھ کر پرپوزل نہیں بھیجا، وہ مجھے اس وقت نہ صرف پسند کرتے تھے بلکہ شادی بھی کرنا چاہتے تھے جب ہم کرایے کے ایک معمولی سے مکان میں رہتے تھے، کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا۔''

''بس کرو اس کی وکالت کرنا، ہم نے تمہاری وہاں شادی نہیں کرنی سو نہیں کرنی اپنے دماغ میں یہ بات اچھی طرح بٹھا لو۔'' زبیدہ بیگم نے اس کی بات کاٹ کر اسے غصے سے منع کرتے ہوئے کہا اور وہاں سے چلی گئیں۔

''امی......امی۔'' وہ ان کے پیچھے تک گئی، لیکن وہ اپنے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر چکی تھیں۔

اس نے ہر طرح سے سمجھایا لیکن عماد کے ساتھ اس کی شادی کے لئے وہ راضی نہیں ہوئے، اس نے احمد سے بات کی، لیکن وہ تو جیسے کچھ سننے کو تیار ہی نہیں تھا، تنگ آ کر اس نے کہا۔

''احمد آج تم جس عہدے پہ ہو میری وجہ سے ہو اس کے باوجود تم میری بات نہیں سن رہے۔'' احمد جاتے جاتے رک گیا مڑ کر اس کی طرف تقریباً گھورتے ہوئے دیکھا، پھر بولا۔

''آپ نے جو بھی میرے لئے کیا وہ آپ کا احسان ہے اور یہ احسان میں آپ کی شادی پہ اتار دوں گا، لیکن یہ بات یاد رکھیے گا کہ آپ کا احسان میں عماد سے شادی کروا کر ہرگز نہیں اتاروں گا۔'' پھر وہ تیزی سے وہاں سے چلا گیا، آنسو بند توڑ کر اس کی گالوں پہ پھسل گئے۔

''تمہیں شرم نہیں آتی جوان بھائی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی شادی کی بات کرتے ہوئے۔'' زبیدہ بیگم کی آواز جیسے اس نے سنی ہی نہیں اور خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی، وہ جان گئی تھی کہ اس نے جو گھر والوں سے اتنے دنوں سے جنگ شروع کی ہے، اس جنگ کو وہ ہار چکی تھی اس لئے اس نے عماد کو کال ملائی پھر ساری تفصیل بتا دی۔

''لبابہ مجھے نہیں لگتا کہ یہ واقعی تمہارے گھر والے ہیں، یار تم نے ان کے لئے کیا نہیں کیا اور یہ لوگ۔''

''پلیز عماد میں نے ان پہ کوئی احسان نہیں کیا میں نے جو کیا وہ میرا فرض تھا اب وہ جو میرے ساتھ کر رہے ہیں وہ ان کے خیال میں میرے لئے بہتر کر رہے ہیں۔''

''تو ٹھیک ہے وہ جو کہتے ہیں تم کر لو، مجھے کیوں بتا رہی ہو۔'' عماد نے غصے سے کہا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا آپ بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔'' وہ نرم لہجے میں سمجھاتے ہوئے بولی۔

''اب پھر تم ہی بتاؤ کیا کریں، میں نے تو پرپوزل بھیجا تھا، اب اور کیا کروں، میرے گھر والے کہہ رہے ہیں جتنی ہماری وہاں جا کر عزت ہونی ہے اب ہم وہاں نہیں جائیں گے میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔'' وہ کافی الجھا ہوا تھا، لبابہ خود بہت پریشان تھی لیکن اس نے بہت نرم لہجے میں کہا۔

''آپ پریشان نہیں ہوں، میں تو آپ کے ساتھ ہوں آپ جیسے کہیں گے میں کرلوں گی۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''ہاں کیا، تم کورٹ میرج کی بات کر رہی ہو۔'' وہ غصے سے بولا۔

''عماد میرا یہ مطلب نہیں۔''

''تم یہی کہنا چاہ رہی ہو، لیکن میں ایسا نہیں کروں گا، میری کوئی عزت ہے، لوگ کیا کہیں گے کہ میں لڑکی بھگا کر لے گیا کل کو میرے بچے ہوں گے ان کو طعنہ ملے گا کہ ان کی ماں گھر سے بھاگ کر آئی ہے، اچھا ہوا مجھے تمہاری ذہنیت کا پتہ چل گیا، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم عزت کے بارے میں کچھ جانتی ہی نہیں، میں بھی پاگل تھا جو تمہیں سمجھ ہی نہیں سکا جو لڑکی گھر والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر مجھے ملنے آ سکتی ہے وہ میرے گھر والوں کے ساتھ مخلص کیسے ہو سکتی ہے۔'' اور بھی جانے وہ کیا کیا بول رہا تھا، لیکن لبابہ کے ہاتھ سے موبائل گر چکا تھا۔

''اللہ معاف کرے کتنی جوان اور خوبصورت لڑکی ہے جانے کیسے اتنے بھاری ٹرک کے نیچے آ کر چلی گئی، توبہ توبہ پتہ نہیں کس قسم کی لڑکی تھی اور کیا چھپانے کے لئے اس نے اپنی زندگی ختم کر لی۔'' جتنے منہ اتنی باتیں، وہ حوا کی بیٹی فرض نبھاتی رہی، محبت کے اصول بھی نبھاتی رہی، لیکن ہار گئی۔

☆☆☆

تم آخری جزیرہ ہو

● اُم مریم ●

چودھویں قسط کا خلاصہ

مسز آفریدی، جہان کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتی ہیں مگر ناکامی کی صورت میں انہیں جھنجھلاہٹ گھیر لیتی ہے، جہان ان سے سخت بدگمان ہے جہان کو نیلما کا رویہ طیش میں مبتلا کرتا رہتا ہے۔

معاذ کے ایکسیڈنٹ کی خبر شاہ ہاؤس کے مکینوں کے شدید اضطراب کا باعث بنتی ہے، وہیں ہاسپٹل میں معاذ پہلی بار پرنیاں کو دیکھتا ہے مگر جہان کی توقع کے عین مطابق اسے پہچاننے سے قاصر رہتا ہے، پرنیاں کا تعارف زینب کی دوست کے حوالے سے معاذ تک پہنچتا ہے تو اس کی وجہ پرنیاں خود ہے، وہ ہرگز بھی اصل تعارف کے ساتھ خود کو اس کے سامنے پیش کرنے پہ راضی نہیں شاہ ہاؤس کے مکین اس کے جذبات کی قدر کرتے ہیں، معاذ پرنیاں کا اسیر ہو چکا ہے اور اسی بات کا اظہار ببانگ دہل ہر کسی سے کرتا ہے، پرنیاں زینب کی شادی پہ شاہ ہاؤس معاذ کی موجودگی میں پہلی بار آئی ہے تو قدم قدم یہ معاذ کا سامنا اس کے جذبات کو مجروح کرتا ہے، معاذ کے حوالے سے وہ شدید غلط فہمیوں کا بھی شکار ہے۔

معاذ زینب سے خفا ہے اور یہ خفگی بار بار عیاں بھی ہوتی ہے زینب کی شادی کی تو جب میں پپا معاذ سے پرنیاں کو رخصت کرا کے لانے کا ارادہ کرتے ہیں مگر معاذ تنفر بھرے انداز میں انہیں جواب دیتا ہے جس پہ پپا کو شدید غصہ آتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

پندرھویں قسط

''سوری پپا! آپ نے میری بات کو مائنڈ کیا، چلیں میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں، بٹ پپا ہمارے درمیان یہ بات طے ہو چکی تھی نا۔''

معاذ کو شاید خود بھی صورتحال کی گمبھیرتا کا احساس ہو گیا تھا، یا پھر وہ ہمیشہ کی طرح اپنی زیادتی اور رویئے کی بدصورتی کا خیال آتے ہی ازالے کی جانب پیش رفعت کر چکا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے برخوردار! آپ اپنے الفاظ واپس نہ لیں، اپنی پسند کی شادی کریں جب آپ کا دل چاہے گا مگر مجھ سے کسی قسم کے تعاون کا خیال دل سے نکال دیجئے۔'' وہ پوری طرح سے خفا ہو چکے تھے، معاذ نے عاجز ہو کر انہیں دیکھا پھر جہان کو ٹہوکا دیا تھا، گویا معاملا سنبھالنے پہ اکسایا، جہان بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''جہان بیٹے میں آپ کے لئے بھی کوئی فیصلہ کرنا چاہ رہا ہوں، یوں سمجھ لیں اپنے فرائض سے سبکدوش ہونے کا خواہش مند ہوں، بہتر ہو گا آپ مجھے اس سلسلے میں گائیڈ کر دیں۔'' ان کا روئے سخن اپنی جانب مڑتا دیکھ کر جہان کی پیشانی عرق آلود ہو کر رہ گئی۔

''اتنی جلدی کیا ہے چاچو! پلیز ابھی کچھ وقت دیں مجھے۔'' وہ واقعی ہی گڑبڑا گیا تھا، معاذ جو ہونٹ بھینچے بیٹھا تھا، ان کی بے اعتنائی کو دیکھتا بھرپور خفگی کے مظاہرے کو اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا، پپا نے بغیر کچھ کہے جہان کو پرسوچ نظروں سے دیکھا اور محض آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

☆☆☆

مجھ کو پڑھنے بیٹھے ہو تو آنکھیں ہاتھ پر رکھ لو
کبھی ہنستا ہوا تم نے کبھی بادل کو دیکھا ہے
کبھی بجلی کے دامن سے مہک پھوٹی ہے آنگن میں
سمندر ڈوب جانے کو کبھی دامن میں اترا ہے
مجھے پڑھنے اگر بیٹھو تو پرچھائیوں کو مت دیکھو
نہ بجھتے انگاروں کی بھوبھل کو
کہ ان ہاتھوں سے شعلوں کی تمازت حرف بنتی ہے
میرے ہونٹوں سے مردہ منظروں کو لفظ ملتے ہیں
میری آہٹ کو سن کر بادباں خواہش سفر پہنے
مگر میں کون ہوں؟
آنکھیں کہ صحرا اباد بے رونق
بدن پر آبرو کی کہنگی کا رنگ ٹھہرا ہے
قدم شوریدگی کی دلدلوں میں زخم خنداں ہیں
مجھے پڑھتے ہوئے ہاتھوں پہ رکھی آنکھ بہہ نکلے
تو ہنس دینا

وہ سخت وحشت زدہ سی آئینے کے آگے کھڑی اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی، اس کی آنکھیں طوفان

کی زد میں آئے سمندر کا عکس پیش کرنے لگیں اور تنا ہوا چہرا خطرناک حد تک سرخ پڑ گیا، اس نے محبت کی تھی اور محبت کرنے والا تو محبوب کے دھڑکتے دل، اس کی پلکوں کی جنبش تک پہ نگاہ کیے رکھتا ہے، اسی لئے تو اس کے انداز و اطوار اور نگاہ میں آئے فرق کو سب سے پہلے محسوس کر جاتا ہے، وہ بھی بدلے ہوئے معاذ کو دیکھ رہی تھی، جس کی بے نیازی رخصت ہو چکی تھی، وہ پرنیاں کو دیکھتا تھا تو اس کی نگاہیں لو دینے لگتی تھیں، وہ اطراف کو بھول کر صرف اسی میں کھونے لگتا تھا، ہاں یہی تو محبت تھی، وہ اپنے مابین رشتے سے انجان تھا تو یہ حال تھا اگر اسے سب خبر ہو جاتی تب اس کے استحقاق کا کیا عالم ہوتا، اس نے سوچا اور خود کو بھڑ بھڑ جلتا محسوس کرنے لگی، یہ کہہ دینا کہ میں سہہ لوں گا اور وقت آئے پہ اس تکلیف کو سہنے میں زمین آسمان کے برابر فرق ہے، نوریہ کو خود اپنے وجود کے لئے یہ اذیت ناقابل برداشت لگ رہی تھی، کہاں تک برداشت کرتی اور کس حد تک، معاذ تو جیسے دیوانہ ہونے کو تھا، پھر وہ بھی جو ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو اس کے حوالے سے کچھ بھی شبہ ہو، کبھی وہ گھر میں گھس گئی تھی، مگر اس طرح بچت کہاں ہوتی تھی، پرنیاں سے بھی وہ چاہنے کے باوجود ویسا بے تکلف اور اپنائیت آمیز رویہ نہیں رکھ پا رہی تھی جو بائی سب کا تھا، پتہ نہیں پرنیاں نے کس حد تک محسوس کیا تھا، اسے عجیب و غریب سی سوچیں پشیمان کرتی جا رہی تھیں، کچھ بس نہ چلا تو ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ کر رو دی، اب اس میں کیا کیا جا سکتا تھا، سارا کھیل ہی نصیبوں کا تھا، کچھ لوگ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں، ہر جگہ وہ آئی پی اہمیت پاتے ہیں، یہاں بھی انتہائی مغرور معاذ کے دل پہ اسی کی حکمرانی ہو گئی تھی، جبکہ وہ ہمیشہ سے اس کی نگاہوں کے سامنے رہی تھی مگر معاذ نے کبھی اسے کسی اور نگاہ سے دیکھا ہی نہ تھا۔

☆☆☆

یہ محفل جو آج سجی ہے اس محفل میں ہے کوئی ہم سا
ہم سا ہو تو سامنے آئے ہم سا ہو تو سامنے آئے

زیاد نے ڈھولک بجاتی حوریہ اور ماریہ سے ڈھول چھین لیا تھا اور خود تھاپ دیتے ہوئے تان اڑائی تو ایکدم ہاہو کار مچ گئی تھی۔

آنکھ اٹھا کر ہم جو دیکھیں پتھر کا بھی دھڑکے سینہ
آنچ ہمارے حسن کی پا کر شعلوں کو آتا ہے پسینہ
پھول سے ہم نے خوشبو چھینی سیپ سے ہم نے موتی پائے
ہے کوئی ہم سا ہو تو سامنے آئے ہم سا ہو سامنے آئے

''لو وہ آ گئے سامنے بلکہ مقابلے پہ...... اب بات کریں۔'' معاذ اور جہان ایک ساتھ وہاں آئے تھے، حوریہ اور ماریہ نے تالیاں بجا کر گویا زیاد کو تاؤ دلایا۔

''خاموش حد ادب گستاخ لڑکیو!'' زیاد نے بری طرح جھڑکا مگر اسے سب نے مل کر بری طرح ہوٹ کیا تھا، جنید بھائی اور بھابھی بھی ساتھ شامل ہو گئی تھیں۔

''تمہاری یہی سزا ہونی چاہیے اور یہ بدلہ تو اللہ نے چکایا ہے، دو شہزادوں کو بھیج کر۔'' جنید بھائی ہنس رہے تھے، زیاد کھسیا گیا۔

''کیا ہوا خیریت؟'' معاذ متوجہ ہوا تھا وہ صورت حال سے بے خبر تھا، جبھی ساری بات بتلائی گئی، اس نے پہلے کالر اکڑایا پھر منہ لٹکا لیا تھا۔

''کیا ہوا جناب؟'' بھابھی کی نگاہ بالخصوص اسی پہ تھی۔

''فائدہ تو جب ہے اس بے مثال وجاہت کا اگر کوئی خاص انسان مانے، ایرے غیروں کا کیا ہے۔'' اس کی ترچھی نگاہیں زینب کے ہمراہ کھڑی پرنیاں پہ جا ٹھہری تھیں، جوان کی سمت متوجہ ہرگز نہیں تھی، جاننے والوں نے جانا اور سمجھنے والوں نے سمجھا اور معنی خیز قہقہے بکھر گئے۔

''آپ کی نیا تو اللہ ہی پار لگائے۔'' زیاد نے درویشانہ انداز میں دعا دی تھی، معاذ نے لپک کر اس کا منہ چوم لیا۔

''افوہ یہ لاڈیاں چھوڑیں، پہلے ہمارے تحفے تو دیں نا۔'' زیاد کی تان ایک ہی جگہ پہ ٹوٹ رہی تھی، معاذ نے اسے اپنا بیگ لینے دوڑا دیا تھا۔

''جاؤ زینب کو بھی بلا لاؤ۔''

''سیدھی طرح کہو، ان کی سہیلی کو بلا لاؤ۔'' بھابھی نے چھیڑا تھا وہ کہاں شرمندہ ہونے والا تھا، کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

''جب آپ کو اتنا خیال ہے تو پھر بلا لیں نا، میں بیچارا مشرقی لڑکا۔'' اس نے شرمانے کی ایکٹنگ کی تھی، محفل گل و گلزار بن گئی، اسی ہنسی مذاق میں زینب کو بلایا گیا تھا ساتھ دست بدستہ عرض پرنیاں کو بھی کی گئی تھی، وہ جیسے مارے بندھے آ کر بیٹھی تھی، ہر انداز میں واضح گریز پائی تھی، معاذ نے بغور اس کے ہر انداز کو دیکھا تھا، اس نے پڑھا تھا عورت جب کسی مرد سے محبت کرتی ہے تو اس کے جسم کی ساری خوبصورتی خود بخود ظاہر ہونے لگتی ہے، لیکن ناپسندیدہ مرد کے لئے عورت اپنی جسمانی خوبصورتیاں اس سے پوشیدہ کر لیتی ہے، وہ ایسا کسی شعوری کوشش کے تحت نہیں کرتی بلکہ ایسا خود بخود ہو جاتا ہے، وہ گم صم ہونے لگا تھا، پرنیاں نے اس سے جھجکنا ہی نہیں گریز کرنا اور اپنا آپ چھپانا بھی شروع کر دیا تھا، وہ ہر اس جگہ سے راہ فرار ڈھونڈتی تھی جہاں اس کی آمد کا امکان بھی ہوتا، یہ گریز دوسرے لفظوں میں ناپسندیدگی ہی تھی، یہ بہت ذلت آمیز سا احساس تھا، اسے اپنے مساموں سے آگ پھوٹتی محسوس ہونے لگی تھی، محفل پھر جم گئی تھی، وہ وہاں موجود ہو کر بھی جیسے نہیں رہا تھا، زیاد کا دھیان پھر تحفوں سے ڈھولک کی طرف چلا گیا تھا۔

سوہا رنگ ای پراندے دا
گورا رنگ کالا ہو گیا ویر کالج جاندے دا

حوریہ ڈھولک بجا رہی تھی، ماریہ گلا پھاڑ کر گانے میں مصروف سب سے زیادہ تکلیف حسان کو ہوئی تھی بے تحاشا اعتراض کے ساتھ جبھی فوراً ٹوکا۔

''کیا ویر دھوپ کی چھتری میں بیٹھ کر کالج جاتا ہے؟ نان سنس۔'' ایک زبردست قہقہہ پڑا تھا، حسان کا سرخ چہرا کچھ اور سرخ ہونے لگا تھا اس اجتماعی مذاق پہ۔

''نہیں کالج کے سامنے چھابڑی لگاتا ہوگا۔'' زیاد نے ہانک لگائی تھی حسان نے زور سے سر جھٹکا، ماریہ نے گھورا اور نئے سرے سے گانے لگی۔

چڑی بیٹھ گئی سوتر تے
ساری جنج سائیکلاں تے
میرا ویر کبوتر تے

''اوئے ہوئے...... ویر ہے یا دوشیزہ کا رقعہ، جو کبوتر کی چونچ میں لٹک کر بارات کے ساتھ چل پڑا۔'' حسان کے ساتھ اب کے زیاد نے بھی زبردست احتجاج کیا تھا، ماریہ گڑبڑائی اور جلدی سے کاپی کھول کر پھر سے ٹپے کی عبارت پہ نگاہ ڈالی تھی پھر کھسیا کر تصحیح کی۔

چڑی بیٹھ گئی سوتر تے
ساری جنج سائیکلاں تے
میرا ویر سکوٹر تے

''اب سکوٹر پرانے ہو چکے، اپنے ویر کو مرسڈیز پجارو میں بٹھاؤ، بلکہ پوچھ کر بتاؤ، بتائیں لالے کس میں بیٹھ کر جنج میرا مطلب ہے بارات لے کر جائیں گے؟'' زیاد نے اپنی گفتگو میں اچانک معاذ کو گھسیٹا، وہ خلاف عادت خاموش تھا، خفیف سا چونکا اور ایک غیر ارادی نگاہ پرنیاں پہ ڈالی، چادر نما بڑا سا کاسنی دوپٹہ وہ اس انداز میں اوڑھے ہوئے تھی کہ سر کا ایک بال بھی نظر نہیں آتا تھا، ترچھے زاویے سے ایک طرح سے اسی سے رخ پھیرے وہ بے حد ریزاوڈہ ہو کر نظر آتی تھی، اس نے ہونٹ بھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔

چھلنی وچ چھان لیا
لوکاں دے ویر گھر بیٹھے
ساڈا باندری نچان گیا

لڑکیوں نے یقیناً اب کے جان بوجھ کر ہوٹنگ کی تھی، وہ سب زبردست احتجاج کرنے لگے، جنید بھائی سمیت جہان کے چہرے پہ بھی خفیف سی مسکان بکھری تھی، بس وہی تھا جو بے حد سنجیدہ رہا تھا۔

''بھائی ہم نے کون سا خود بنائے ہیں ٹپے قسم سے ایسے ہی لکھے ہوئے ہیں۔'' حسان کی زبردست ڈانٹ پہ ماریہ روہانسی ہو گئی تھی۔

''اونہہ جب بھائیوں کی باری آئی تو رنگ کالا، سکوٹر، باندری اور کبوتر رہ گئے، جب ماہیا گاؤ گی تو گورا رنگ پھول گجرے پتہ نہیں کیا کچھ خود بخود شامل ہو جائے گا۔'' حسان کا غصہ کم نہ ہو رہا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر آپ خود کچھ گا لو۔'' حوریہ کو بھی غصہ آ گیا تھا اس لعن طعن پہ، ڈھول اس کی سمت لڑھکا دیا، جسے حسان نے بے صبری سے دبوچا تھا اور بھانڈوں کے انداز میں تان دے کر گانے میں دیر نہیں لگائی۔

ساڈے بوہے اگے کیکری اے
چھو مینوں لارا لا کے فیر بار نہ نکلی اے

''اونہہ بہت اچھا گا لیا، فضول گھٹیا شاعری۔'' حوریہ نے نخوت سے ناک چڑھا کر بدلہ چکایا،

حسان نے کان نہیں دھرا تھا۔

''یار کچھ گانا ہے تو ڈھنگ کا گالو نا...... یہ کیا فضولیات ہیں۔'' زیاد کے بھی ٹوکنے پہ حوریہ نے زور سے ہنستے ہوئے گویا اس کا مضحکہ اڑایا تھا۔

''کیا گائیں کچھ خاص یاد نہیں آرہا۔'' حسان نے بیچارگی سے کہا۔

''لالے آپ کچھ سنائیں نا۔'' زیاد نے بالکل اچانک فرمائش کر دی، معاذ چونک کر متوجہ ہوا، اس نے دیکھا پرنیاں جزبز ہوئی ہے، وہ جو انکار کرنے لگا تھا ایکدم ارادہ بدل دیا۔

''شیور، تم نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔'' وہ دل آویزی سے مسکرایا، پرنیاں کو بغور دیکھ کر۔

ان سب کو کہاں اس سے اتنی آسانی سے آمادگی کی توقع تھی، خوشی کے اظہار کو باقاعدہ شور مچنے لگا، پھر یہ شور تھما تو معاذ گلا کھنکار کر باقاعدہ جم کر محفل میں اتر آیا۔

تو جانے نہ تو جانے نہ تو جانے نہ
مل کے بھی ہم نے ملیں تم سے نہ جانے کیوں
میلوں کے ہیں فاصلے تم سے نہ جانے کیوں
انجانے میں سلسلے تم سے نہ جانے کیوں
سپنے ہیں پلکوں تلے تم سے نہ جانے کیوں
کیسے بتائیں کیوں تم کو چاہیں یارا بتا نہ پائیں
باتیں دلوں کی دیکھو کبھی سمجھا نہ پائیں تو جانے نہ

عاطف اسلم کا یہ سانگ اسے خود بھی بہت پسند تھا اور جانے کتنی مرتبہ اس نے اپنے سیل پہ اسے سنا تھا مگر کبھی یہ گمان تک نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کوئی اس کے لئے یہ گانا گائے گا اور وہ کوئی بھی معاذ حسن...... اس کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ نکلا، نگاہیں اٹھائے بنا بھی وہ اس کی نظروں کا خود پہ ٹھہرنا محسوس کر رہی تھی اور ہر لمحہ سن ہوتی جارہی تھی، اس میں شک نہیں تھا کہ معاذ حسن کی آواز میں دلکشی اور رچاؤ تھا، اس پل محفل پہ سکوت طاری تھا بس اس کی آواز کا زیر و بم تھا جو ماحول کو پوری طرح طلسم زدہ کر رہا تھا۔

یہ محض گانا ہی تو نہ تھا، لہجے و آواز میں جذبوں کی لپک، احساس کا رنگ غالب تھا، جو دل پذیر ہوسکتا تھا، ہر طرف ونس مور کی صدائیں اٹھ کھڑی ہوئیں، معاذ مسکراتا رہا۔

پرنیاں ساکن و سامت رہ گئی تھی، معاذ کی آنکھوں میں توصیف کی پرشور لہریں واضح طور پہ دکھائی دے رہی تھیں، وہ اپنی سحر انگیزی سے آگاہ تھا، آواز انداز اور شخصیت کو بھی اسے تو یہ تک احساس تھا کہ صبح کے ہلکے شکن آلود ان کپڑوں میں بھی اس کی شخصیت کی دلکشی ماند نہیں ہوئی بلکہ یہ بے پرواہی اور سادگی اس کی شخصیت کو چارم اور انوکھا حسن بخش رہی ہے، اس کی ساری حسیات پرنیاں کو سامنے پاتے ہی شوریدہ سر جذبوں میں بدل جانے لگی تھیں، اس کی آنکھوں میں پرنیاں کو دیکھتے ہی جو پسندیدگی کے جذبات ابھر آتے تھے وہ اب کسی سے بھی ڈھکے چھپے نہیں تھے، بیچ طور پرنیاں کے لئے اس کے انداز و اطوار پریشان کن تھے، وہ مضطرب ہونے کے ساتھ ششدر بھی

تھی، بھلا اس کی دیوانگیوں کا رخ اس کی طرف کیسے ہوگیا، وہ جانتی تھی وہ خودسر ضدی اور مغرور انسان ہے اور الٹی کھوپڑی کا بے حد جذباتی بھی، اس کے مقابل پرنیاں نے خود کو ہمیشہ بے بس محسوس کیا تھا اور اب یہی بے بسی اسے اندر سے کاٹنا شروع کر چکی تھی، اسے اپنا آپ بے چارگی کی انتہا پہ لگ رہا تھا، وہ جانتی تھی شاہ ہاؤس کے سب مکینوں کے لئے معاذ کا یہ انداز یہ روپ بے حد طمانیت آمیز ہے مگر وہ اپنی اس انا کا کیا کرتی جو بے چارگی اور بے مائیگی کے احساس میں مبتلا سسک رہی تھی، معاذ حسن نے اپنی منکوحہ کو قبول نہیں کیا تھا، وہ ایک ایسی لڑکی کے لئے دیوانہ ہوا جا رہا تھا جو اسے حسین لگ گئی تھی، ورنہ حقیقت تو اس حد تک کربناک اور سفاک تھی کہ اسے اپنی منکوحہ کا نام تک یاد نہیں تھا، تھی کوئی اس سے بڑھ کر انسلٹنگ بات، اس کا حلق کڑوا ہونے لگا، جبکہ وہ اسی شد و مد سے کہہ رہا تھا، سب کے اصرار پہ اس نے دل کے جذبوں کو ایک دوسرے گانے میں سمونا شروع کیا تھا۔

خوابوں بنا نگاہیں میری جی رہی تھیں
کوئی نہ تھا یہ اکیلی تھی میری زندگی
خاموش تھا ہونٹوں پہ باتیں نہیں تھیں
کوئی نہیں تھا اکیلی تھی میری زندگی
تم ملے تو ملا یہ جہاں تم ملے تو ہر پل ہے نیا
تم ملے تو سب سے ہیں فاصلے
تم ملے تو جادو چھا گیا تم ملے تو جینا آ گیا
تم ملے تو میں نے پایا ہے خدا

اس کا لہجہ پرفسوں اور گمبھیر تر تھا، مگر پرنیاں کی صبیح پیشانی پر شکنیں پڑتی جارہی تھیں، گو کہ اس کے جذبے اب ڈھکے چھپے نہ رہے تھے مگر پرنیاں کے دل پر اس کی ستم رسیدگی کے زخم تازہ تھے، مزید ستم اس کی بیانگ و دہل اپنی منکوحہ سے جتائی گئی بے زاری و لاتعلقی کے ساتھ اکتاہٹ کا اندازہ تھا، زینب بغور اس کے تاثرات کا جائزہ لینے کے بعد ہی اس کے قریب جھکی تھی۔

''میرے لالہ فدا ہو رہے ہیں تم، یار ایک مسکراہٹ سے ہی نواز دو۔'' اس کا لہجہ شوخ و شنگ تھا، پرنیاں کا رنگ یکلخت پھیکا پڑ گیا، اسے لگا تھا کسی نے اسے دار پہ چڑھا دیا ہو، اس جیسی حساس عزت نفس اور وقار کو مقدم رکھنے والی لڑکی کے لئے یہ فرمائش یا تقاضا ایسا ہی ہوسکتا تھا، وہ باوقار زندگی اور حقوق کی طالب تھی، معاذ کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر وہ تو دل میں کھٹک پیدا کر چکی تھی کہ اگر وہ اس جیسی عام سی لڑکی کو دیکھ کر یوں اس پر دیوانہ وار نثار ہوا جارہا ہے تو دو سال انگلینڈ جیسے ملک میں اس کی رنگین مزاجی کا کیا عالم رہا ہوگا، یعنی بدگمانی کی بھی حد نہیں تھی مگر وہ یہ سب سوچ رہی تھی اور روہانسی ہوتی جارہی تھی، معاذ کے خوبصورت الفاظ کے پیراہن میں مغلوف عیاں ہوتے جذبے اس کو ہوا میں سرسراتے سانپ بچھو لگ رہے تھے جو اسے نگلنے اور ڈسنے کو بے قرار تھے، جبکہ وہ اس کے احساسات و جذبات سے بے خبر اسی جذب سے گویا تھا۔

تم ملے تو میں نے پایا ہے خدا

وہ جیسے ہی خاموش ہوا جیسے ہر سو چند ثانیوں کو سناٹا چھا گیا، پھر زوردار تالیاں پیٹ کر اسے سراہا گیا، زینب نے پرنیاں کی جھکی نگاہوں اور غیر معمولی سنجیدگی کو محسوس کر کے اس کی پسلی میں اپنی کہنی ماری تھی۔

"اتنی خاموش کیوں ہو؟" وہ چونکی اور ایکدم اٹھ کر کھڑی ہو گئی، معاذ حسن وہ بیگ کھول چکا تھا، جس میں اس کی ساری فیملی کے لئے گفٹس تھے، اب وہ کسی قیمت پہ بھی یہاں رکنے پہ آمادہ نہیں تھی، زینب کے روکنے معاذ کے ٹھٹکنے کی پرواہ کیئے بناوہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

اب تیری یاد سے وحشت نہیں ہوتی مجھ کو
زخم ملتے ہیں اذیت نہیں ہوتی مجھ کو
اب کوئی آئے چلا جائے میں خوش رہتا ہوں
اب کسی شخص کی عادت نہیں ہوتی مجھ کو
ایسے بدلا ہوں تیرے شہر کا پانی پی کر
جھوٹ بولوں تو ندامت نہیں ہوتی مجھ کو
ہے امانت میں خیانت سو کسی کی خاطر
کوئی مرتا ہے تو حیرت نہیں ہوتی مجھ کو
اتنا مصروف ہوں جینے کی ہوس میں محسن
سانس لینے کی بھی فرصت نہیں ہوتی مجھ کو

اس نے کتاب بند کر کے رکھ دی، چہرے پہ اضمحلال بھری مسکراہٹ تھی تو آنکھوں میں بے تحاشا سرخیاں، اسے سمجھ نہیں آئی وہ اس طرح سے آخر خود کو کیوں سمجھا اور سنبھال رہا ہے، ہاں دل نادان ہے، وہ تڑپتا ہے، اس وقت پہ جو بند مٹھی سے ریت کی مانند سرکا جاتا تھا، ہر گزرنے والا لمحہ اسے لگتا قیامت کے نزدیک تر کر رہا ہے، وحشت کا کوئی سرا تھا بھلا، یہ خیال ہی بہت اذیت انگیز تھا کہ وہ اس کی نہیں رہی، یہ تو دیوانگی کی آخری سرحد تک لے جانے والا احساس تھا کہ وہ کسی اور کسی ہو جائے گی، کیا پھر وہ بھی فرحت شاہ کی طرح دیواروں سے سر ٹکرا کر التجائیں کرتا پھرے گا یاد سے کہ اس شہر نہ جا، جہاں آنکھوں کے پپوٹوں پہ سجے بوسوں سے دم گھٹتا ہے، خیال کا وحشت بھرا سلسلہ تو ختم نہ ہونے والا تھا، محبت کو بیگانے کے پاس دیکھ کر محسوس کر کے ایسی تڑپ سے مچلتا ہے کہ کیا مرغ بسمل...... وہ کیسے برداشت کرے گا، کیا وہ پاگل ہو جائے گا اسے سوچیں وحشت زدہ کرنے لگیں۔

"خدایا کیا کروں؟" اس نے اپنا سر ہاتھوں پر گرا لیا تھا، آنکھوں کی نمی قطرہ قطرہ ہتھیلیاں بھگونے لگیں، وہ ایک بار پھر ضبط کھو گیا تھا، وہ ایک بار پھر ہار گیا تھا۔

☆☆☆

بس یہی نا کہ رات تڑپ کر گزری
تم نہیں آئے تو کیا سحر نہ ہوئی

معاذ نے اپنے بستر پہ کروٹ بدلی اور تکیہ منہ پہ رکھ لیا۔

"آپ ہر روز اتنی دیر تک کیوں سونے لگے ہیں؟" زیاد اس کے کمرے میں آ گھسا تھا، معاذ نے اسے غصے سے گھورا تھا۔

"تمہیں تکلیف......؟"

"سیدھی طرح مان لیں خواب دیکھتے ہیں سپنے سجاتے ہیں۔" وہ شرارتی ہونے لگا، معاذ نے سرد آہ بھری۔

"کہتے تو تم ٹھیک ہو، مگر تم نے کام خراب کر دیا مداخلت کر کے، بقول شاعر۔"

انہیں مجھ سے محبت ہو رہی تھی
نہ کھلتی آنکھ تو بس ہو ہی گئی تھی

زیاد کا چھت پھاڑ قہقہہ گونجا تھا، معاذ ٹھنڈی آہیں بھر کر رہ گیا۔

"یار یہ ساری پاکستانی حسین لڑکیاں اتنی پراؤڈی کیوں ہوتی ہیں؟" معاذ نے اہم سوال اس کے سامنے رکھا، زیاد اچھل پڑا تھا۔

"صرف پاکستانی کیوں؟ حسین لڑکیاں ساری ہی پراؤڈی ہوتی ہیں۔"

"نہیں نا، وہاں انگلینڈ میں بیسویں لڑکیاں مرتی تھیں میری وجاہت پہ مگر یہاں......"

"یہاں بھی تو مرتی ہیں، کالج و یونیورسٹی کا دور بھول گئے لالے، پھر ابھی شادی پہ بھی لڑکیاں آپ کو اور جہان بھائی کو ہی رال ٹپکا کے دیکھتی ہیں ہمیں تو بس گھاس بھی نہیں ڈالتیں، آپ بس پرنیاں کی بات کریں کہ وہ لفٹ نہیں کراتیں۔" زیاد ہنسا تھا، معاذ کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

"وہ ایسا کیوں کرتی ہے؟ وہ اتنی روڈ کیوں ہے؟" اب کے معاذ کا لہجہ دھیما تھا کس حد تک آنچ دیتا ہوا۔

"خالص مشرقی اور مذہبی لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں شاید۔" زیاد نے مسکراہٹ دبائی، دل میں ابال تو بہت آیا کہ اسے بتا دے مگر پھر جو اس کی شامت آنی تھی۔

"یار میرے دل میں اک خیال آ رہا ہے، اتنی پیاری لڑکی ہے، کہیں انگیجڈ نہ ہو۔" معاذ نے اپنا خدشہ ظاہر کیا تو زیاد نے بامشکل اپنا قہقہہ دبایا تھا۔

"آپ پوچھ لیجئے گا نا ان سے، میں تو زیادہ نہیں جانتا۔" اس نے گویا معاذ کو محاذ پہ روانہ ہونے کا سبق پڑھایا تھا، ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں اس کا چہرا سرخ ہوا جا رہا تھا، معاذ اپنے مسئلے میں الجھا ہوا تھا بری طرح ورنہ اس کے چہرے سے کچھ نہ کچھ اخذ تو ضرور کرتا، معاذ نے گہرا سانس کھینچا تھا، اس کے تصور میں پرنیاں کا نکھرا نکھرا تر و تازہ سراپا لہرانے لگا، وہ بالکل چاند کی طرح چمکیلی اور صبح جیسی اجلی لگا کرتی تھی۔

"آپ سے کلیئر بات تو کرنی پڑے گی مس پرنیاں!" وہ اس کے تصور سے مخاطب ہو کر گنگنایا اور اٹھ کر واش روم میں گھس گیا، ناشتہ اس نے اپنے کمرے میں ہی کیا تھا پھر پرنیاں کی تلاش میں زینب کے کمرے کی جانب چلا آیا تھا، پپا کے دو ٹوک انداز کے بعد وہ اب اپنی راہیں

خود ہموار کرنا چاہتا تھا، سب سے پہلے اس کے خیال میں پرنیاں سے بات کرنا مناسب تھا۔

''یہ محبت نہیں اذیت کا دوسرا رخ ہے زینب، ایسی محبتیں قوس وقزح کی مانند ہوتی ہیں، چند گھڑیوں کے لئے حسین ودلکش اور خیرہ کن پھر دل کے آسمان سے یوں گم ہو جاتی ہیں جیسے کبھی تھیں ہی نہیں اور دل اس قوس وقزح کو ڈھونڈنے میں دیوانہ ہو جاتا ہے، مگر وہ پھر ہاتھ نہیں آتیں، محبت بارش میں اگنے والی کھمبیوں کی طرح ہوتی ہے جو دیکھنے میں خوشنما اور زہریلا پھل ہے، اس کو چکھنے والا عمر بھر تڑپتا رہتا ہے، نہ جیتا ہے اور نہ ہی مرتا ہے۔'' معاذ کے قدم دروازے کی چوکھٹ پہ ٹھٹکانے والی پرنیاں کی ہی آواز تھی، وہ زینب کی کسی بات کا جواب بے حد سنجیدگی سے دے رہی تھی، معاذ کو اس کے محبت کے بارے میں خیالات جان کر دانتوں پسینہ آنے لگا۔

''تو پھر یہ محبت آخر ہے کیا؟ کیوں اس کا اتنا چرچا ہے، یہ دلوں کو کیسے اور کیونکر جکڑ لیتی ہے، کیوں دل سے نہیں نکل جاتی؟'' زینب نے ہنستے ہوئے بے فکرے پن سے سوال کیا تھا، معاذ وہیں کھڑا رہ کر پرنیاں کا جواب سننے کا منتظر ہو گیا۔

''محبت تو بہت پیارا جذبہ ہے مگر اس کا خوش کن سلسلہ کسی بھی غیر محرم رشتے سے نہیں جڑتا، نا محرم سے ہونے والی محبت بے جڑ اور بے زمین پودے کی مانند ہوتی ہے کسی بھی تیز آندھی اور مخالف ہوا سے اکھڑ جانے والا پودا، محبت وہی بھر پور ہوتی ہے جو عورت کو اپنے محرم مرد سے ملتی ہے، اپنے بچوں سے ملتی ہے اور یہی محبت عورت کو مکمل بناتی ہے، اس کے نسوانی وقار اور پاکیزگی کو قائم رکھتی ہے، اسے آسودہ رکھتی ہے، یہ راستوں میں آنے والے کچے سائبان ہیں جو کبھی عورت کو تحفظ اور آسودگی نہیں دے سکتے، یہاں ٹھہرنا عبث ہے گزر جانا عقلمندی ہے، یہ سراب ہے، کر پس ہے جو ہر گزرنے والے کو جکڑنا چاہتا ہے، میں اپنے دل کو نفس کے منہ زور سیلاب میں تنکے کی طرح بہنے کی اجازت نہیں دے سکتی، یونفس منہ زور بے لگام گھوڑے کی مانند ہوتا ہے، اس کی مانو تو یہ منہ کے بل گراتا ہے۔'' معاذ کے ہونٹوں پہ بے اختیار مسکراہٹ بکھر گئی، اسے اپنے انتخاب پہ فخر محسوس ہونے لگا۔

''مگر پری لالے تمہیں چاہنے لگے ہیں اور عورت کی یہ بہت بڑی خوبی ہے کہ وہ اپنے چاہنے والے مرد کی بڑی سے بڑی خطا کو بھی فراخ دلی سے معاف کر دیتی ہے۔'' زینب کا لہجہ و انداز ملتجیانہ تھا، معاذ کو حیرت ہوئی تھی کہ زینب پرنیاں کو اس کے لئے ہموار کر رہی تھی اسے بے اختیار زینب پہ پیار سا آنے لگا۔

''مرد عورت کی اس خامی سے ہمیشہ فائدہ اٹھاتا رہا ہے، کبھی کھوکھلے لفظوں سے کبھی جھوٹے حیلے بہانوں سے اسے ہمیشہ ٹریپ کرتا رہا ہے۔'' پرنیاں کا جوابی لہجہ سرد اور سپاٹ ہو گیا تھا، معاذ کو اپنے اعصاب تڑختے محسوس ہوئے، وہ آخر اس سے اتنی بدگمان کیوں تھی۔

''میں جانتی ہوں مرد اور عورت ہر معاملے میں برابری نہیں کر سکتے، عورت کو مرد کی دوستی بہت مہنگی پڑتی ہے، مرد صرف گنہگار ہوتا ہے جبکہ عورت ساتھ رسوا بھی ہوتی ہے، اس کا نسوانی وقار اور پاکیزگی مجروح ہوتی ہے، سو مجھے محتاط رہنا پسند ہے۔''

معاذ کے اندر برداشت ختم ہو گی، وہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوا اور سیدھا جا کر پرنیاں

کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''ماشاء اللہ آپ کے خیالات بہت روشن ہیں، مجھے خوشی ہوئی ہے جان کر، مگر ضروری تو نہیں ہے کہ آپ ہر مرد کو ایک ہی پیمانے میں تولیں۔''

پرنیاں کو تو اس کی آمد کی توقع نہیں تھی کجا اس کا براہ راست اسے مخاطب کر لینا، اس کا اعتماد بری طرح سے زائل ہوا تھا، بوکھلا کر وہ یکلخت اٹھ کر کھڑی ہو گئی، معاذ کا لہجہ آنچ دیتا ہوا تھا، تاہم چہرے اور آنکھوں میں بے تابیاں اور وارفتگیاں سمٹ آئی تھیں اور یہی رنگ پرنیاں کو ہراساں کیا کرتے تھے، اس وقت بھی وہ شدید گھبراہٹ کی زد میں آئی تھی۔

''ک...... کیا مطلب ہے آپ کا؟''

''مطلب مجھے آزمائیں، یہ آزمائش ہی شرط ہو گی۔'' معاذ نے ایک مخموری سانس بھری تھی اور اسے یوں دیکھنے لگا جیسے نگاہوں کے رستے دل میں اتار رہا ہو، لہجہ معنی خیز تھا، پرنیاں کے وجود پہ گہرا سکوت طاری ہو کر رہ گیا، اعصاب کھنچے ہوئے محسوس ہونے لگے۔

''آپ ایٹی کیٹس سے اس قدر بے بہرہ ہیں، مجھے ہرگز معلوم نہیں تھا، اینڈ لیسن مجھے ہرگز اس قسم کی گفتگو پسند نہیں، ایکسکیوزمی......'' وہ حواس میں لوٹی تو پھٹ پڑی تھی، اگلے لمحے وہ سائیڈ سے نکل کر باہر چلی گئی، معاذ سر تھام کر وہیں گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا، زینب نظریں چرا رہی تھی۔

''کیا میں نے اسے اور زیادہ خفا کر دیا ہے۔'' کچھ تاخیر سے خیال آنے پہ وہ فکر مند سا زینب کو دیکھنے لگا، زینب کو ہنسی آنے لگی۔

''پتہ نہیں لالے شاید...... ویسے آپ کو ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا اور کیا آپ ہماری باتیں سن رہے تھے؟'' آخر میں اس کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی طنزیہ ہوا تو معاذ کھسیا کر سر کھجانے لگا۔

''محترمہ بہت فصاحت و بلاغت سے محبت کے موضوع پہ تقریر کر رہی تھیں میں فیض یاب ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔''

''بری بات ہے لالے ویسے بھی کیا خوب کہا ہے کسی شاعر نے کہ۔''

ادب پہلا قرینہ ہے
محبت کے قرینوں میں

زینب کی نصیحت پہ معاذ نے سرد آہ بھری تھی اور سر کو اثبات میں جنبش دی۔

''جس قسم کی باادب باملاحظہ قسم کی محترمہ کی پرسنالٹی ہے، خیال تو کرنا پڑے گا۔''

''گڈ، ویسے لالے آپ خفا تھے نا مجھ سے، میں پرنیاں کی مشکور ہوں کہ اس کی وجہ سے آپ نے مجھے بھی معاف کر دیا۔'' زینب کی آواز ایکدم بھرا گئی تھی، معاذ نے بوکھلا کر اسے دیکھا۔

''پاگل ہو بالکل، بھول جاؤ سب کچھ، خدا تمہیں آگے بہترین زندگی نصیب کرے آمین۔'' معاذ نے اس کا سر تھپکا تو زینب بے اختیار ہو کر اس کے کاندھے سے لگ گئی تھی۔

''میں جانتی ہوں کہ آپ بجے سے بہت محبت کرتے ہیں، سب کا خیال ہے میں نے بجے سے زیادتی کی ہے، مگر لالے انہیں کوئی فرق نہیں پڑا، انہیں مجھ سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔'' وہ سسکی تھی

پتہ نہیں کیوں، معاذ دکھ کی اتھاہ گہرائیوں میں اترنے لگا۔

(بے جی کبھی کبھی مجھے لگتا ہے تم نے اپنے جذبوں کو ہر کسی سے پوشیدہ رکھ کر اپنا بہت بڑا نقصان کرلیا، زینب کم عقل تھی وہ میری اور پپا کی طرح تمہاری آنکھوں کی اتھاہ گہرائیوں میں چھپے اپنے لئے جذبے نہ پہچان سکی، تمہاری ہار نے مجھے سبق دیا ہے کہ میں خاموش محبت سے باز رہوں۔)

''جوڑے آسمانوں پہ بنتے ہیں زینی! تمہارے لئے تیمور ہی اتارا گیا تھا، پھر یہ تمہارا اپنا انتخاب ہے، بس یہ یاد رکھو، باقی سب بھول جاؤ۔'' وہ بے اختیار ہو کر زینب کو ڈھارس دے رہا تھا، جہان اسے بہت عزیز تھا، مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ زینب اس کی ماں جائی تھی، اسے بے حد پیاری، جبکہ زینب کے ذہن سے جیسے کوئی بوجھ اتر کے نہ دیتا تھا، وہ بے حد زخمی انداز میں مسکرا دی تھی۔

☆☆☆

تاکتے رہتے تجھے کو سانج سویرے
نینوں میں بسیاں جیسے تین یہ تیرے
تیرے مست مست دو نین
میرے دل کا لے گئے چین
میرے دل کا لے گئے چین
تیرے مست مست دو نین

زیاد ہال کمرے میں ڈیک آن کیے سلو بھائی کے انداز میں ہی رقص پیش کر رہا تھا، نوجوان پارٹی جمع تھی اور تالیاں بجا کر ساتھ ساتھ ہی داد و تحسین کے ڈونگرے برسائے جا رہے تھے، معاذ نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے یہ منظر دیکھا تھا اور گہرا سانس بھر کے کھڑکی سے ہٹ جانے کو تھا کہ اس کی نگاہ صوفے پہ بیٹھی پرنیاں پہ جا ٹھہری، جو مما اور حوریہ کے درمیان بیٹھی کسی بات پہ بے تحاشا ہنس رہی تھی، اس کا ریشمی دھانی آنچل بار بار اس کے سر سے سرکتا تھا جسے وہ سنبھالنے کی کوشش میں مصروف تھی اور معاذ اسے دیکھنے میں۔

گردن اور گالوں کے گرد اٹھکیلیاں کرتیں موٹی لٹوں کو سمیٹ کر پھر سے کیچر میں جکڑتے ہوئے پرنیاں کی اچانک نگاہ اٹھی تھی، معاذ کو اطراف سے بیگانہ ہو کر اپنی ذات میں گم پا کر پرنیاں کا دل دھک سے رہ گیا تھا، پیشانی سے بے اختیار پسینہ پھوٹ نکلا، اس کی جذبے لٹاتی نظروں سے دل سہمنے سا لگا، اس کے ہاتھ بے اختیار پہلوؤں میں گر گئے، بدحواسی کے عالم میں اس نے دوپٹہ اچھی طرح اوڑھا تھا اور ہونٹ بھینچے تیزی سے اٹھی ارادہ کمرے میں جانے کا تھا مگر کمرے سے نکلتے ہی اس کا سامنا پھر معاذ سے ہوا تھا، وہ یقیناً وہیں آ رہا تھا، تصادم ہوتے ہوتے رہ گیا۔

''دھیان سے میم! پھر آپ مجھے ہی لعن طعن کریں گی۔'' اس کے انداز میں شرارت تھی، وہ جھلس کر رہ گئی، غصے اور توہین کی لہر پرنیاں کے اندر سے بہت سرعت سے اٹھی، کچھ کہے بغیر اس نے معاذ کو سرد نظروں سے دیکھا تھا، اس کے دیکھنے کے انداز میں گو کہ ناگواری و خفگی اور فہمائش تھی مگر معاذ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بہت دل آویزی سے مسکرایا تھا۔

''آپ کو کیسا لگتا ہوں، ویسے سب لوگ تو یہی کہتے ہیں میں بہت اسمارٹ ہوں۔'' بالوں

میں ہاتھ پھیر کر وہ بڑی ادا سے بولا تھا، پرنیاں کو لگا اسے یکلخت کسی نے جلتے شعلوں میں دھکیل دیا ہو۔

''آپ کو شرم آنی چاہیے یہ ساری فضول ٹین ایجر حرکتیں کرتے ہوئے۔'' اس کا لہجہ گو کہ دھیما تھا مگر اس میں نرمی نام کو نہیں تھی، معاذ ایکدم سنجیدگی کی لپیٹ میں آ گیا۔

''سوری میں مذاق کر رہا تھا۔''

''میرا آپ سے مذاق کا کوئی تعلق ہے؟'' بہت چبھتی ہوئی نظریں تھیں، معاذ ہونٹ بھینچ کر رہ گیا، وہ تنتناتی ہوئی چلی گئی تھی۔

زیاد چوکھٹ سے کاندھا ٹکائے سر تال ملا رہا تھا، معاذ نے جلتی آنکھوں سے اسے دیکھا اور ایک جھٹکے سے مڑ گیا۔

اوکھے پینڈے لمبیاں نے رواں عشق دیاں
کدی نہ مکدیاں سخت سزاواں عشق دیاں

راہداری عبور کر جانے تک زیاد کی آواز اس کا پیچھا کرتی رہی تھی اور اس نے بے حد تلخی سے سوچا تھا۔

(میری محبت حوض کا مقید پانی نہیں ہے بلکہ ایک رواں پرجوش دریا ہے اور میں دیکھتا ہوں اس رواں دریا میں تمہاری سرد مہری کیسے نہیں ڈوبتی۔)

☆☆☆

مہندی کی تقریب میں خلاف عادت معاذ کی سنجیدگی قابل دید تھی، ایش گرے عام سے کھدر کے کرتا شلوار میں ہلکی بڑھی شیو کے ساتھ وہ جہان کے ساتھ انتظامات سنبھالتا پھرتا رہا تھا، رسم کے موقع پر بھی وہ آگے نہیں آیا تھا، بلکہ جہان کا سایہ بنا رہا تھا، حالانکہ زیاد وغیرہ نے اسے بہتیرا اپنے ساتھ ہلے گلے میں شریک کرنا چاہا تھا مگر اس کی سنجیدگی میں فرق نہیں آ سکا، پرنیاں نے مہندی کی مناسبت سے گرین کلر کا جدید تراش خراش کا لباس پہنا ہوا تھا، ساتھ میں بے حد نفیس ہلکی پھلکی جیولری، رسم کے لئے جب زینب کو اسٹیج پہ لایا گیا تو ایک طرف سے بھابھی کے ساتھ وہ زینب کو سہارا دیتے ہوئے تھی اور ایسے سمے بار بار پھسلتے دوپٹے کو سنبھالتے وہ کس درجہ حسین لگ رہی تھی یہ ہر دیکھنے والی آنکھ جانتی تھی، معاذ نے اسے دور سے دیکھا تھا مگر بغیر کسی پابندی کے دیکھا تھا، یہ لڑکی صرف دل کی طلب نہیں تھی، یہ تو اس کی مردانگی کا چیلنج بنتی جا رہی تھی، وہ یکا یک اس کے لئے جنونی ہونے لگا تھا، خود کو ناقابل تسخیر بنا کر پیش کرنے والی لڑکیاں اسے کبھی اٹریکٹ نہیں کرتی تھیں، وہ جانتا تھا ایسی لڑکیاں محض توجہ حاصل کرنے کو یہ حربے استعمال کرتی ہیں اور بہت جلد ان کا یہ خول اتر جاتا ہے اسے یہ دیکھنا تھا پرنیاں کا یہ رنگ کتنا پکا ثابت ہوتا ہے، یہی وجہ تھی کہ وہ اسے عاجز کر دینے پر اتر آیا تھا، رسم کے بعد ہی اصل محفل جمی تھی، زینب کی فرمائش تھی سب کچھ نہ کچھ سنائیں، سب سے پہلے اس نے معاذ سے ہی گذارش کی تھی، معاذ نے کاندھے اچکا دیئے، وہ سب ہمہ تن گوش ہوئے تو معاذ کو شرارت سوجھ گئی تھی۔

شعر عرض ہے پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

بچے دو ہی اچھے بیویاں چاہے چار رکھ

وہ سب پہلے ہونق ہوئے تھے پھر اسے گھورنے لگے۔

"لالے دس از ناٹ فیئر۔" زیاد نے احتجاج بلند کیا۔

"کیوں یہ شعر نہیں ہے؟" معاذ نے آنکھیں دکھائیں۔

"آپ کے روشن خیالات کا کچھ اندازہ تو تھا ہمیں مگر اس حد تک سفا کی...... ایک ایک بیوی سے ایک ایک بچہ بھی ہو تو چار تو بنتے ہیں نا۔" زیاد نے کھل کر رائے دی، معاذ گڑبڑا سا گیا۔

"ایڈیٹ کیوں میرا امیج خراب کرنے پہ تلے ہو، یہ تمہیں نصیحت کی تھی میں نے۔" وہ دانت کچکچانے لگا، زیاد نے قہقہہ لگایا تھا، پھر جنید بھائی نے یہ فضول بحث ختم کر کے اصل بات کی سمت توجہ دلائی تھی، معاذ کھنکار کر گلا صاف کرنے لگا تو زیاد نے پھر چھیڑا۔

"کلام معیاری ہونا چاہیے۔" معاذ نے اسے محض گھورنے پہ اکتفا کیا تھا۔

"ویسے سنائیں گے کیا؟" زیاد کو ٹوہ لینے میں مزا آیا۔

"مجھ پہ تازہ تازہ انکشاف ہوا ہے کچھ لوگوں کی آنکھیں بہت حسین ہیں، انہی کو خراج پیش کرنا چاہوں گا۔" معاذ نے بالخصوص اسی پل بھابھی کی معیت میں وہاں آتی پرنیاں کو دیکھا۔

پتہ نہیں اس نے سنا نہیں یا جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا، زینب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر بٹھا لیا، وہ جز بز تھی مگر خاموش اور کترائی ہوئی، معاذ کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ وہاں موجود تھی، وہ دانستہ کھنکارا اور پھر گمبھیر لہجے میں گویا ہوا تھا۔

گلاب آنکھیں شراب آنکھیں
یہی تو ہیں لاجواب آنکھیں

معاذ نے لمحہ بھر کو توقف کیا اور پرنیاں کی آنکھوں میں زبردستی جھانکنے کی کوشش کی، دیکھنے کا انداز بڑا مدہوش کن اور دل نشین تھا، وہ جانتا تھا لڑکیاں اس کی کن اداؤں پر جان دیتی ہیں، وہ ہر دل آویز حربہ اس پہ آزما رہا تھا مگر پرنیاں نے نگاہ نہ اٹھانے اسے نہ دیکھنے کی گویا قسم کھا لی، وہ دانستہ سیل فون پہ مصروف ہوئی تھی، اس کا ہر حربہ ناکامی سے دوچار کرنے کو معاذ کے اندر جھنجھلاہٹ اترنے لگی۔

عجب تھا گفتگو کا عالم
سوال کوئی جواب آنکھیں

اس کے لہجے میں جذبوں کی شدید لپک تھی، پرنیاں کا رنگ سرخ پڑنے لگا، جتنے بھی خود پہ پردے گرائی، اس میں شک نہیں تھا کہ وہ بہت پہلے سے اسے اسیر کر چکا تھا، عجیب صورتحال تھی کہ وہ اس پہ یوں فریفتہ ہوا جا رہا تھا، پرنیاں کو اس کی نظروں کی تپش سے اپنا وجود پگھلتا محسوس ہونے لگا، وہ مضطرب ہو کر اٹھی مگر زینب نے بروقت اس کا ہاتھ تھام لیا تھا، پرنیاں نے جلتی آنکھوں سے زینب کو دیکھا اس کی نگاہوں میں التجا تھی، پرنیاں کو اپنا تماشا بننا پسند نہیں تھا مگر وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھی۔

نہ یوں جلیں نہ یوں ستائیں

کریں تو کچھ یہ خیال آنکھیں

معاذ کے جتلاتے انداز پہ پرنیاں نے ٹھٹک کر پلکیں اٹھائیں، جذبوں سے لو دیتی آنکھیں اسی پہ فوکس تھیں، اس کے متوجہ ہوتے ہی وہ بھرپور انداز میں مسکرایا، یعنی وہ اس کی کیفیات سے پوری طرح آگاہ تھا، پھر بھی زچ کرنے سے باز نہیں آ رہا تھا، وہ ایکدم روہانسی ہو کر رہ گئی۔

آخری مصرعہ اس نے مصنوعی خفگی سے کسی قدر بسور کر کہا تھا، محفل زعفران زار بن گئی، داد و تحسین، سیٹیاں، تالیاں، پرنیاں کا ضبط جواب دے گیا، وہ بڑے فخر سے داد وصول کر رہا تھا، پرنیاں کو لگا سراسر اس کا تمسخر اڑایا جا رہا ہو، یہ اگر محبت تھی تو کیسی؟ یہ اگر احساس تھا تو کتنا عجیب وہ ایکدم اٹھ کر بھاگی مگر اگلے لمحے ٹھٹک گئی، معاذ نے لپک کر اس کا راستہ روک لیا تھا، وہ ششدر سی ہو گئی، وہ مسکرایا تھا۔

ابھی تم بیٹھ جاؤ نا
بہت سی بات باقی ہے
میرے حالات باقی ہیں
میرے جذبات باقی ہیں
میری تو ہر خوشی تم سے میری ہر آرزو تم سے
مجھے تم کیوں ستاتے ہو مجھے کیوں چھوڑ جاتے ہو

اس کا لہجہ ہلکی سی شرارت کا رنگ لئے دھیما اور پر اثر تھا، لبوں کی تراش میں مبہم سی مسکراہٹ رقصاں تھی، پرنیاں سکتے کے عالم میں اسے یک ٹک دیکھتی رہی پھر جانے کیا ہوا کہ ہاتھوں میں چہرا چھپا کر وہیں بیٹھ کر زارو قطار رونی چلی گئی تھی، معاذ تو بوکھلا ہی تھا، وہ سب بھی جواب تک جیسے کسی ٹرانس میں تھے ہوش میں لوٹ آئے، جنید بھائی اور بھابھی نے معاذ کو حسب توفیق ڈانٹا پھٹکارا تھا، باقی سب کو پرنیاں کی پڑی ہوئی تھی، جو ان کے سنبھالنے کے باوجود بکھرتی ہی جا رہی تھی، معاذ حیران پریشان کھڑا تھا، پرنیاں کا ردعمل اس کی توقع کے بالکل برخلاف تھا۔

"لالے یہاں سے کھسک جائیں، آپ کی فی الحال بہتری اسی میں ہے۔" زیاد اس کے کان میں گھس کر بولا تھا، معاذ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"میں میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں مائنڈ اٹ۔"

"گڈ، تو پھر جائیں آپ جا کر انہیں گلے لگا کر دلاسہ دیں شاید آپ کے الفاظ اثر دکھا جائیں۔" زیاد نے کچھ اس طرح جل کر کہا تھا کہ معاذ کا چہرا خفت سے سرخ پڑ گیا۔

"نان سنس، بہت بدتمیز ہو۔" وہ جھینپا تھا۔

"افوہ، آپ اور شرم...... امیزنگ۔"

"بکواس بند کرو، مجھے تو لگتا ہے تم لوگوں کی میرے متعلق اس قسم کی باتوں نے اسے مجھ سے اتنا بدگمان کیا ہے۔" وہ جھنجھلایا تھا اور ایک نظر پرنیاں کو دیکھا جو بھابھی کے ساتھ لگی ہچکیاں بھر رہی تھی، اس نے سر جھکا اور پلٹ کر باہر چلا گیا، زیاد نے ساتھ باقی سب نے بھی سکھ کا سانس بھرا تھا۔

☆☆☆

اگلا دن بارات کا تھا صبح سے ہی ایک افراتفری ایک ہڑبونگ سی مچی ہوئی تھی، معاذ فریش ہونے کے بعد مما کو پکارتا کچن میں ہی چلا آیا مگر وہاں بھابھی اور مما کے ساتھ پرنیاں کو بھی موجود پا کر وہ ایکدم ٹھٹکا تھا۔

''اس میں بھلا زحمت یا پریشانی کی کیا بات ہے بیٹے! بس آپ ناشتہ کرلو پھر میں جہان سے کہہ دیتی ہوں، وہ لے جائے گا آپ کو۔'' مما بہت دلار بھرے انداز میں کرسی پہ بیٹھی پرنیاں سے مخاطب تھیں جس کے آگے ناشتے کے لوازمات موجود تھے اور چہرے پہ تردد کی کیفیت، وہ اسے رخ دوسری جانب ہونے کی بدولت فوری دیکھنے سے قاصر رہی تھی۔

''میرے پاس ہیں اور بھی ڈریسز میں انہی میں سے کوئی پہن لوں گی، آپ فکر نہ کریں۔''

''بیٹے آپ غیریت برت رہی ہو اور یہ آپ کا انداز مجھے بہت تکلیف دیتا ہے۔'' مما پتہ نہیں کیوں اس قدر جذباتی ہوگئی تھیں، اس سے قبل کہ پرنیاں جواب میں کچھ کہتی معاذ کھنکارتا ہوا اندر داخل ہوگیا تھا، مما اور بھابھی کے ساتھ پرنیاں نے بھی چونک کر اسے دیکھا، پرنیاں ایکدم ریزروڈ ہوئی تھی، جبکہ مما نے خوشدلی سے اس کا استقبال کیا تھا۔

''آؤ بیٹے ناشتہ کرو گے؟''

''جی! اگر آپ کے پاس ہم جیسے عام لوگوں کے لئے وقت ہو تو......؟'' پرنیاں پہ گہری نگاہ ڈال کر وہ جتلانے والے انداز میں بولا تھا، مما اس کا طنز سمجھے بغیر نرمی سے ہنس دیں۔

''کیوں ٹائم نہیں ہوگا بیٹے! آج زیاد، ماریہ حسان اور نوریہ، حوریہ سب نے زینب کے ساتھ ناشتہ کیا ہے، زیاد سے کہا تھا آپ کو بھی جگالے۔''

''اُفوہ اسی لئے ان کی سہیلی یہاں اکیلی نظر آرہی ہیں، چلیں انہیں میں جوائن کر لیتا ہوں، اکیلے کچھ کھانا پینا بہت مشکل کام ہے نا مما!'' اس کی سنجیدگی میں بھی بلا کی شوخی اور شرارت کا رنگ تھا، مما ہنس دی تھیں جبکہ پرنیاں نے ہونٹ بھینچ لئے تھے، معاذ کرسی گھسیٹ کر اس کے مقابل بیٹھ چکا تھا۔

قیامت خیز ہیں آنکھیں تمہاری
تم آخر خواب کس کے دیکھتے ہو

پرنیاں کی جھکی پلکوں والی آنکھوں کو نشانہ بناتے ہوئے وہ معنی خیزی سے مگر بہت مدھم سا گنگنایا تھا۔

''تم آخر اس بیچاری کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو، بلکہ آنکھوں کے پیچھے۔'' بھابھی نے اسے سرزنش کی تھی، پرنیاں کرسی چھوڑ کر اٹھ کر گئی، مما بوکھلانے لگیں۔

''ناشتہ تو ختم کرو بیٹے!''

''میں اس وقت صرف چائے لیتی ہوں۔'' اس نے جیسے مما کو مطمئن کیا تھا، معاذ خوامخواہ کھانسا۔

''تو یہ بات آپ کو مما کو پہلے بتانی چاہیے تھی، ویسے اظہار نہ کریں تو الگ بات ہے حقیقت یہ

ہے کہ آپ میری وجہ سے ناشتہ چھوڑ کر جارہی ہیں۔'' اس کے پرتپش لہجے میں بلا کی حدت تھی، پرنیاں نے تلملا کر سرد نظروں سے اسے دیکھا۔

''کچھ لوگوں کو اپنے متعلق حد سے زیادہ خوش فہمی لاحق ہوتی ہے، اطلاعاً عرض ہے مجھے آپ کے ہونے نہ ہونے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔'' وہ کچھ اس طور پھٹی کہ بھڑک کر بولتی چلی گئی، مما تو حق دق رہ گئی تھی جبکہ بھابھی نے سر تھام لیا تھا۔

پرنیاں نے اس کی دہائی پوری بھی نہیں سنی تھی اور پلٹ کر کچن سے نکل گئی۔

بہت مغرور بنتے جا رہے ہو
محبت میں کمی کرنی پڑے گی

وہ بڑبڑایا تھا، مما نے دکھ کی کیفیت میں گھر کر اسے دیکھا۔

''دس از ناٹ فیئر مائی سن! آپ کو نہیں لگتا آپ اپنے راستے دشوار کررہے ہو؟'' معاذ نے چونک کر انہیں دیکھا پھر ایکدم خوشگواریت میں گھر گیا۔

''آپ کو بھی یہ پسند آئی ہے نا مام! آپ میرا ساتھ دیں گی نا؟'' چہک کر کہتا وہ ان سے پلٹ کر منمنایا تھا، مما کچھ کہنے کو منہ کھول رہی تھیں کہ بھابھی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر دبایا اور آنکھ سے خاموشی اختیار کرنے کا اشارہ دیا تھا، مما کچھ الجھ گئیں تھیں البتہ بولیں نہیں کچھ، معاذ ناشتہ کرنے کے بعد کچن سے گیا تب ان کی سوالیہ نگاہیں بھابھی پہ آن ٹھہری تھیں۔

''یہ معاذ...... مجھے لگ رہا ہے کچھ مسنگ ہے۔'' بھابھی مسکرا دی تھیں۔

''جی چچی جان! معاذ نے پرنیاں کو دیکھا ہی کب تھا، اس وقت کی غلطی اب بھگت رہا ہے، سب مل کر بے وقوف بنا رہے ہیں اسے، پرنیاں کا اس کے لئے بس تعارف اتنا تھا کہ وہ زینب کی دوست ہے، وہ پاگل ہورہا ہے اس کے پیچھے......'' مما نے پوری بات سنی اور ایکدم فکر مند ہوگئی تھیں۔

''یہ تو بہت غلط بات ہے بیٹے! آپ کو معاذ کی نیچر کا پتہ ہے نا، وہ علم ہونے پہ اک طوفان اٹھا دے گا۔'' ان کی تشویش کسی حد تک درست تھی جب بھابھی نے بتایا کہ وہ پرنیاں خود بھی اس تعارف سے گریزاں ہے تو انہیں چپ سی لگ گئی تھی۔

''میں پرنیاں کو سمجھاؤں گی، حقیقت سے فرار ہمیشہ نقصان جھولی میں ڈالا کرتا ہے۔'' وہ مضطرب ہوکر بولی تھیں، انہیں معاذ کی طرف سے دوسرا خطرہ تھا کہ اگر پرنیاں پسند نہ آئی اسے تو کیا ہوگا، مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہوگیا تھا۔

☆☆☆

ابھی ضد نہ کر دل بے خبر
کہ پس ہجوم ستم گراں
ابھی کون تجھ سے وفا کرے
ابھی کسی کو فرصتیں اس قدر
کہ سمیٹ کر تیری کرچیاں

تیرے حق میں خدا سے دعا کرے
ابھی ضد نہ کر دل بے خبر
کہ تہہ غبار غم جہاں
کہاں کھو گئے تیرے چارہ گر
کہ راہ حیات میں رائیگاں
کہاں کھو گئے تیرے ہمسفر
ابھی غم گساروں کی چوٹ سے
ابھی کچھ نہ سن ابھی کچھ نہ کہہ
ابھی ضد نہ کر دل بے خبر

کمرے میں نیم تاریکی تھی، وہ بیڈ کے وسط میں بیٹھی تھی، گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے انہی بازوؤں میں سر دیئے، لمبے گھنیرے ریشمی بالوں نے اس کے نازک وجود کو تقریباً ڈھانپ لیا تھا، کچھ دیر پہلے وہ نہا کر نکلی تھی، لیکن مہندی کی تقریب کا جوڑا نہیں پہنا تھا، معاً دروازہ کھلا اور کوئی تیزی سے اندر آیا۔

''ارے زینی! اتنا اندھیرا، تم نے لائٹ کیوں بند کر رکھی ہے۔'' بھابھی نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کی، ان کے ہاتھ میں اس کے پہلے جوڑے کا ہینگر تھا۔

''اٹھ کپڑے بدل لو۔'' بھابھی نے اس کی پوزیشن میں فرق نہ آتے دیکھ کر کہا، زینب نے محض سر ہلایا تھا، بھابھی اسے جلدی کی تاکید کرتیں پلٹ کر پھر چلی گئیں، آج وہ ضرورت سے زیادہ مصروف تھیں، خاصی تاخیر سے زینب نے سر اونچا کیا اس کے چہرے پہ ان بازوؤں پہ صرف وہ نمی تو نہیں تھی جو اس کے نم بالوں کے ڈھلک آنے کا باعث اس کے لباس کے ساتھ چہرے کو بھی گیلا کر گئی تھی، اس نے کچھ دیر ساکن اور منجمد نظروں سے اس لباس کو دیکھا، جو آج کی تقریب میں اسے پہننا تھا، یہ جوڑا بہت خوبصورت اور مہنگا تھا مگر اس کے اندر کوئی جذبہ نہیں جاگا، وہ ہمیشہ مہنگی اور شاندار چیز پا کہ ہی سرشار ہوا کرتی تھی، معاً وہ چونکی تھی اور اٹھ کر کھڑکی تک آئی، کھلی کھڑکی سے لان کا منظر واضح تھا، تقریب کا اہتمام وہیں تھا، اس وقت لان کی آرائش دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، کتنے چہرے تھے، مگر اس کی نگاہ اک جگہ پر ساکن ہو گئی تھی، پرنیاں تھی، ساتھ میں زیاد اور تیسرا ہنستا مسکراتا چہرا جہان کا تھا، سفید کلف دار کرتا شلوار میں تک سک سے تیار، اپنی وجاہتوں اور شاندار قامت کے ساتھ، وہ گویا پورے ماحول پہ چھایا ہوا لگتا تھا، پرنیاں کچھ گریزاں اور نروس نظر آئی تھی، زیاد نے کچھ کہا تھا، جہان زور سے ہنسا، ہنستے ہوئے اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی، یہ جھلملاتی روشنیاں اسے خار بن کر چبھی تھیں، اس نے ہونٹ بے دردی سے کچلے۔

''یار تم تیار نہیں ہوئیں، ممانی جان ڈانٹ رہی ہیں۔'' نوریہ اس کے پیچھے آ کر چیخی تھی، وہ چونکی اور بے اختیار تیزی سے رخ پھیرا۔

''کیوں دیر کر رہی ہو؟'' نوریہ کا موڈ خراب ہوا تھا۔

''دیر تو ہو چکی۔'' نوریہ نے اس کی خود کلامی سنی اور حیرت سے اسے دیکھا۔

''ابھی نہیں ہوتی، فٹافٹ کرو۔'' نوریہ نے اس کے کپڑے اٹھا کر ڈریسنگ روم میں خود رکھے تھے، زینب ہونٹ بھینچے کھڑی تھی، نوریہ نے الجھ کر اسے دیکھا۔

''کیا مسئلہ ہے؟'' نوریہ کو غصہ سا آیا۔

''تم جاؤ فی الحال مجھے تنہا چھوڑ دو۔'' اس کا لہجہ سرد تھا آنکھوں میں بیگانگی کا تاثر، نوریہ کی حیرت غیر یقینی اور تاسف میں بدل گئی۔

''تم پاگل ہو زینی!'' نوریہ چیخ پڑی تھی۔

''ہاں ہو گئی ہوں پاگل تم دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' جواب میں اس سے بڑھ کر وحشت سے چلائی۔

''چچی جان کہہ رہی ہیں رسم کو جلدی آؤ، ہاں سب ویٹ کر رہیں ہیں۔'' دروازے پہ دستک دے کر جہان اہم پیغام کے ساتھ موجود تھا، زینب نے جلتی بلتی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا۔

''آپ کو سب سے زیادہ جلدی ہے مجھے گھر سے نکالنے کی، ہے نا۔'' وہ جیسے تنک کر اس کے سامنے آئی، جہان جو اسے دیکھنے سے بھی خائف تھا چونک کر متوجہ ہوا، ستا ہوا چہرا، سرخ آنکھیں اور بھیگی نم پلکیں، وہ حد سے زیادہ اپ سیٹ لگی تھی اسے۔

''نوریہ چچی جان ویٹ کر رہی ہیں آپ لوگوں کا۔'' جہان نے اس کی بجائے نوریہ کو مخاطب کیا اور زینب کو آگ لگ گئی تھی کچھ اس انداز میں بپھری کہ لپک کر اس کا گریبان دونوں ہاتھوں میں جکڑ کر زوردار جھٹکا دیا تھا۔

''کیوں آتے ہو یہاں، چلے جاؤ، ورنہ میں مار ڈالوں گی تمہیں۔'' چہرے پہ وحشت، آنکھوں میں بے تحاشا نمی، زینب کا یہ روپ شاکڈ کر گیا تھا، جہان کو وہ جیسے سناٹوں کی زد پہ آیا تھا۔

''زینی!'' نوریہ جو متحیر سی حیرت کا شکار کھڑی تھی لپک کر اس تک آئی اور ایکدم اسے خود سے لپٹا لیا۔

''اسے کہو، یہ یہاں سے چلا جائے، میں اسے برداشت نہیں کر سکتی۔'' وہ سسکیاں بھرتی کہہ رہی تھی، نوریہ اسے تھپکے گی گویا یہ سکون کرنے کی کوشش تھی، جہان سرخ چہرا لئے پلٹ گیا تھا۔

☆☆☆

''کدھر جا رہے ہیں محترمہ!'' وہ جیسے اسی تاک میں تھا جیسے ہی جہان کو گاڑی کی چابی سمیت پورٹیکو کی جانب جاتے دیکھا لپک کر اس کا راستہ روک لیا۔

''شاپنگ آرکیڈ!''

''شاید پرنیاں کا ڈریس پریس کے دوران جل گیا تھا چچی جان کہہ رہی ہیں ان کے ساتھ جا کر شاپنگ کرا لاؤں۔'' جہان کا لہجہ دھیما اور انداز تحمل تھا، معاذ کو وہ پھر اسی اضطراب کا شکار محسوس ہوا۔

''لاؤ چابی مجھے دو، تم نے ابھی تک ناشتہ بھی نہیں کیا نا، جاؤ ناشتہ کرو۔'' جہان نے چونک کر اسے دیکھا پھر پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا۔

''اتنا خیال ہے میرا؟ جناب ناشتہ میں کر چکا ہوں، آپ سیدھی طرح کہیے کہ یہ کام خود کرنا

چاہتے ہیں۔"

"واؤ تم تو اچھے خاصے جینیئس ہو، لاؤ چابی دو۔" معاذ نے دانت نکالتے ہوئے کہا تو جہان پھر سے سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"ان سے پوچھ تو لو جانے پہ راضی ہیں تمہارے ساتھ؟"

"ان کی مرضی کی ایسی کی تیسی، میں نپٹ لوں گا۔" وہ باتیں کرتے ہوئے پورچ میں آ گئے تھے، جہان نے پراڈو کی چابی معاذ کے حوالے کر دی تھی، معاذ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا، جب لائٹ آسمانی سوٹ میں ملبوس وائیٹ چادر اوڑھے پرنیاں مما کے ساتھ وہاں آئی تھی، جہان کے ساتھ معاذ کو دیکھ کر اس کے چہرے پہ موجود سنجیدگی یکلخت بڑھ گئی تھی۔

"آپ نہیں جا رہے ہو جہان بیٹے؟" مما نے معاذ کو گاڑی کے اندر دیکھ کر جہان سے سوال کیا تھا اور ایک محتاط سی نگاہ پرنیاں پہ ڈالی۔

"نہیں چچی جان! مجھے کچھ کام تھا تو میں نے......"

"جہان بھائی میرا جانا اتنا ضروری تو نہیں ہے، اٹس اوکے۔" پرنیاں نے پھر سے رسے تڑانے چاہے تھے، معاذ کو سخت ہانت کا احساس جاگزیں ہوا تھا۔

"مما بتا چکی ہیں نا آپ کو آپ کی شاپنگ کتنی ضروری ہے، پھر بار بار انکار کیوں کر رہی ہیں یا پھر آپ کو میرے ساتھ جانے پہ اعتراض ہے؟" اس کا چبھتا ہوا لہجہ اور لمحہ بہ لمحہ سرخ ہوتی آنکھیں اس کے موڈ کی غماز تھیں، مما اس کی ماں ہو کر بھی اس کے موڈ سے خائف رہا کرتی تھیں جبھی ایکدم گڑبڑا گئیں۔

"بیٹے ریلیکس!! پرنیاں چل رہی ہیں آپ کے ساتھ، چلو بیٹے جاؤ پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔" مما نے خود دروازہ کھول کر پرنیاں کو جلدی سے اندر بٹھایا تھا، پرنیاں شاید ناگواری محسوس کرنے کے باوجود محض مما کی وجہ سے خود پہ جبر کر گئی تھی، اس نے محض ایک نظر معاذ کو دیکھا تھا مگر اس ایک نظر میں ہی وہ جان گئی تھی کہ معاذ کے تنے ہوئے چہرے پہ کیسی فتح مندی چھلکی تھی، اس کی آنکھوں میں جو سرد مہری اور نخوت تھا اس کی جگہ ایک چمک نے لے لی تھی، پرنیاں کو توہین کا شدید احساس اپنا آپ سلگاتا ہوا محسوس ہوا تھا، اس کی حیثیت محض ایک کٹھ پتلی کی تھی یقیناً جسے اس شخص نے جب چاہا تھا جیسے چاہا تھا استعمال کیا تھا اور کرنا تھا، جب ٹھکرانا چاہا ٹھکرا دیا جب اپنانا چاہا اپنا لیا، کیا اس کی ذاتی پسند، مرضی اور احساسات نہیں تھے، اس کو اپنی بے مائیگی اور بے یار و مددگاری رلانے لگی۔

تم اداس اداس سے لگتے ہو
کوئی ترکیب بتاؤ منانے کی
میں زندگی گروی رکھ سکتا ہوں
تم قیمت بتاؤ مسکرانے کی

وہ خواب آسا لہجے میں اس سے مخاطب تھا، پرنیاں نے چونک کر اسے دیکھا مگر اگلے لمحے نگاہ کا زاویہ بدل لیا، وہ بہت خاص بولتی اور شوخ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

بس تین ہی چیزیں دے گئیں مجھ کو فریب
زلف برہم، مست آنکھیں اور چاند سا چہرا

وہ پھر گنگنایا تھا اور ٹشو کیس سے ایک ساتھ کئی ٹشو کھینچ کر اس کی جانب بڑھائے، تب پرنیاں کو احساس ہوا اس کے گال بھیگ چکے ہیں، رخ پھیرتے ہوئے وہ خفت اور شرمندگی کی اتھاہ میں اتر گئی تھی۔

"آپ مجھ سے اتنا خفا کیوں ہیں اور یوں اتنا بار بار رو کیسے لیتی ہیں؟" پرنیاں کے آنسو کچھ اور روانی سے بہنے لگے، معاذ کا تاسف بڑھ گیا۔

"قسم سے میں آپ کو منانا چاہتا تھا، آپ کی غلط فہمی دور کرنا چاہتا ہوں، مگر آپ تو اور بھی خفا اور بدگمان ہو رہی ہیں۔" معاذ کے لہجے میں واقعی بے چینی تھی، پرنیاں کو جھٹکا لگا۔

"کیوں منانا چاہتے ہیں آپ مجھے؟ کیا تعلق ہے جو آپ ایسا کریں گے؟" وہ پھٹ پڑی تھی، اسے جیسے معاذ کے الفاظ نے آگ لگا دی تھی۔

"میں محبت کرنے لگا ہوں آپ سے پرنیاں اور تعلق تو بنانے سے بنتے ہیں، آپ مانیں تو میں آج آپ سے......"

"چپ ہو جائیں، فار گاڈ سیک خاموش ہو جائیں۔" وہ چیخ اٹھی تو معاذ ٹھٹک کر رہ گیا، اس نے نافہم نظروں سے بری طرح بلکتی پرنیاں کو دیکھا، وہ پتہ نہیں ہر لحاظ سے اتنی عجیب کیوں واقع ہو رہی تھی۔

"کتنی لڑکیوں کو اس طرح بے وقوف بنا چکے ہیں اس سے پہلے، مگر میں بے وقوف نہیں بننا چاہتی سمجھے آپ، بہتر ہو گا اپنی انرجی نہیں اور ویسٹ کریں، کب دیکھا آپ نے مجھے اور محبت بھی ہو گئی پاگل سمجھا ہے مجھے؟" معاذ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہ گیا، اس کی آنکھیں ہی نہیں چہرا بھی غصے سے سرخ ہو رہا تھا، لہجے میں غصے کا تاثر سموئے وہ اسے گھورتی رہی تھی، لحظہ بھر کو معاذ کا چہرا اہانت کے احساس سے لال بھبھوکا ہو گیا، ایک منٹ میں اس نے اپنے اعصاب کھنچتے محسوس کئے تھے مگر دوسرے لمحے خود کو کنٹرول کرتا متاسفانہ سانس بھر کے رہ گیا۔

"کتنا جانتی ہیں آپ مجھے؟" اس نے خاص تاخیر سے سوال کیا تھا، پرنیاں نے چونک کر اسے دیکھا مگر اسی پل نظر چرا لی تھی، معاذ کے ہونٹوں پہ شکستہ مسکان بکھر گئی۔

ملتے ہی نظر ہم سے چرا لیتے ہو آنکھیں
کیا خوب سمجھتے ہو نگاہوں کی زباں تم

پرنیاں جز بز تو تھی ہی کچھ اور ہو گئی، معاذ نے گہرا متاسفانہ سانس بھرا۔

"جواب نہیں دیا آپ نے میری بات کا۔"

"میرے پاس کسی بھی فضول بات کا جواب نہیں ہے، آپ چلیں دیر ہو رہی ہے۔" اب کہ اس کا لہجہ کڑا تھا، انداز بدمزگی لئے ہوئے تھا، جب بھی وہ اس سے اس طرح بات کر لیتی پھر خود ہی حیران بھی رہ جاتی، بھلا کبھی اس نے سوچا تھا وہ معاذ حسن کے مقابل اس طرح ٹھہر سکے گی، اسے اچھی طرح یاد تھا جب پہلی بار اس کی معاذ سے فون پہ بات ہوئی تھی اور جب اس نے مارکیٹ

میں اس کی ایک جھلک دیکھی تھی تو کیسے بوکھلاہٹ سوار ہوئی تھی اس پہ، مگر اب وہ اسی معاذ کو ایسے جواب دیتی تھی کہ اکثر وہ حق دق رہ جایا کرتا تھا، معاذ نے گاڑی خاموشی سے آگے بڑھا دی تھی، البتہ اس کے موڈ کی برہمی کا اندازہ اس کے بھینچے ہوئے ہونٹوں سے بخوبی ہو رہا تھا، وہ اسے کراچی کے بے حد مہنگے اور مشہور شاپنگ آرکیڈ میں لایا تھا، پرنیاں نے آتے ہوئے احتیاطاً اپنا پرس چیک کیا تھا، پانچ چھ ہزار تھے، مگر یہاں کا کوئی بھی سوٹ پندرہ بیس ہزار سے کم کا نہیں لگ رہا تھا، تبھی وہ ہر سوٹ اسی بنیاد پہ رد کرتی چلی گئی تھی۔

''میم آپ کو کس قسم کا ڈریس چاہیے پلیز اپنی چوائس تو بتائیں؟'' سیلز گرل بے حد شائستگی سے گویا ہوئی تھی۔

''نہیں میں دیکھ چکی ہوں، کچھ خاص نہیں لگ رہے ہیں، کہیں اور دیکھ لیتے ہیں ہم۔'' اس نے بے اعتنائی سے کہا اور آگے بڑھ گئی تو معاذ جو تب سے خاموش یہ ساری کاروائی دیکھ رہا تھا مزید خاموش نہیں رہ سکا۔

''رکیں پرنیاں، یہ ڈریس شاید آپ نے نہیں دیکھا، سو بیوٹی فل آپ پہ بہت سوٹ کرے گا یہ کلر۔''

معاذ نے ڈل گولڈن اور پنک کلر کا بے حد اسٹائلش سوٹ نکالا تھا اور اس کے سامنے پھیلایا، پرنیاں نے جواباً سرد نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''لیکن مجھے نہیں پسند۔'' اس کے لہجے و انداز میں نخوت لاتعلقی اور برہمی تھی، معاذ نے ایک نظر اسے دیکھا پھر وہ ڈریس ہینگر سمیت سیلز گرل سمت بڑھا دیا۔

''پلیز اسے پیک کر دیں۔'' پرنیاں کو تو جیسے آگ لگ گئی تھی، استحقاق کے اس اعلیٰ ترین مظاہرے پہ۔

''واٹ نان سنس، میں نے کہا نا مجھے نہیں پسند پھر آپ......''

''میں کون ہوتا ہوں نا یہ سب کرنے والا، ہے نا، اب نہیں ہوں کبھی نہ کبھی تو ہو جاؤں گا نا، سو ڈونٹ وری اور آپ کو نہ سہی مجھے تو پسند ہے نا۔'' پرنیاں کے بے تحاشا غصے کے باوجود وہ تحمل اور نرمی سے بولا تھا، اس کے لبوں کی تراش میں خفیف سی مسکراہٹ تھی تو لہجہ خواب آگئیں، پرنیاں کی پلکیں بے اختیار جھک گئیں، وہ ایک بار پھر اس کے سامنے ہار سی گئی تھی، یہ حقیقت تھی کہ وہ اس کے مقابل ٹھہر ہی نہ پاتی تھی، یہ دھونس، خفگی غصہ یہ سب تو بس کسی عمل کا ردعمل تھا اور بس...... یا پھر وہ اپنے پندار کی حفاظت کرتے ہلکان تھی، وہ نہیں جانتی تھی معاذ کے دل میں کیا تھا، وہ سیماب فطرت آدمی تھا، اس سے کب منہ پھیرے اسے خبر نہیں تھی، وہ جانتی تھی وہ اس اہم تعلق اور رشتے کے حوالے سے آگاہ نہیں ہے، کیا خبر وہ اس سے بھی ٹائم پاس کر رہا تھا، اس کا دل مختلف خیالات کے زیر اثر یاسیت میں گھرتا چلا گیا اور جس پل کاؤنٹر پہ اس نے اپنے اسی پندار کو بچانے کی غرض سے پے منٹ کرنی چاہی تھی، معاذ نے کسی قدر خفگی سے اسے دیکھا تھا اور اس کا وہ ہاتھ میں میں نوٹ تھے اس نے اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی مٹھی بند کر دی تھی، پرنیاں کو لگا تھا اس کا لمس پاتے ہی جیسے کوئی برقی رو پورے وجود میں سرائیت کر گئی ہو، وہ ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر بلاک کے فاصلے

ہوئی، معاذ جو اسی کی سمت متوجہ تھا مبہم سا مسکرایا تھا، اس کی گہری نظروں کے جواب میں پرنیاں کی لمبی پلکوں پہ لرزش اتر آئی تھی۔

''بس اب گھر چلیں، مجھے اور کچھ نہیں لینا۔'' معاذ کو جیولر شاپ کے آگے رکتے دیکھ کر وہ بے اختیار بولی تھی۔

''اس روز جب میں سب کو گفٹ دے رہا تھا، آپ وہاں سے چلی کیوں گئی تھیں؟'' وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے رسان سے بولا تو پرنیاں نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''یہ کیا فضول سوال ہوا بھلا؟''

''آپ کو لگا ہوگا میں آپ کو کچھ نہیں دے سکوں گا، پرنیاں میں آپ کو اپنی طرف سے کچھ گفٹ کرنا چاہتا ہوں پلیز۔'' پرنیاں چند لمحوں کو ساکن ہو کر رہ گئی تھی، جانے کس کس خیال کے تحت اس کا دل رو اٹھا تھا۔

''صد افسوس آپ کو ابھی تک سمجھ نہیں آسکی کہ میں اس قسم کی لڑکی نہیں ہوں۔'' اس کے خوبصورت چہرے پہ ازحد ناگواری در آئی تھی، اس کا لہجہ بری طرح سے بگڑ گیا تھا، معاذ نے خاموشی سے اسے دیکھا پھر کچھ کہے بغیر پارکنگ میں اس کے ساتھ آیا تھا، کوٹ کی جیب سے چابی نکال کر دروازہ ان لاکڈ کیا اور اسے اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا، پرنیاں کے نقوش سے ہنوز برہمی مترشح تھی اس نے بیٹھنے کے بعد ایک جھٹکے سے دروازہ بند کیا تھا۔

''پلیز سیٹ۔'' وہ کھڑکی پہ جھک کر مسکرایا اور پھر پلٹ کر مارکیٹ کی جانب چلا گیا، پرنیاں جھلس کر رہ گئی تھی، آدھے گھنٹے بعد واپس لوٹا تو ہونٹوں کے درمیان سگریٹ سلگ رہا تھا۔

''آئس کریم کھائیں گی؟'' اسے دیکھ کر وہ دوستانہ انداز میں بولا ہونٹوں میں سگریٹ ہونے کے وجہ سے لہجہ تھوڑا سا غیر واضح ہو رہا تھا، پرنیاں نے ہونٹ بھینچ لئے اور ناگواری دبا کر سر کو نفی میں جنبش دی۔

''یہ آپ کے لئے ہے۔'' وہ رخ پھیر کر ابھی باہر کے نظارے کو دیکھ بھی نہ پائی تھی کہ معاذ کی بات پہ بے ساختہ حیرانی سے مڑی، اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ میں ایک فٹ لمبا تین انچ چوڑا بلیک مخملیں کیس تھا، یقیناً اندر جیولری تھی، پرنیاں کی پیشانی پہ ایکدم شکنیں نمودار ہوئیں۔

''واٹ از دس؟'' اس کا لہجہ تلخ تھا اور بے حد برہم۔

''کھول کر دیکھ لیں، میں نے کہا تھا نا میں نے سب کو گفٹ دیئے اور آپ کو بھی دینا چاہتا ہوں۔'' معاذ بے حد ریلیکس اور پرسکون نظر آ رہا تھا، پرنیاں نے تپتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''سب کو کن کو؟ شہر کراچی کے سارے مکینوں کو؟ اگر بالغرض انہیں دیئے بھی ہیں تو میں پھر بھی نہیں لے سکتی، سمجھے آپ؟'' وہ ایک دم بھڑک اٹھی، اتنا غصہ آ رہا تھا کہ حد نہیں، آخر وہ کیا سمجھ کر اس پہ اپنے التفات کی بارشیں برسا رہا تھا۔

''دیکھیں آپ خوامخواہ خفا ہو رہی ہیں، میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ آپ مجھے اچھی......''

''اس سے آگے ایک لفظ مت بولئے گا آپ، اینڈ لیس اتنا ہی شوق ہے نا آپ کو فیاضی دکھانے کا تو اپنی منکوحہ پہ دکھایئے، غالباً نکاح ہو چکا ہے نا آپ کا؟'' وہ بولی نہیں پھنکاری تھی،

ایک ایک لفظ سے آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں، اصل دکھ ہی اس کا یہی تھا کہ وہ اسے فراموش کیے اپنے جذبے ادھر ادھر ضائع کر رہا تھا، اس کی بے اعتنائی کے زخم اتنے گہرے تھے کہ توجہ کے یہ چند سکے وہ بھی بغیر رشتے کی پہچان کے اس پہ مرہم نہیں رکھ سکتے تھے، معاذ تو چند لمحوں کو اس کے تیوروں کی وجہ سے سکتے میں آ گیا تھا، پھر سنبھلا تو ایکدم ہنستا چلا گیا، پرنیاں نے جلتی آنکھوں سے اسے یوں قہقہے لگاتے دیکھا تو اس کی دماغی حالت پہ شبہ محسوس ہوا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ! اوہ مائی گاڈ چ اب مجھے سمجھ آئی آپ مجھ سے اتنی متنفر کیوں ہیں، تو آپ جیلس ہو رہی ہیں کہ میں ایک منکوحہ بھی رکھتا ہوں مگر میم یقین کریں میں نے ابھی تک اس کی رونمائی نہیں کی، کیا بھلا سا نام ہے سوری ذہن سے نکل جاتا ہے تو اس سے میرے پپا نے میرا نکاح اچھی خاصی جذباتی قسم کی صورتحال کری ایٹ کر کے کیا تھا، لیکن میں تب ہی انہیں واضح کر چکا تھا کہ میں شادی اپنی مرضی سے کروں گا۔'' اس کی گھورتی پھنکارتی نظروں کے جواب میں جانے وہ واقعی گھبرا کر وضاحتیں اور صفائیاں پیش کرنے لگا تھا یا پھر مذاق اڑا رہا تھا، جو بھی تھا جیسے بھی تھا، پرنیاں کو اپنا آپ حقیر تنکے سے بھی زیادہ بے مایا لگا تھا، یہ تھی اس کے نزدیک اس کی اوقات، جانے کتنی لڑکیوں کو جن جن سے ان دو سالوں میں اس نے معاشقے لڑائے تھے یہ ساری حقیقت تمسخرانہ انداز میں سنائی ہو گی، اس کا چہرا دھواں دھواں ہوا تو آنکھیں سمندر بن گئیں، معاذ نے گھبرا کر اس کے سکتہ زدہ وجود اور پتھرائے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا۔

(اف پھر کوئی بات بری لگ گئی) اس نے سر تھام لیا تھا۔

''آپ اس طرح بات بات پہ مائنڈ کیوں کرتی ہیں پلیز یہ بتا دیں بس۔'' وہ سخت عاجزی سے پوچھ رہا تھا، پرنیاں کے اندر سناٹے در آئے تھے، وہ ایک لفظ نہیں بول سکی معاذ نے انتظار سے عاجز ہو کر جھلاتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

☆☆☆

''یہ اپنا ڈریس تو لے لیتی، میرے گفٹ کو تو آپ نے شاید اس قابل نہیں سمجھا ہو گا۔'' زینب پارلر جا چکی تھی، پرنیاں نہا کر باہر آئی تھی جب دروازے پہ دستک دیتا معاذ اندر چلا آیا۔

وائٹ پینٹ کوٹ میں وہ تیار ہو چکا تھا یقیناً، غضب کی ہائٹ اور شاندار کسرتی وجود کے ساتھ وہ ماڈل نظر آ رہا تھا، شاندار باوقار وجیہی، پرنیاں کے بال تولیے میں لپٹے ہوئے تھے اور دوپٹہ سرے سے غائب تھا، اس کی پیشانی پہ ایکدم ناگواری در آئی، معاذ نے اس کی عجلت و افراتفری میں دوپٹہ اوڑھتے ہاتھوں کو مسکراہٹ دبا کر دیکھا تھا، پھر شاپنگ بیگ بیڈ پہ ڈال کر قدم موڑے ہی تھے کہ اس کی مداخلت پہ حیرانی سے پلٹا۔

''میں اس ڈریس کی ادائیگی کروں گی، ورنہ آپ اسے واپس لے جائیں۔'' وہ جھک کر اپنے بیگ سے پیسے نکال رہی تھی، معاذ کا چہرا بے تحاشا سرخ ہو گیا۔

''آپ میری توہین کر رہی ہیں پرنیاں۔'' وہ بری طرح سے سلگا تھا۔

''آپ جو مرضی سمجھیں، اگر آپ یہ پیسے لے رہے ہیں تو سوٹ رہنے دیں ورنہ.....''

''میں ایسا نہیں کروں گا۔'' معاذ اس کی پوری بات سنے بغیر ہی بھرپور تلخی مگر قطعیت سے بولا

تھا۔

''تو ٹھیک ہے، وہ سوٹ لے جائیے، میری بلا سے جسے مرضی دیں۔'' وہ پھنکار اٹھی۔

''چاہے اپنی منکوحہ کو؟'' معاذ کو ایکدم سے شرارت سوجھ گئی، پرنیاں نے ٹھٹک کر اسے دیکھا پھر ایکدم نگاہ چرا لی۔

''وہ تو بہت خوش ہو گی، آپ کی طرح یقیناً ضدی اور مغرور نہیں ہو گی۔''

''شٹ اپ، میں جیسی ہوں آپ کو غرض نہیں ہونی چاہیے۔'' وہ بھرپور تلخی سے چیخ اٹھی، جواباً معاذ کی آنکھیں لو دینے لگی تھیں۔

رخ یار پہ یہ زلفیں یوں پھسل رہی ہیں ایسے
کبھی دن نکل رہا ہے کبھی رات ہو رہی ہے

وہ آہستگی سے مگر متبسم لہجے میں بولا۔

''عرض ہے نا دل ابھی زلفوں میں کہیں اٹک گیا ہے۔'' اس کی نظریں بے حد گہری تھیں، پرنیاں حواس باختہ ہو گئی، اس کے سر سے تولیہ ڈھلک گیا تھا، مشکوہ نم بال پشت اور کاندھوں پہ ہی نہیں چہرے پہ بھی بکھر گئے تھے، وہ اتنی جھنجھلاہٹ کا شکار تھی کہ اس بے اختیار کی طرف توجہ نہ دے سکی مگر اب بوکھلا کر بالوں کو پھر سے سمیٹتے ہوئے سر پہ آنچل سنوارا تو معاذ کے ہونٹوں پہ ذومعنی مسکان بکھر گئی تھی۔

چوم لیتی ہیں مچل کر کبھی رخسار کبھی لب
تم نے زلفوں کو بہت سر پہ چڑھا رکھا ہے

پرنیاں کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، دروازے پہ اسما بھابھی کھڑی تھیں، پرنیاں ان کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکی، اس کا بس نہیں چلا تھا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے بظاہر تو بہت اکھڑ دکھاتی تھی وہ، صورتحال سے بے خبر بھابھی نے کیا اندازہ لگایا ہو گا اس کے بارے میں اس کا دل مارے شرمندگی اور کرب کے ڈوب ڈوب کر ابھرنے لگا۔

''حد ہے تم سے معاذ، اتنی برمحل اور حسب حال شاعری کیسے کر لیتے ہو تم؟'' وہ ہنس رہی تھیں۔

''آپ میری حاضر دماغی کی تعریف بھی کر سکتی تھیں مگر نہیں کیا ضرورت ہے۔'' وہ انہیں دیکھ کر سنبھل گیا تھا منہ پھلا کر بولا بھابھی ہنستے چلی گئیں۔

''تمہاری یہ صلاحیت حسین لڑکیوں کو دیکھ کر ہی کیوں بیدار ہوتی ہے۔''

''خیر اب ایسی بھی بات نہیں، امیج خراب نہ کریں میرا۔'' وہ انہیں گھورتا باہر نکل گیا، بھابھی پرنیاں کو جلدی تیار ہونے کا کہنے لگی۔

''بھابھی یہ ہر لڑکی کے ساتھ اسی طرح افیئر کرتے ہیں؟'' پرنیاں نے عجیب سے لہجے میں سوال کیا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

سحر شیخ

"روحی کہاں چلی گئی ہے، آ کے اپنے ابا کے لئے روٹیاں ڈال لے، سنتی ہے یا نہیں؟" وہ جو نہ جانے کتنے گھنٹوں سے ائیر فون کان سے لگائے پہلو میں ریڈیو رکھے آر جے کی مسحور کن آواز میں کھوئی تھی شائنہ بی کے بری طرح سے جھنجھوڑنے پہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"اماں کیا ہے؟ سارے کام سمیٹ کے ریڈیو سننے بیٹھی تھی پھر بھی آپ نے خلل ڈال دیا، تمہارے تو حکم ہی ختم نہیں ہوتے اماں، اب کیا آفت آ پڑی؟" وہ ائیر فون ایک طرف پھینک کر چپل پاؤں میں اڑستی ہوئی بولی تو شائنہ بی نے اسے ایک ہاتھ جڑ دیا وہ بلبلا کے رہ گئی۔

"کام کاس کے تو تیری جان جاتی ہے، اس موئے بے سرے ڈبے کو سنتے تجھے کچھ نہیں ہوتا، شرافت سے اٹھ کے اپنے ابا کے لئے روٹیاں ڈال، آتا ہی ہو گا، چل جلدی آ۔" وہ اسے قطعیت سے کہتی باہر کی طرف چل دیں تو وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے آ گئی۔

"تجھے ابا کی اتنی فکر رہتی ہے اماں، کبھی ابا کو تیری فکر نہیں ہوئی، بے کار میں اپنی جان کھپائے جاتی ہے ابا کے لئے۔" وہ ہاتھوں سے بکھرے بالوں کو سمیٹ کر ہیئر بینڈ میں جکڑتی ہوئی بولی تو وہ جو دالان میں بچھے تخت پر بیٹھی دھوپ سینک رہی تھیں ہاتھ میں پکڑے چشمے کو صاف کرتی اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"میں نے اس کی خدمتیں کبھی بھی بدلے کے واسطے نہیں کیں جو مجھے اس بات کی فکر ہوتی کہ وہ بھی میری فکر کرے، عورت کا کام ہے صرف خدمت کرنا چاہیے اس کا مرد اس کی ذرہ برابر بھی فکر نہ کرتا ہو، پھر اس نے مجھے کیا نہیں دیا؟ ہر چیز بن مانگے حاضر، کبھی ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں پڑی مجھے اس کے سامنے پھر کاہے کا شکوہ، میرے سے نہ کیا کر ایسی بے تکی باتیں، جب جائے گی نا دوسرے گھر تب پتہ چلے گا کہ عورت کو مرد کو اپنا بنانے کے لئے کیا کیا تج دینا پڑتا ہے، ابھی مرد سے ٹاکرا نہیں ہوا نا تیرا اس لئے فضول کی باتیں بنانی آ گئی ہیں تجھے۔" انہوں نے اسے بری طرح لتاڑ ڈالا وہ منہ کے زاویے بگاڑتی کچن میں چلی آئی۔

"ویسے اماں ایک بات ہے اگر یہ اتنا سب کچھ کر کے بھی ابا تیرا نہیں بن سکا تو پھر یہ دن رات کا کلسنا بے کار ہے تیرا، میں تو کہتی ہوں اماں یہ دنیا تو لو اور دو کے اصول پر چلتی ہے اور صحیح چلتی ہے تو نے ابا کو اپنا اتنا کچھ دیا دن رات کی خدمتیں، اتنے جتنے کی ان تھک کوششیں اور بدلے میں تجھے کیا ملا چند لفظ جھوٹی محبت کے بھی نہیں۔" وہ کام کرتی کرتی بلند آواز سے اپنے خیالات بیان کرتی جا رہی تھی جب اماں دروازے پہ آ کے چلائی تھیں۔

"میں کہتی ہوں چپ ہو جا ورنہ تیرے منہ پہ ٹیپ چپکا کے تجھے گونگی بنا کے بٹھا دوں گی، بے حیا لڑکی جب دیکھو باپ کی برائیاں......" وہ بکتی جھکتی واپس پلٹ گئیں جبکہ وہ گہرا سانس لے کر انہیں تاسف سے دیکھتی رہ گئی وہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ اماں دل میں اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہیں کہ چوہدری انعام الحسن نے انہیں اتنی ریاضتوں اتنی قربانیوں کے بعد بھی ان کی جھولی میں سوائے نارسائیوں، دکھوں اور محرومیوں کے کچھ نہیں ڈالا لیکن ایک عورت ہونے کے ناطے وہ ان تمام اذیتوں کے پہاڑ اپنے ناتواں کندھوں پہ

اٹھانے پر مجبور تھیں۔

☆☆☆

آج موسم صبح سے ہی ابر آلود تھا چنانچہ اس نے چار پائیاں برآمدے میں ہی بچھا دی تھیں بڑی آپا نے بھی صبح تک اپنے بچوں سمیت آ جانا تھا سو اس نے پلنگ کی نئی چادریں اور تکیوں کے نئے غلاف بکس سے نکال کر الماری میں رکھ دیے تھے کہ صبح بستر سیٹ کر دے گی شائنہ بی مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد وہیں برآمدے میں جائے نماز پر بیٹھی اپنی روزمرہ کی تسبیحات میں مشغول تھیں کہ بیرونی دروازے پہ دستک ہوئی۔

"روحی دیکھ ذرا! کون ہے دروازے پہ، شاید انعام آیا ہو گا۔" اماں کی تیز آواز پر وہ کپڑے آئرن سٹینڈ پر پٹختی جلدی سے سر پہ دوپٹہ ڈالتی کمرے سے باہر آئی تھی۔

"سلام ابا!۔" انعام الحسن نے اندر گھستے ہوئے اس نے جھٹ سے سلام دے مارا یہ اس کی پرانی عادت تھی جو اماں نے اس کی گھٹی میں ڈالی تھی وہ سر کو ہلکی سی جنبش دیتے اپنے سر سے پگڑی اتار کر اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے

آگے بڑھے۔

''یہ چارپائیاں کیوں برآمدے میں ڈال لی ہیں، کیا کوئی آفت ٹوٹ پڑی ہے صحن میں؟'' وہ اپنی ازلی کڑک دار آواز میں بولے تو وہ جو اندر کی طرف جا رہی تھی پلٹ کر ان کی طرف دیکھا جو خراماں خراماں چلتے برآمدے میں بچھے رنگین پایوں والے پلنگ پر آبیٹھتے تھے۔

''وہ دراصل آج موسم کے آثار خراب تھے بادل ایسے چھائے کہ اب برسے کے اب برسے، اسی لئے۔'' شائنہ بی تسبیح اور جائے نماز سامنے موجود طاق میں رکھتے ہوئے ان کی طرف پلٹیں لیکن ان کی پیشانی پر پڑے ان گنت بل دیکھ کر آدھی بات منہ میں ہی دبا گئیں۔

''آثار ہی ہوئے تھے نا کوئی قہر تو نہیں ٹوٹ پڑا تھا اب ہوگئی کیا بارش؟'' وہ رعب دار آواز میں گرجے وہ ایسے ہی تھے ذرا ذرا سی بات پہ آنکھیں ماتھے پہ سجا لینے والے، روحینہ ان کے غصے سے ڈر کر واپس اندر جا گھسی تھی سوئچ آف کر کے آئرن سٹینڈ سے جلدی جلدی کپڑے اٹھا کے پاس پڑے چھوٹے پلنگ پر ڈالے اور ان کے کھانے پینے کا انتظام کرنے کچن میں جا گھسی۔

''بگھارے بینگن پکائے ہیں روحی نے، آپ کو پسند ہیں نا؟'' شائنہ بی کی کمزور سی آواز آئی تھی۔

''ہاں ٹھیک ہے، لے آ اور تیز پتی کی چائے بھی بنا دے میرے لئے، بہت تھکا ہوا ہوں۔'' وہ پاؤں سمیٹ کر پلنگ پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے روحینہ نے کھانا لا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔

''وہ......؟'' شائنہ بی نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا تو انعام الحسن نے ایک گھورتی ہوئی نظر ان پر ڈالی۔

''کیا وہ......؟''

''کیا...... میرے لئے ایک پیالی چائے بھی نہیں بنا سکتی تو؟'' انہوں نے ان کے اس طرح اٹکنے کو انکار کے مفہوم میں لے لیا تھا۔

''نہیں، میں تو روز ہی بنا دیتی ہوں آپ کے لئے، لیکن آج گوالا نہیں آیا دودھ لے کر۔'' انہوں نے ڈرتے ڈرتے وجہ بتائی تھی ان کا چہرہ لمحے بھر کو سرخ ہوا تھا ہاتھ میں پکڑا نوالہ انہوں نے واپس پٹخ دیا تھا۔

''گوالا نہ آئے تو کیا دودھ کی قلت ہو جاتی ہے گاؤں بھر میں، یہ تین گھر چھوڑ کے تو فضل داد کا گھر ہے جو روز اپنی بھینسوں کا دودھ دوہتا ہے اس سے لے آتی ویسے تو جانے کہاں کہاں آوارہ گردی کرتی پھرتی ہے اور میرے لئے ذرا سا دودھ لاتے تیری جان جاتی ہے خرید کر ہی لانا تھا نا کوئی مفت تھوڑی لانا تھا، کوئی کنگلی تھوڑی ہے تو، اچھے خاصے پیسے رکھتا ہوں تیرے ہاتھ پہ، گوالا نہیں آیا۔'' انعام الحسن نے انہی کے انداز میں ان کی نقل اتاری تو وہ چپکی سے رہ گئیں۔

''تم اپنا دل نکال کے بھی ابا کے سامنے رکھ دو نا اماں، پھر بھی ابا تیرا نہیں بنے گا۔'' کچن کی طرف مڑتے ہوئے اس نے تاسف سے سوچا تھا اماں کی بے بسی پر اسے اس وقت بے انتہا دکھ نے گھیر لیا تھا۔

☆☆☆

چوہدری انعام الحسن جدی پشتی جاگیردار تھے کئی ایکڑ زمینوں کے مال، ان کے آباؤ اجداد یہ زمینیں انگریزوں کی غلامی کر کر کے انعام کے طور پر حاصل کی تھیں اور ان پر فصلیں کاشت کر کے خوب منافع حاصل کیا تھا چوہدری انعام الحسن چار بھائیوں میں تیسرے نمبر پر تھے بہن کوئی تھی نہیں چاروں بھائیوں میں تب تک پیار رہا جب تک ماں باپ سر پہ رہے ان کے یہ دنیا سے جانے کے بعد نہ صرف حویلی کا بٹوارہ ہو گیا بلکہ دلوں کا بھی، سب نے الگ الگ اپنی

دنیا بسا لی اور اپنے اپنے حصے کی جائیدادیں لے کر مختلف کاروبار کر لئے چوہدری انعام الحسن چاروں بھائیوں میں کنوارے تھے اور وجہ تھی شبینہ گل جو اس کے گاؤں کے کمہار گل محمد کی بیٹی تھی، گل محمد تھا تو غریب شخص لیکن شبینہ کے وجود نے ان کے گھر سے مفلسی کے اندھیرے دور کر دیے تھے شبینہ گل ایک طرحدار اور تیز طرار عورت تھی والدین کی اکلوتی اولاد ہونے کے سبب خوب ناز نخروں میں پلی بڑھی تھی سانولی رنگت، چھریرا بدن اور متناسب قد و قامت کی پرکشش عورت تھی اسے مقابل کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا گر آتا تھا اس کی زبان میں قدرت نے ایسی خاصیت رکھی تھی کہ جو ایک بار اسے سن لیتا پھر دوبارہ اس سے مخالف ہونے کی خواہش رکھتا تھا اپنی اسی مقناطیسی شخصیت کے سبب اس نے بہت سے مردوں کو اپنی دہلیز پکڑنے پر مجبور کر دیا تھا اس کی ایک نظر کرم کے طلبگار اس پر عنایات و نوازشات کی بارش کر دیتے اس کے باپ کی خالی تجوری دن بدن نوٹوں سے بھرتی جا رہی تھی لالچ نے اس کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ دی تھی کہ اسے اچھائی اور برائی کا فرق ہی بھول گیا تھا وہ خود بیٹی کے دام لگاتا تھا اور اس کی ماں اسے اس کے ہر طلبگار کے سامنے بڑے سبھاؤ سے پیش کرتی تھی اور اسے تہی داماں کرنے کے بعد کسی ردی کی طرح پھینک دیتی تھی بہت سے طلبگار ٹھکرانے جانے کے بعد بھی اس کے در سے چمٹے رہتے تھے لیکن شبینہ گل کی بے توجہی بے مروتی اور بے وفائی سے ہار کر یونہی تہی داماں چلے جاتے تھے۔

اس روز شبینہ گل اپنی پھپھو زاد سے ملنے دوسرے گاؤں آئی تو وہاں اس کی ملاقات چوہدری انعام الحسن سے ہوئی چوہدری انعام الحسن ایک ہی ملاقات میں اسے دل دے بیٹھا شبینہ گل اس پر ایسا طلسم چھوڑ گئی تھی کہ اس کے قدم خود بخود شبینہ گل کی دہلیز کی طرف بڑھنے لگے وہ اس کے دیدار سے اپنے من کی پیاس بجھانے پھر سے اس کے پاس چلا آیا شبینہ گل کے والدین نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور وجہ اس کی لمبی چوڑی جائیداد تھی اپنے سابقہ طلبگاروں کی طرح شبینہ گل نے اس پر بھی نہ جانے کیا صور پھونکا کہ اس نے اپنی آدھی جائیداد اس کی محبت میں وار دی اس عشق کا چرچا اس کے باپ چوہدری بہزاد تک پہنچا تو اس نے بیٹے کو آڑے ہاتھوں لیا گاؤں سے باہر نکلنے پر پابندی لگا دی لیکن چوہدری انعام الحسن اس عورت کی محبت میں بہت دور نکل چکا تھا اس کی یاد دیمک کی طرح اس کے وجود کو چاٹنے لگی تو وہ چوہدری چھپے شبینہ گل کے گاؤں جا پہنچا لیکن شبینہ گل کو اب اس کی ضرورت نہیں رہی تھی اس نے اسے دودھ سے مکھی کی مانند نکال پھینکا، وہ اس کی بے وفائی کو سہہ نہ سکا اور نیم پاگل سا ہو گیا چوہدری بہزاد نے اس کی حالت دیکھتے ہوئے اس کی شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اپنی بھتیجی شائنہ سے اس کی نسبت طے کر دی چوہدری انعام الحسن باپ سے ڈرتا تھا اور ماں سے اس لئے دل کا حال نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ بھی اس معاملے میں شوہر کی طرفدار تھی اور اپنے بیٹے کو شبینہ گل کے سحر سے آزاد کروانا چاہتی تھی سو بڑی شان سے بڑے ہی شاندار طریقے سے وہ شائنہ بی کو اپنی بہو بنا کر لے آئے شائنہ بی اپنے ساتھ بہت سے خواب لے کر آئی تھیں شریک سفر کے حوالے سے لیکن شادی کی پہلی ہی رات ان کے تمام خواب ٹوٹ کر ان کے قدموں میں بکھر گئے جب چوہدری انعام الحسن نے گرم سیسہ ان کے کانوں میں انڈیل دیا۔

''تم صرف میرے ماں باپ کی خواہش ہو میری خواہش صرف شبینہ گل ہے اور رہے گی سو کبھی تم میری خواہش بننے کی کوشش مت کرنا۔''

وہ کمرے سے چلا گیا تھا اور شائنہ بی اس رات کی وہ تمام رات سسکیوں کی نذر ہو گئی تھی۔

☆☆☆

"کاش میں بھی تیری طرح حسین و جمیل ہوتی اماں، پتہ نہیں میں نے ابا کا رنگ کیوں چرا لیا؟" وہ کتنی دیر سے آئینے کے سامنے کھڑی اپنی گہری رنگت کو خود ہی تنقید کا نشانہ بنا رہی تھی شائنہ بی سامنے دالان میں بچھے تخت پر بیٹھی کب سے اس کے شکوے شکایات سن رہی تھیں اس کی عادت تھی وہ روز برآمدے میں لگے آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر خود کو سرتا پیر جانچتی تھی پھر دکھ اور افسوس سے اپنی کم صورتی پر کُڑھتی دیتی تھی۔

"کتنی بار کہا ہے خدا کی بنائی ہوئی چیزوں میں مین میخ نہیں نکالنے چاہیں رب ناراض ہوتا ہے، وہ تو اپنے ہر بندے سے ایک جیسا پیار کرتا ہے چاہے کالا ہے یا گورا۔" شائنہ بی نے ہمیشہ کی طرح اپنی مخصوص نصیحت دہرائی تھی۔

"اونہہ! بات تو تب ہے نا جب بندے بھی پیار کریں، دنیا بھی صرف حسن کی بچاری ہوتی ہے، وہ میری کلاس فیلو نازنین، پورا کالج مرتا ہے اس پر، چاند کا ٹکڑا، کوہ قاف کی پری، اپسرا، حسن کی دیوی۔" وہ غائب دماغی نہ جانے اسے کیا کیا القابات دیے جا رہی تھی جب شائنہ بی نے اسے گھر کا تھا۔

"میں کہتی ہوں باز آ جا اپنی ان حرکتوں سے ایسے اپنے آپ کو مت گرا دوسروں کی نظروں میں، ہر بندہ چنگا ہے اپنی جگہ پر، دوسروں کو دیکھے گی تو اپنے اصل مقام سے بھی گر جائے گی اور بندے کا اصل مقام ہوتا ہے اس کا اپنی ہستی پہ اعتماد، اپنی عزت نفس کا تحفظ۔" شائنہ بی نے پھر سے اپنے تجربے کا نچوڑ اس کے دماغ میں ڈالنے کی کوشش کی تھی وہ بے پروائی سے اپنا پراندہ ہاتھ میں لے کر جھلاتی ان کے سامنے موڑھا گھسیٹ کے بیٹھ گئی۔

"تیری باتیں دل کو لگتی ہیں اماں لیکن جب لوگ میری رنگت پر چوٹ کرتے ہیں تو میرا دل چاہتا ہے میں خدا سے خوب خوب شکوے کروں۔" وہ ایک ادا سے پراندہ پیچھے ڈالتی ہوئی بولی تھی۔

"شکوے کرنے سے پہلے تو میری طرف دیکھ، میں تو تیری جیسی رنگت کی نہیں تھی، میری سہیلیاں میرے حسن پر رشک کرتی تھیں میرے جیسے ہونے کی آرزو کرتی تھیں، کہتی تھیں تیرا میاں بڑا قسمت والا ہو گا اپنی قسمت پہ رشک کرے گا کہ ایسی حسین بیوی ملی تیرے پیر دھو دھو کے پیئے گا اور آج تو دیکھ لے زندگی کا ایک لمحہ بھی اس نے میرے لئے نہیں گزارا بلکہ اس عورت کے لئے گزارا جس کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ اس کے پاس حسن نام کی کوئی شے ہی نہیں تو پھر تو کیوں مرتی ہے اجلی رنگت پہ اگر اجلی رنگت سے نصیب بنتے تو آج تیرے باپ کے دل میں شبینہ گل کی بجائے میری جگہ ہوتی نہ جانے اس عورت کے پاس ایسا کیا گر تھا کہ وہ آج تک تیرے اب کے دل میں براجمان ہے اور میں برسوں کی رفاقت کے باوجود بھی اس کے دل میں نہ بس سکی۔" ان کے چہرے پہ کرب کی پرچھائیاں پھیل گئی تھیں روحینہ نے ان کے سفید گداز ہاتھ تھام لئے۔

"اس کے پاس لفظوں کی کاریگری تھی اماں اور جس کے پاس یہ سحر ہو وہ کبھی مار نہیں کھاتا، تو معصوم تھی سیدھی سادھی تھی یہ گر نہ جان سکی اس لئے مار کھا گئی، اچھا چل چھوڑ ان باتوں کو، آج میں اپنی پیاری سی اماں کے لئے مزیدار سا ساگ گوشت بناؤں گی، تجھے بڑا پسند ہے نا اماں؟" وہ ان کے گلے میں بانہیں ڈالتی ہوئی بولی پھر جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آج تو آپا نے بھی آنا ہے اماں، شام تک ہی پہنچیں گی میں اپنے ضروری کام سمیٹ لیتی ہوں۔" وہ کہہ کر جانے لگی تو شائنہ بی نے روک لیا۔

"میرے لئے خاص کچھ نہ پکا اپنے ابا کے لئے گڑ کے چاول پکا لے، اسے بڑے پسند ہیں۔" وہ اثبات میں سر ہلاتی ایک طرف چلی گئی تھی جبکہ شائنہ ماضی کے دھندلکوں میں کھو گئیں۔

☆☆☆

شائنہ بی تین بھائیوں کی اکلوتی بہن تھیں بڑے ناز و نعم میں پلی تھیں پانچ سال کی تھیں جب ان کے باپ کا انتقال ہوا سو ماں نے ماں باپ دونوں بن کر پالا بھائیوں نے بھی باپ جیسا پیار اور توجہ دی کہ سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ توجہ کی مستحق تھیں خوشحال گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی جو منہ سے کہتی تھیں فوراً حاضر ہو جاتی تھی عمر کی گیارھویں سیڑھی پر قدم رکھا تو ماں یرقان کی بیماری کا شکار ہو کر چل بسیں، اس وقت دو بھائی شادی شدہ تھے بھابھیوں نے بھی ماں جیسا پیار دیا انہی آسائشوں میں پلتی ہوئی وہ جوانی کی دہلیز پے جا پہنچیں تو بھائیوں کو ان کی شادی کی فکر ہوئی اور پھر اپنے خاندان میں ہی مناسب رشتہ دیکھ کر ان کی بات طے کر دی۔

یہ چوہدری انعام الحسن ان کے سگے چچا زاد جنہیں شائنہ بی نے شادی سے پہلے دیکھا تک نہیں تھا کہ خاندان میں پردے کی روایت تھی اور خاندان کی عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا حتیٰ کے سگے رشتہ داروں کے گھر جانا بھی منع تھا چنانچہ انہوں نے شادی کے بعد چوہدری انعام الحسن کا دیدار کیا تھا جو کافی کم صورت، دبلے پتلے لانبے قد اور گہری رنگت کے مالک تھے ظاہری طور پر کوئی خوبی ان میں ایسی نہیں تھی جو مقابل کو اپنی طرف کھینچ سکے جبکہ شائنہ بی ان کے مقابلے میں بے حد حسین و جمیل تھیں بڑی بڑی ساحر آنکھیں، ستواں ناک، عنابی لب، سفید گلابی رنگت، متناسب وجود اور لمبے سیاہ آبشاروں جیسے بال ان کے حسن کو نمایاں کرتے تھے لیکن نصیب کے معاملے میں وہ بدنصیب ٹھہری تھیں وہ گھر کی مالکن تو بن گئی تھیں لیکن انعام الحسن کے دل کی مالکہ نہیں بن سکی تھیں چوہدری انعام الحسن زیادہ تر اپنے ڈیرے پر رہتے تھے صبح سے شام تک زمینوں کی دیکھ بھال اور مزارعوں سے کام لینا یہی ان کی مصروفیت تھی شائنہ بی سے بہت کم مخاطب ہوتے تھے دوپہر کا کھانا زیادہ تر اپنے ڈیرے پر ہی کھاتے تھے صبح سویرے نکلتے تو رات پڑنے پر ہی گھر میں قدم رکھتے تھے شائنہ بی ان کی اس بے توجہی اور بیزار طبیعت کو شروع میں تو ان کی فطرت کا حصہ سمجھی لیکن ارد گرد کے لوگوں کے منہ سے اصل کہانی سن کر انہیں انتہائی صدمہ ہوا تھا کہ چوہدری انعام کسی دوسری عورت کی زلفوں کے اسیر تھے لیکن خدا نے شائنہ بی کا خمیر صبر اور ضبط کی مٹی سے گوندھا تھا کہ انہوں نے اپنے وجود پر اپنی روح اپنے احساسات پر چپ کی بکل مار لی اور کبھی زبان پر شکوہ تک نہ لائیں انہیں جلتے سلگتے شب و روز میں وہ دو بیٹیوں کی ماں بن گئیں بڑی زینت اور چھوٹی روحینہ، زینت ماں کی طرح سرخ و سفید تھی لیکن کچھ خاص جاذب نظر نہیں تھی جبکہ روحینہ باپ کی کاپی تھی چوہدری انعام الحسن بیٹیوں سے بھی کچھ خاص شفیق نہیں تھے لئے دیے ہی رہتے تھے دوسرا باپ کا ماں سے ہتک آمیز سلوک دیکھ کر وہ خود بھی زیادہ باپ کے قریب نہیں آئی تھیں کچھ باپ کی سخت طبیعت کا خوف غالب تھا تو کچھ وہ ماں کی طرفدار بھی زیادہ تھیں شائنہ بی نے بیٹیوں کی تربیت بڑے ہی اچھے انداز میں کی تھی دونوں

کھانا پکانا سینے پرونے اور زندگی گے دیگر معاملات میں طاق کر دیا تھا وہ اپنی ازدواجی زندگی کی ناکامی کا ذمہ دار اپنے سیدھے پن اور گھر کی چار دیواری میں قید رہنے کو سمجھتی تھیں سو انہوں نے دونوں بیٹیوں پر اپنا سایہ نہیں پڑنے دیا تھا انہیں زمانے کے طور طریقے اپنانے اور زمانے کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی پوری آزادی دی تھی۔

زینت کی نسبت روحینہ میں یہ صلاحیت زیادہ تھی اسے بات کرنے اور مقابل کو قائل کرنے کا گر آتا تھا بلا کا اعتماد تھا نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی۔

بہت قابل اور ذہین لباس پہننے کا ڈھنگ آتا تھا اس کا مدبانہ انداز گفتگو اور رکھ رکھاؤ اسے بہت سے لوگوں میں بھی نمایاں کرتا تھا لیکن کبھی کبھار اپنی گہری رنگت کا شدت سے احساس ہونے لگتا تھا خاص طور پر اس وقت جب لوگ شائنہ بی سے کہتے۔

''یہ آپ کی بیٹی تو نہیں لگتی۔''

''کیونکہ میں اپنے ابا کی بیٹی ہوں۔'' اس کی اس بذلہ سنجی پر مقابل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آجاتی تھی وہ محفلوں کی جان تھی محلے پڑوس میں کوئی فنکشن وغیرہ ہوتا تو وہ ایسی رونق لگا دیتی کہ فنکشن جتنا بھی لمبا ہو جاتا کوئی اکتا کے نہیں اٹھتا تھا محفل پر اس کی گرفت مضبوط رہتی تھی شائنہ بی اس کی انہی خوبیوں کو دیکھ کر اس کے مستقبل کی فکر سے آزاد ہو گئی تھیں وہ جانتی تھیں ان کی بیٹی کو مقابل کو زیر کرنے کا ملکہ حاصل ہے اس لئے سسرال میں کبھی بھی مار نہیں کھائے گی اور میاں کے دل کو اپنی اس صلاحیت کی بدولت فتح کر لے گی فکر مند تو وہ زینت کی طرف سے بھی نہیں تھیں کہ زینت بھی کافی سمجھدار اور ہوشیار لڑکی تھی لیکن اس میں روحینہ جیسی صلاحیت نہیں تھی اس سے ملنے والا کم ہی اس سے متاثر ہوتا تھا۔

شاہنہ بی نے زینت کی شادی اپنے جاننے والوں میں کر دی تھی لڑکے کا اچھا کاروبار تھا وہ کافی خوشحال تھی یکے بعد دیگرے تین بچے بھی ہو گئے تھے اور آج کل شائنہ بی کو روحینہ کی فکر لاحق تھی وہ بی اے کے فائنل ایئر میں تھی زینت نے تو میٹرک کے بعد ہی تعلیم کو خیر باد کہہ دیا تھا لیکن اس نے ضد کر کے کالج جانے کی اجازت حاصل کر لی تھی۔

چوہدری انعام الحسن نے شادی بیاہ کے معاملے شائنہ بی پر چھوڑ رکھے تھے وہ اپنے ہی یار دوستوں میں مگن رہتے تھے آج تک شبینہ گل کا دکھ سینے سے لگائے پھرتے تھے۔

☆☆☆

گھر میں زینت آپا کے بچوں نے دھما چوکڑی مچائی ہوئی تھی کوئی چیز اپنے مقام پر نہیں تھی کوئی کرسی پر چڑھ کر ڈانس کرنے میں مگن تھا تو کوئی اخبار رول اٹھائے مائیک بنائے کمپیئرنگ کرنے میں مگن، جبکہ دس سالہ عبیرہ اپنی ماں کا جارجٹ کا دوپٹہ ساڑھی کے انداز میں باندھے ہاتھ لہرا لہرا کر اور ناک چڑھا چڑھا کر کسی ماہر فنکارہ کی طرح اونچی آواز میں سر لگا رہی تھی ہاتھ میں شیشے کا گلاس تھا جسے وہ مائیک سمجھ کر اس میں اپنی آواز کا سحر انڈیل رہی تھی اچانک تیرہ سالہ ارحم نے کرسی سے چھلانگ لگائی تھی اور نیچے کمپیئرنگ کرتے آیان کی گردن دبوچ لی تھی اس کی آنکھیں نکل کر ماتھے پر چپک گئی تھیں کسی ولن کی طرح وہ بڑے بڑے ایکشن مارتا اسے دائیں بائیں جھٹکے دے دے کر پیٹ رہا تھا تبھی عبیرہ حواس باختہ ہو کر گلاس وہیں پھینک کر ساڑھی سمیت الماری میں جا چھپی تھی اور دروازہ بند کر لیا تھا گلاس کے ٹوٹنے کی آواز سن کر روحینہ دوڑ کر اندر آئی اندر کا منظر حیرت ناک تھا اور ارحم آیان کی پشت پر چڑھا بیٹھا تھا اور ہاتھوں کے ٹھوسے بنائے اسے بری طرح سے پیٹ رہا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟ شفقت چیمہ کے بچے تجھے تو میں بتاتی ہوں ابھی، اتر و اس پر سے۔'' اس نے دو چار دھمو کے ارحم کی پشت پر جڑ دیے دھمو کے کافی طاقتور تھے وہ بلبلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''کمبخو، آتے کے ساتھ ہی ایکشن فلم ریلیز کر دی اور یہ کمرے کا کیا حال بگاڑ کر رکھا ہے؟ اٹھاؤ یہ ساری چیزیں زمین سے اور یہ گلاس کس نے توڑا ہے؟'' وہ گلاس کی کرچیاں دیکھ کر اس طرف لپکی اتنے میں الماری میں سے عجیب و غریب چیخوں کی آوازیں آنے لگیں تو وہ تیزی سے اس طرف بھاگی الماری کے پٹ کھولتے ہی ایک نیا منظر سامنے تھا عبیرہ بیگم ساڑھی باندھے منہ پر لپ اسٹک سے نقش و نگار بنائے اور ایستادہ تھیں رونے کی وجہ سے کاجل جو بہہ کر گالوں تک آ گیا تھا آنکھوں کو خوفناک بنا رہا تھا اس نے بازوؤں میں جکڑ کے اسے نیچے اتارا۔

''توبہ میں سمجھی پتہ نہیں کون بھوت گھس آیا الماری میں، دیکھا تو آپا کا بھوت ہے۔'' اس نے اسے بھی دو تھپڑ لگائے تھے۔

''چلو نکلو اپنی ماں کے پاس حلیہ بگاڑ دیا سارے کمرے کا اور تمہیں کیا آفت آن پڑی تھی جو الماری میں بل بنا لیا؟'' اس کی توپوں کا رخ پاس کھڑی سہمی ہوئی عبیرہ کی طرف تھا۔

''وہ ارحم بھائی مار رہے تھے۔'' وہ ڈرتے ڈرتے بولی تھی۔

''تمہیں مار رہے تھے؟'' وہ جھلا کر بولی تھی۔

''نہیں۔'' اس کی پھنسی پھنسی سی آواز نکلی تھی۔

''تو پھر تم کیسے جا پڑیں الماری میں، کیا تمہیں ٹک لگائی تھی اس نے؟ دماغ خراب کر کے رکھا ہے شیطان کے چیلوں نے۔'' وہ چیزیں اٹھا اٹھا کر اپنی جگہ پر رکھ رہی تھی جب اچانک عبیرہ نے چیخ ماری تھی۔

''کیا ہوا؟'' وہ گھبرا کر اس کی طرف پلٹی تھی۔

''کانچ۔'' اس نے سسکاری بھری یکدم روحینہ کو احساس ہوا کہ وہ کانچ پہ کھڑی تھی۔

''جان کے عذاب کوئی نہ کوئی آفت بلائے ہی رکھتے ہیں۔'' وہ اسے گود میں بھر کر سامنے اسٹول پر بٹھاتے ہوئے بولی تھی۔

''ارے روحی، کہاں چلی گئی؟ زینت کو چائے بنا دے اس کے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' شائنہ بی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

''ایک تو تمہاری ماں کا سر بھی نہ جانے کس مٹی کا بنا ہے ہر وقت درد درد پکارتا رہتا ہے۔'' وہ اسے وہیں چھوڑ کر باہر چلی آئی جہاں برآمدے میں زینت شائنہ بی کے سر سے سر لگائے بیٹھی تھی۔

''لڑکا اچھا ہے اماں، بس ہاں کر دیں۔'' زینت کی سرگوشی نما آواز سماعتوں سے ٹکرائی تھی کچن کی طرف جاتے اس کے قدم سست پڑ گئے اور کان اٹھ کھڑے ہوئے۔

''کرتی ہوں تیرے ابا سے بات۔'' شائنہ بی پر سوچ انداز میں بولی تھیں۔

''بس اماں، ہاں ہونی چاہیے، ایسے لڑکے بار بار نہیں ملتے، پھر اپنی روحی بھی سمجھدار، سگھڑ اور سلیقہ مند ہے جہاں جائے گی چار چاند لگا دے گی۔'' زینت کی آواز اب کی بار جوش میں ذرا تیز ہو گئی اور وہ کچن میں کھڑی اپنے بارے میں ہونے والے اس تبصرے پہ سوچوں میں ڈوب گئی تھی ہوش میں تب آئی جب سارا قہوہ جل کر آدھا رہ چکا تھا۔

☆☆☆

زینت چلی گئی تھی لیکن اماں کو سوچنے کے لئے ایک موضوع دے گئی تھی ان کی نند کا دیور تھا ساغر شہام، کسی مل میں اچھے عہدے پر فائز تھا زینت انہیں اس لڑکے کی تصویر بھی دے گئی تھی شائنہ بی کو لڑکا صورت شکل کا بھی اچھا لگا تھا اور اس کی ملازمت بھی، مناسب موقع دیکھ کر انہوں نے چوہدری انعام کے کان میں بھی یہ بات ڈال دی انہوں نے ایک لمحے کو سوچا پھر اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گویا ہوئے۔

''جو تمہیں مناسب لگے کرو، میرا کام ہے بیٹی کو جہیز دینا اور وہ یقیناً بہت قیمتی ہوگا کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی۔'' انہوں نے دو لفظوں میں گویا بات ہی ختم کر دی تھی شائنہ بی حیرت اور تاسف سے بس انہیں دیکھتی رہ گئی تھیں کہ کیا ان کی ذمہ داری صرف جہیز دینا تھی باقی معاملات سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا؟ ان کی آنکھوں میں نمی سی تیر گئی تھی کتنے بے نیاز تھے، وہ ان لوگوں کی طرف سے، ایک کرب کی لہر ان کی رگوں میں دوڑ گئی تھی۔

شائنہ بی نے اچھی طرح سے چھان بین کر لینے کے بعد اس رشتے کو ہاں کر دی تھی ساغر کے گھر والے آ کر منگنی کی رسم کر گئے تھے روحینہ نے گریجویشن مکمل کر لیا تھا چنانچہ شائنہ بی جلد از جلد اسے اپنے گھر کا کرنا چاہتی تھیں روحینہ کو بھی انہوں نے لڑکے کی تصویر دکھائی تھی لڑکا کافی خوش شکل اور جاذب نظر تھا روحینہ کو پہلی ہی نظر میں پسند آیا تھا اور وہ تنہائی میں گھنٹوں اس کے تصویر کو دیکھتی رہی تھی خوبصورت سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کر لیا تھا شائنہ بی تیزی سے شادی کی تیاریوں میں مصروف تھیں ساتھ ہی ساتھ اسے وقتاً فوقتاً گھر داری کے اصول اور شوہر کو جیتنے کے گر بھی بتاتی رہتی تھیں وہ مسکرا کر ان کے گلے میں باہیں ڈال دیتی تھی۔

''اماں تو پریشان نہ ہوا کر تیری بیٹی کے پاس بڑا کامیاب گر ہے میاں کو اپنا بنانے کا، کبھی شکست نہیں کھاؤں گی۔'' وہ ایک ادا سے کہتی تو وہ نہال ہو کے اسے دیکھتیں۔

''وہ تو مجھے پتہ ہے میری بیٹی میری طرح اللہ میاں کی گائے نہیں ہے لیکن بیٹا پھر بھی ذرا احتیاط کرنا، مرد کی فطرت کا کچھ پتہ نہیں چلتا کب بدل جائے، اب اپنے ابا کو ہی دیکھ لو، ایک عورت کے عشق میں ایسے ڈوبے کہ آدھی زمینیں اسی پہ لٹا دیں جو آدھی بچ گئی ہیں وہ صرف تیرے دادا کی عقلمندی کی وجہ سے مرد کو دوسری عورت کی چاہ کبھی بھی ہو سکتی ہے، کبھی بھی اس کے اندر کا بے وفا مرد نکل کر باہر آ سکتا ہے اور عورت کی برسوں کی ریاضت کو ڈس سکتا ہے۔'' وہ نہ جانے کس خوف کے تحت اسے اتنے پیچیدہ سباق پڑھا رہی تھیں شاید اس لئے کہ وہ خود ایک مرد کی ڈسی ہوئی تھیں۔

☆☆☆

پورا کمرہ پھولوں سے معطر تھا چھت سے زمین تک پھول ہی پھول نظر آ رہے تھے بیڈ پر بھی پھولوں کی پتیاں بکھری تھیں جو ابناک سا ماحول تھا وہ سرخ عروسی جوڑے میں ملبوس اس حسین سیج پر بیٹھی تھی اس شخص کے انتظار میں جو آج اس کا شریک سفر بن چکا تھا لبوں پر شرمیلی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں دیے روشن تھے ہاتھوں کی انگلیوں کو اضطراری انداز میں ایک دوسرے میں پیوست کرتی بار بار اس کی نظر سامنے لگے وال کلاک کی طرف جا رہی تھی گھڑی شام کے نو بجا رہی تھی اور پھر انتظار کا اذیت ناک مرحلہ تمام ہوا دروازہ آہستگی سے کھلا تھا کسی کے سفید مردانہ پاؤں اندر آئے تھے سر مزید جھک گیا کوئی بھاری مگر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا قریب آ رہا تھا اور پھر بہت آہستگی کے ساتھ وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا روحینہ انعام الحسن کا حلق خشک ہو گیا ہتھیلیوں میں پسینہ بھرنے لگا تھا شاید ہر لڑکی کے ساتھ اس لمحے یہی ہوتا ہو اس نے خوش کن احساس کے تحت سوچا تھا۔

''میں جو کچھ کہنے جا رہا ہوں اسے بہت دھیان سے سننا، لیکن میں چاہتا ہوں کہ یہ سب تم میری طرف دیکھ کر سنو تا کہ تمہیں میرے لفظوں اور چہرے کے تاثرات میں کوئی فرق نظر نہ آئے۔'' اس کے لہجے کی گمبھیرتا کمرے میں گونجی تھی وہ شرم سے جیسے زمین میں دھنس گئی یہ وہ کیا مطالبہ کر رہا تھا بھلا کوئی لڑکی ان نازک لمحوں میں اپنے جیون ساتھی کی طرف بھی دیکھ سکتی ہے، حیا سے اس کی پلکیں مزید جھک گئیں تو ساحر شہام نے اپنی انگشت شہادت سے اس کی ٹھوڑی کو چھو کر چہرہ اونچا کیا اس کے حواس سلب ہونے لگے لب کپکپانے لگے۔

''کسی خوشگوار احساس میں گھرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ شادی میری چاہ نہیں مجبوری ہے۔'' وہ کیا کہہ رہا تھا اسے لگا تھا چھت اپنے پورے وجود کے ساتھ اس کے سر پہ آن گری تھی، وہ صرف حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی اس نے بہت گہری نظر سے اپنے سامنے بیٹھے لمبے چوڑے اس ہینڈسم سے بندے کو دیکھا جس کے چہرے پر چٹانوں کی سی سختی تھی اور لب مضبوطی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے دودھیا رنگت پر سرخی چھائی تھی جیسے ضبط کے مراحل سے گزر رہا ہو۔

''میں اپنے لئے کبھی بھی تم جیسی ہم سفر کا تصور نہیں کیا تھا، میں اپنے جیسی خوبصورت ہم سفر کا خواہش مند تھا لیکن اپنی ماں کی خواہش پوری کرنے کے لئے مجھے تم جیسی کم عورت کا طوق گلے میں لٹکانا پڑا اور میری ماں بھی تمہیں بخوشی نہیں لائی صرف قیمتی جہیز اور اس زمین کے لالچ میں لائی ہے جو تمہارے باپ نے تمہارے پلو سے باندھ کر بھیجی ہے۔'' وہ یہ کیا روح فرسا انکشافات کر رہا تھا روحینہ انعام نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا جہاں سوائے اجنبیت اور بیگانگی کے کچھ نہ تھا۔

''لیکن مجھے تمہارے اس قیمتی جہیز سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، دلچسپی صرف میری ماں کو ہے کیونکہ انہوں نے زندگی میں بڑی محرومیاں دیکھی ہیں اور وہ ان محرومیوں کو کسی دولت مند بہو کے وجود سے ختم کرنا چاہتی تھیں آج تمہارے اس قیمتی جہیز سے یہ گھر بھر گیا ہے لیکن میرا دل بالکل خالی ہے اور میں نے اپنی اسی ویرانی کو ختم کرنے کے لئے اپنی ماں سے وعدہ کیا تھا کہ تم سے شادی کے بعد میں جس سے بھی چاہوں دوسرا نکاح کر سکتا ہوں۔'' وہ نان اسٹاپ بولے جا رہا تھا یہ جانے بغیر کہ اس کی آنکھوں سے سمندر پھوٹ نکلا ہے۔

''کسی بھی خوبصورت عورت کو جب چاہے اپنا مقدر بنا سکتا ہوں اور تم میرے گھر میں تو بسو گی لیکن دل میں نہیں، تم بھلے سے قیمتی جہیز نہ لاتیں روحینہ انعام لیکن خوبصورت ہوتیں صرف خوبصورت۔'' کتنی سفاکی سے وہ یہ سب کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا یہ دیکھے بغیر کہ اپنے پیچھے کسی معصوم دل کے جذب پیروں تلے کچلے گئے ہیں وہ سمجھتی تھی وہ اپنے دلائل سے بڑے سے بڑے سورما کو پچھاڑ سکتی تھی اور آج ایک مرد کے سامنے زبان قوت گویائی کھو گئی تھی آج وہ ایک مرد سے ہار گئی تھی کردار مختلف تھے کہانی ایک تھی وقت کے دیوتا نے ایک اور پجارن کو جنم دیا تھا۔

☆☆☆

قصور وار

نظارت نصر

ہمیشہ قصور وار دوسرے ہی نہیں ہوتے، کبھی کبھار بندہ خود بھی ایسی غلطی کر جاتا ہے جو اسے تنہا کر دیتی ہے، مگر امیرہ بیگم کو یہ بات کوئی سمجھا نہیں سکتا تھا۔

انہوں نے سر پر باندھی پٹی کی گرہ کھول کر دوبارہ کسی اور پاؤں میں چپل اڑستے ہوئے اٹھ کر گھر کے اکلوتے کمرے میں چلی گئیں، صحن کے ایک کونے میں خاموش کھڑی سدرہ نے خود کو ایک نئے طوفان کا سامنا کرنے کے لئے تیار کر لیا۔

ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا آیا تھا، امیرہ بیگم دوسروں کے پاؤں میں سوئی چبھوتی ہی رہتیں جب وہ تنگ آ کر چلاتے تو امیرہ بیگم دنیا کے سامنے مظلوم بن جاتی تھیں، دیکھنے والے بھی چلانے والے کو برا کہتے اور سمجھتے اور اصل حقیقت سے صرف وہی آگاہ ہوتا یا پھر وہ انسان جو اس سے پہلے امیرہ بیگم کے حسن سلوک کا شکار بن چکا ہوتا۔

اللہ نے انہیں سونے کے پانی سے لکھی ہوئی تقدیر عطا کی تھی، مگر ان کے لبوں سے ہر دم ایک ہی شکوہ بلند ہوتا رہتا کہ ''اللہ نے جیسی قسمت میری بنائی ہے کسی کی نہیں ساری زندگی سکون کو ترسی ہوں، لوگوں کی غلامی کی اور روٹی کا نوالہ کھایا کبھی ڈھنگ کا کپڑا لتا نہ جوتا، لوگ ہر طرح مجھ پر ظلم کرتے رہے اور کوئی انہیں روکنے والا نہیں تھا۔''

ان کی پوری زندگی فساد سے عبارت تھی، سسرالی رشتہ داروں کے علاوہ ان کے اپنے ہی بہن بھائیوں سے نہیں بنی تھی اور بہن بھائیوں پہ کیا موقوف ان کی تو اپنی اولاد سے بھی نہیں بن پا رہی تھی۔

کمرے سے امیرہ بیگم کے بلند آواز سے کوسنے اور گالیاں دینے کی آوازیں آنے لگیں تو سدرہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر پانی کا گلاس لبوں سے لگا لیا، اسے معلوم تھا کہ اب اسے تنہا ہی امیرہ بیگم کو برداشت کرنا تھا، فرار کی کوئی راہ نہیں تھی۔

وہ چند لمحے تک خود کو ان کا سامنا کرنے کے لئے تیار کرتی رہی، پھر بالآخر کمرے میں چلی ہی گئی، اس پر نظر پڑتے ہی وہ چلائیں۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو، چلی جاؤ تم بھی جیسے پہلے چلے گئے تم بھی کسی یار کے ساتھ بھاگ جاؤ، مجھے تو پہلے ہی پتہ تھا تم سب اپنے گھٹیا باپ کی طرح گھٹیا ہو، تمہارے باپ پہ ہی کیا موقوف تمہارا تو سارا خاندان ہی گھٹیا اور کمینہ ہے، تمہاری پھوپھیاں بھی ایسی ہی تھیں اور چاچے کون سے کم تھے، سب ایک سے بڑھ کر ایک بد فطرت اور خبیث لوگ تھے، ایسا گندا خاندان پیچھے پڑا ہے میرے کہ مر کے بھی جان نہ چھوڑی، ساری زندگی سکھ کا سانس نصیب نہ ہوا میں کون سا معاف کر دوں گی، قیامت کے دن سب سے ایک بار بدلہ لوں گی۔''

سدرہ نے بے اختیار سوچا۔

''اور جن لوگوں کو آپ کی اس متبرک زبان کی وجہ سے اپنی زندگی کے انتہائی غلط فیصلے کرنے پڑے ان کا بدلہ آپ کیسے دیں گی۔''

ایسی باتیں سوچی تو جا سکتی تھیں مگر امیرہ بیگم کے سامنے انہیں کہا نہیں جا سکتا تھا۔

''آپ کے لئے کھانا لاؤں۔'' یہ الفاظ کہنے کے لئے اس نے اپنے حلق سے آواز بہت کوشش کے بعد برآمد کی۔

''نہیں نہیں کوئی ضرورت نہیں، مرنے دو مجھے جان چھوڑ دو تم بھی میری جیسے باقی تھے ویسی ہی تم ہو۔'' اسی دن کے لئے تو لوگ اولادیں پیدا کرتے ہیں، ارے کیا نہیں کیا میں نے تمہارے لئے، اتنی محنت سے پالا پوسا، کھلایا پلایا، لیکن کسی کو قدر نہیں، ایک سے بڑھ کر ایک نافرمان نکلی ساری اولاد ارے تم سے تو پھپھی واسوں کے بچے اچھے ہوتے ہیں، جی کر کے اپنی ماؤں کو جواب دیتے ہیں۔''

سدرہ بوجھل دل اور برستی آنکھوں سمیت کمرے سے باہر نکل آئی، یہ اس کی زندگی کا پچیسواں سال تھا، ان پچیس سالوں میں اس نے یہی کچھ دیکھا تھا، وہ خاموشی سے سامنے صحن میں بچھی چارپائی پر جا بیٹھی، کمرے سے امیرہ بیگم کے کوسنے اور گالیاں اسی رفتار سے سنائی دے رہے تھے اب وہ سسرال اور اولاد کے بعد اپنے میکے رشتہ کروانے والے عزیز اور اس کے بعد اللہ سے بھی ان الفاظ میں شکوہ کر رہی تھیں جنہیں اگر کوئی مولوی سن لیتا تو یقیناً ان پر شرک اور کفر کا فتویٰ تو لگا ہی دیتا۔

سدرہ نے اپنے آنسو پونچھے مگر دل اتنا بھرا ہوا تھا کہ اگلے ہی لمحے اس کے گال پھر سے بھیگے ہوئے تھے، اسے نہیں یاد پڑتا تھا کہ اب تک کی زندگی میں امیرہ بیگم نے کبھی کسی کو اچھا کام کہا ہو، وہ پوری دنیا اپنی قسمت اور خدا سب سے شاکی تھیں۔

☆☆☆

سدرہ نے جب سے ہوش سنبھالا تھا انہیں اسی طرح گالی گلوچ کرتے اور روزانہ بے تکان بولتے سنا تھا، خدا نے زبان میں ایسی تاثیر دی تھی

کہ سننے والے ان کی ہر جھوٹی اور محض حسد یا جلن کی وجہ سے بنائی گئی بات پر آنکھیں بند کر کے یقین کرتے، سدرہ نے ہراساں ہو کر سوچا۔

''یقیناً اب اس کے بعد یہ ابا کو شکایت کریں گی اور محلے والے بھی مجھے ہی قصور وار ٹھہرائیں گے۔'' اور اس کی سوچ کچھ ایسی غلط بھی نہ تھی، امیرہ بیگم کا واویلا سن کر ہمسائی فوراً دیوار پہ چڑھ آئی۔

''ارے سدرہ بیگم کیا بات ہے، کیا ہوا جو تمہاری امی اس طرح رو رہی ہیں۔''

سدرہ کا دل چاہا وہ اس ہمسائی کو تو ڈانٹ دے مگر ایسا کرنے کے لئے ہمت درکار تھی جو اس کے پاس قطعاً نہیں تھی، اسی ہمت کا تو سارا قصور تھا، ورنہ وہ بھی اب تک شاید اس جہنم سے چھٹکارا پا چکی ہوتی، دیوار پہ ٹنگی ہمسائی کسی کوتوالی کی طرح اس سے پوچھ گچھ پہ آمادہ تھی، سدرہ کو کوئی جواب نہیں سوجھا تھا کہ اس کی بدقسمتی، امیرہ بیگم خود ہی کمرے سے باہر نکل آئیں، ہمسائی نے فوراً لہجے میں رحم بھر کر ان سے سوال کر ڈالا۔

''ارے بہن کیوں ہلکان ہو رہی ہو، کچھ پتہ تو چلے کہ اب کیا ہو گیا تمہارے ساتھ، اللہ رحم کرے، تمہاری تو زندگی ہی خراب کر دی ان لوگوں نے۔'' سدرہ خاموشی سے سر جھکائے ناخن چباتی رہی، اسے معلوم تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے، امیرہ بیگم نے رونا شروع کر دیا۔

''بس کیا بتاؤں بہن میری تو قسمت ہی پھوٹ گئی خدا کرے کیڑے پڑیں، مامے سرور کی قبر میں اسی خبیث نے میرا اس گھر میں رشتہ کروایا تھا، تب سے آج تک کوئی سکھ کا دن نہیں دیکھا ہر روز میرا کلیجہ جلانے کو ایک نئی بات سامنے ہوتی ہے۔'' ہمسائی نے فوراً کہا۔

''اے ہاں ہم تو پہلے ہی کہیں پتہ نہیں ان لوگوں کو تمہاری قدر کیوں نہیں ہوتی ماں کے تو قدموں تلے جنت ہے، پتہ نہیں کیسی اولاد ہے تمہاری ہے کہ اسے تمہیں دکھ دینے کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں، اب دیکھو کیسے گھنی بن کر بیٹھی ہی۔''

سدرہ کی آنکھوں سے گرتے آنسو رفتار پکڑ چکے تھے، اسے علم تھا کہ اس ہمسائی کو سچ نہیں بتایا جا سکتا اگر اس نے بتا بھی دیا تو کیا فرق پڑے گا، سب یقین تو اسی بات پر کریں گے جو امیرہ بیگم انہیں بتائے گی اور پھر امیرہ بیگم کبھی اس کی بے گناہی کا ذکر نہیں کرے گی، اس نے اپنی سگی ماں کو کہتے سنا۔

''اسی کی ملی بھگت سے ہوا ہے سب کچھ شکل سے کتنی معصوم لگتی ہے اور گنوں کی پوری ہے، اسی کی مدد شامل تھی جبھی تو وہ بھاگ گئی گھر سے، اکیلی تو کچھ کر نہیں سکتی تھی، اس نے پوری مدد کی ہو گی اس کی اور کہا ہو گا کہ تو جا، میرے لئے بھی خصم تلاش کر کے رکھ میں بھی تیرے پیچھے ہی آتی ہوں مجھ سے لکھوا لے ایک نہ ایک دن یہ بھی بھاگ جائے گی۔''

ایک پارسا زندگی گزارنے والی سدرہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، وہ بے اختیار چارپائی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی، اس نے بے یقینی سے ماں کی طرف دیکھا جو زور و شور سے ہمسائی کی ہمدریاں سمیٹنے میں مصروف تھی، سدرہ کو سمجھ نہیں آیا کہ اس کی ماں یہ سب اس کو کیسے کہہ سکتی ہے، اسے اپنی تقدیر پر یہ رونا آیا، وہ بارہ سال کی عمر سے برقع پہن رہی تھی، اس نے شادی کی آخری تقریب بھی بارہ سال عمر میں اٹینڈ کی تھی، ان کے گھر کبھی کوئی مہمان نہیں آیا تھا، مرد تو کیا عورت بھی کیونکہ امیرہ بیگم نے اپنے تمام میکے اور سسرال والوں سے اتنا ہی اچھا سلوک کیا تھا کہ کوئی بھی اس کے گھر آنے کا خواہش مند نہیں تھا، سو وہ کبھی خود بھی کسی کے گھر نہیں گئی تھی، نہ کسی رشتہ دار کے ہاں اس کی ایک ہی دوست تھی جو کبھی کبھار آ جاتی تھی، اسے دیکھ کر بھی امیرہ بیگم خوب ہی ناک بھوں چڑھاتیں، بلکہ کبھی کبھار تو اسے کہہ بھی دیتیں۔

''اے لڑکی تم کیا منہ اٹھائے لوگوں کے گھروں میں گھسی پھرتی ہو، تمہیں گھر میں کوئی کام نہیں ہوتا۔'' ایسے میں سدرہ اسے مناتی۔

''پلیز روبی تم میری خاطر آ جایا کرو، تم جانتی تو ہو کہ خدا نے مجھے جہنم میں جھونک رکھا ہے، اگر تم بھی نہیں آؤ گی تو میں تو پاگل ہو جاؤں گی۔''

ایسی ہی منت سماجت روبی کو پھر سے اس کے گھر لے آئی تھی، امیرہ بیگم کی ہر جائز و ناجائز ماننے والی سدرہ کو ماں کے منہ سے بدکردار کا خطاب پا کر صدمے سے مر جانا چاہیے تھا مگر وہ زندہ رہی، لیکن اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو گئی تھی، وہ خاموشی سے اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔

نو بجنے والے تھے اس کا باپ ایک بینک میں رات کو چوکیداری کرتا تھا، وہ آنے والا تھا اور سدرہ پہ نئی مصیبت ٹوٹنے والی تھی، اس کے بڑے دونوں بھائی گھر چھوڑ کر جا چکے تھے، انہوں نے اپنی مرضی سے شادیاں بھی کر لی تھیں اور خوش باش زندگی گزار رہے تھے، ان کی دیکھا دیکھی اس کی بڑی بہن مدیحہ نے بھی گھر سے بھاگ جانے میں عافیت سمجھی، سدرہ کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کسی کے ساتھ بھاگی تھی یا پھر محض خودکشی کرنے ہی رات کے اندھیرے میں گھر سے نکل گئی تھی، لیکن اس کی ماں نے ایک لمحے کے لئے بھی کوئی دوسری بات نہیں سوچی تھی وہ صرف یہ ہی کہہ رہی تھی کہ ''مدیحہ نے گھر سے بھاگ کر کسی سے شادی کر لی ہے اور سدرہ کو اس ساری بات کا نہ صرف یہ کہ علم تھا بلکہ اسی کے مشورے سے یہ سب ہوا ہے۔'' اور ہمیشہ کی طرح سب نے امیرہ بیگم کی زبان کا اعتبار کیا تھا۔

سدرہ کا باپ آیا، امیرہ بیگم نے رو رو کر واویلا کرتے ہوئے اسے خبر سنائی اور سدرہ کو موردِ الزام ٹھہرایا، غصے سے بھرے ہوئے باپ نے سدرہ کو بے دریغ پیٹ ڈالا، وہ اس کا گلا گھونٹنا چاہ رہا تھا جب امیرہ بیگم ایک مرتبہ پھر اس کے سامنے آ گئی۔

''نہ کرو، کیا جان لو گے اس کی؟ لوگ تمہیں ہی برا کہیں گے، پولیس پکڑ کر لے جائے گی مجھے تو پھر بھی تم سب کا خیال آتا ہے، ورنہ دل تو چاہتا ہے کہ اس کی بوٹیاں کر کے چیل کوؤں کو کھلا دوں۔''

اس طرح اس نے سدرہ کی ذات پہ ایک اور احسان کر کے اسے باپ کے ہاتھوں مرنے سے بچا لیا، نیل و نیل بدن اور رستے لہو کے ساتھ سدرہ نے پہلی مرتبہ امیرہ بیگم کی طرف نفرت سے دیکھ کر زمین پر تھوک دیا۔

''اے اللہ، اگر اسے ہی ماں کہتے ہیں تو میری تجھ سے دعا ہے کہ آج کے بعد کسی بھی بچے کو ماں جیسے عفریت سے آشنا نہ کرنا، سب بچوں کو یتیم و مسکین پیدا کرنا۔'' اسے مدیحہ کی کہی ہوئی بات بڑی شدت سے یاد آئی۔

''سدرہ بزدل لوگ ہمیشہ برزخ میں رہتے ہیں کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے، یہ خاتون احساس برتری کی ماری ہوئی نفسیاتی مریضہ ہیں، لیکن ستم تو یہ ہے کہ نہ اسے خود اس بات کا احساس ہے نہ کوئی دوسرا اسے مریض ماننے کو تیار ہے، ایسی حالت میں وہ اپنے قریب

کے وقت اطلاع دی گئی تا کہ یہ کوئی گل نہ کھلا سکیں پھر انہوں نے اپنی اولاد کو بھی نہیں بخشا کتنے اچھے رشتے آئے بھائیوں کے لئے بھی اور ہمارے لئے بھی، مگر ان خاتون نے جنہیں لوگ ہماری سگی ماں کہتے ہیں، ہر رشتے میں کوئی نہ کوئی خامی تلاش کر لی تم یاد رکھنا یہ کبھی بھی کسی کی شادی نہیں ہونے دیں گی، اسی لئے تو نادر اور خاور دونوں گھر چھوڑ کر چلے گئے، میں تو کہتی ہوں جیسے خدا دنیا کی بدترین سزا دیتا ہے اسے امیرہ بیگم کا دست نگر بنا دیتا ہے۔"

اس وقت تو سدرہ نے بڑی شد و مد سے اپنی بڑی بہن کو ڈانٹا تھا، مگر آج اسے مدیحہ پہ یقین آ گیا تھا، اس نے بے اختیار دعا کی۔

"اے اللہ میرا وہ گناہ معاف کر دے جس کی سزا تو نے مجھے امیرہ بیگم کے گھر میں پیدا کر کے دی ہے۔"

☆☆☆

کام ختم کر کے سدرہ آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی اسے روبی کی بات یاد آئی۔

"تیری ماں کبھی تجھ پہ رحم نہیں کھائے گی، میری مان لے اور اپنے بھلے کے لئے کچھ سوچ۔" اس نے آئینے میں نظر آتے اپنے عکس کو دیکھا، دونوں بھائی گھر چھوڑ کر جا چکے تھے، باپ ایک معمولی چوکیدار اور مہنگائی کے دور میں کرائے کا مکان بمشکل اتنا بچتا تھا کہ جسم و جان کا رشتہ برقرار رہ سکے، ناکافی خوراک اور گھٹے ہوئے رہنے والوں کی زندگی ایسے ہی جہنم بنائے رکھے گی تم نے دیکھا اس نے آج تک کسی کو خوش نہیں ہونے دیا کسی کے رشتے کی خبر مل جائے تو ایڑھی چوٹی کا زور لگا کر اسے تڑوانے جاتی ہیں ان کے نندوں دیوروں اور بہن بھائیوں سب کی رشتہ ان سے چھپا کر طے کیے گئے اور انہیں صرف شادی

ماحول نے عمر سے قبل ہی اس کے چہرے پر جھریاں ڈال دی تھیں، اس نے یاسیت سے سوچا۔

"اب کون اس بڈھی نادار لڑکی سے شادی کرنا چاہے گا وہ بھی ایسی حالت میں کہ ایک دھیلے کا جہیز نہیں ملے گا۔"

باہر دروازہ بج رہا تھا وہ کمرے سے نکل آئی، ماں غسل کر رہی تھی اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا آنے والی دونوں خواتین کسی اچھے کھاتے پیتے گھر کی تھیں، سدرہ انہیں نہیں جانتی تھی، انہوں نے بلا تکلف سدرہ سے کہا۔

"کہاں ہے تمہاری ماں، ہم اس سے بات کرنا چاہتی ہیں۔" سدرہ نے اپنی حیرانی پہ قابو پا کر پوچھا۔

"آپ کو کس سلسلے میں بات کرنی ہے۔"

دووں عورتوں نے معنی خیز نظر ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر ایک بولی۔

"اب تم سے کیا چھپانا، ہمارا ایک چھوٹا بھائی ہے شادی شدہ تھا مگر ایک بچہ پیدا کر کے اس کی بیوی نے طلاق لے لی، بچہ ہمارے پاس گھر اچھا ہے تمہارا ہاتھ مانگنے آئے ہیں، کسی نے بتایا تھا کہ تم جہیز نہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک کنواری بیٹھی ہو، ہم جہیز نہیں لیں گے۔"

سدرہ نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے عورتوں کی تضحیک آمیز گفتگو سن کر بے یقینی سے ان کے چہرے دیکھے، اسے ان عورتوں کے گھر میں ملنے والی اپنی حیثیت کا ابھی سے اندازہ ہو گیا تھا، اسی وقت امیرہ بیگم آ گئیں، سدرہ خاموشی سے اٹھ کر اندر چلی گئی، جب تک وہ اسے نہ کہتیں وہ از خود کسی کی خاطر مدارت نہیں کر سکتی تھی، اس نے غیر جانبداری سے سوچا۔

"ایسا کیا غلط کہہ رہی تھیں، وہ کتنا بھی برا

کریں گی مگر امیرہ بیگم کی طرح کا سلوک کوئی نہیں کر سکتا، یا اگر کریں گے بھی تو کم از کم یہ تو نہیں ہو گا کہ ہر کوئی امیرہ بیگم کو ہی مظلوم کہے گا، تب تو لوگ مجھ سے ہمدردی کریں گے۔" کچھ ہی دیر میں وہ عورتیں واپس چلی گئیں اور امیرہ بیگم چیختی چلاتی ہوئی اس کے سر پہ آن چڑھیں۔

"تم نے کیا کہا تھا ان سے، وہ کہہ رہی تھیں لڑکی اپنے منہ سے بر مانگ رہی تھی، آنے دے تیرے باپ کو تیرے کرتوت بتاتی ہوں، ڈال دو بڈھے باپ کے سر میں خاک، بھاگ جاؤ تم بھی، دوسروں کی طرح بلکہ میرا تو خیال ہے کہ تم نے کسی نہ کسی جگہ آنکھ رکھی ہوگی جبھی تو موقعے کا انتظار کر رہی ہو، امیرہ بیگم نے دنیا دیکھی ہے، میں نے پہلے ہی بتا دیا تھا نا کہ وہ بڑی بھی بھاگ جائے گی، بھاگ گئی نا آخر کار، اسی طرح تم بھی کرو گی۔"

سدرہ نے صدمے سے آنکھیں موند لیں، لیکن اذیت سے آنکھیں موند لینے سے کبھی کم نہیں ہوتی، اس نے دکھ سے سوچا۔

"کاش کوئی آپ کو بتاتا کہ وہ آپ کی پیش گوئی کو پورا کرنے کے لئے گھر سے نہیں بھاگے بلکہ آپ کے رویے اور سلوک نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

اس شام بھی سدرہ کو اپنے باپ کے ہاتھوں پھر مار کھانا پڑی، جب رات وہ بخار میں پھنکتی فرش پر پڑی تھی تب اسے امیرہ بیگم کی ایک بار کہی گئی بات یاد آ گئی۔

"میرے ہوتے کسی کا رشتہ طے نہیں ہوگا، میں ہونے دوں گی تو ہوگا نا، یہیں باپ کی دہلیز پہ بیٹھی بوڑھی ہوگی یہ۔"

اگلی صبح روبی اس سے ملنے آ گئی، زندگی میں پہلی بار سدرہ نے روبی کی باتوں کو دھیان سے سنا تھا۔

☆☆☆

الف ایم پہ ایک ٹاک شو ہو رہا تھا، موضوع تھا "بدیسی تہوار" اسی کے ذیل میں ویلینٹائن ڈے پہ بات ہو رہی تھی، اگرچہ تہوار تو مہینہ دو ہو گئے گزر چکا تھا مگر اب بھی اس پہ بات ہو جاتی تھی، شرکاء میں سے ایک معروف افسانہ نگار نے بڑے طنطنے سے کہا۔

"اصل میں آج کل میڈیا خاص طور سے الیکٹرانک میڈیا نے نوجوان نسل کو بہت خراب کر دیا ہے، دو دن کی واقفیت سے نوجوان لڑکے لڑکیاں گھر سے بھاگ کر شادی کر لیتے ہیں اور پھر نباہ بھی نہیں سکتے، میں تو کہتی ہوں کہ یہ صرف بے راہ روی کا شاخسانہ ہے، ورنہ ہمارے دور میں تو ایسا نہیں ہوتا تھا۔"

"مجھے آپ کی بات سے اختلاف ہے۔" مذاکرے کی ایک دوسری شریک خاتون نے کہا۔

"میں ایک پرائیویٹ ادارے میں استاد ہوں، مجھے اس پیشے سے منسلک ہوئے چھ سال ہو گئے ہیں، میں نوجوان نسل کے بہت قریب رہی ہوں، میں آپ کی بات کو مکمل طور پر رد تو نہیں کرتی مگر اس میں آدھا سچ ہے۔" وہ لمحہ بھر کو سانس لینے کو رکی، تو افسانہ نگار نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"باقی آدھا سچ بھی بتا دیجئے۔"

"جی ضرور۔" اس نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

"باقی کا آدھا سچ یہ ہے کہ آج کل کی آدھی نوجوان نسل اپنے بزرگوں کے غلط رویے کی وجہ سے گھر چھوڑ کر بھاگ رہی ہے، موجودہ دور میں بزرگوں کی ترجیحات بدل گئی ہیں، وہ اپنی اولاد کو محبت دینے کی بجائے ان سے اپنی محرومیوں کا

بدلہ لیتے ہیں، وہ ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ یا تو اولاد باہر محبت تلاش کرنے کے چکر میں راہ سے بھٹک جاتی ہے یا پھر بچے ان سے خفا ہو کر گھر سے نکل جاتے ہیں اور لوگوں کے گھروں میں زندگی گزار دیتے ہیں جہاں انہیں عزت اور محبت سے بلایا جاتا ہے۔" افسانہ نگار نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ تو یوں بات کر رہی ہیں جیسے آپ کو بہت تجربہ ہو حالانکہ میری عمر اور تجربہ ہر لحاظ سے آپ سے زیادہ ہے۔" شاید اسے اپنی بات کا رد کیا جانا بہت برا لگا تھا۔

"آپ کہہ سکتی ہیں کیونکہ جو میں نے آپ کو بتایا ہے وہ میرا ذاتی تجربہ ہے، آج میرا دنیا میں ایک مقام ہے مگر آج سے چھ سال پہلے میں ایک گمنام ستم رسیدہ لڑکی تھی جسے ماں باپ کے ظالمانہ رویے نے گھر چھوڑنے پہ مجبور کر دیا، میں جانتی ہوں کہ لوگوں نے میرے بعد بھی باتیں بنائی ہوں گی سب نے کہا ہوگا کہ کسی کے ساتھ بھاگ گئی مگر یہ سچ ہے کہ میں نے صرف اپنی ذات کے تحفظ کے لئے یہ قدم اٹھایا تھا، پہلے کچھ عرصہ تک ایک پرائیویٹ سکول میں پڑھائی اور ساتھ پڑھتی رہی، تعلیم مکمل ہونے پر میں اس کالج میں لیکچرر تعینات ہو گئی جس کی طرف سے آج مذاکرے میں شامل ہوں اور میں کسی کے لئے گھر سے نہیں بھاگی، اس کا ثبوت آپ کو اس بات سے مل سکتا ہے کہ میں پہلے دن سے ایک بیوہ عورت کے ساتھ رہ رہی ہوں اور میں نے شادی بھی نہیں کی۔"

"یعنی آپ کا خیال ہے کہ لڑکیوں کو ماں باپ کی ڈانٹ سے ڈر کر گھر سے بھاگ جانا چاہیے؟" سدرہ کی آواز لرز گئی۔

"میں نے یہ نہیں کہا، مگر ڈانٹ اور ظلم میں فرق ہوتا ہے، جس طرح پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں اسی طرح سارے والدین ظالم نہیں ہوتے، رشتوں اور لوگوں میں ہر رنگ ملتا ہے، ظلم سہے جانا بھی ظلم ہے، اگر میرا کوئی رشتہ دار ہوتا تو میں اسی کے پاس جاتی مگر میرا کوئی نہیں تھا، سو مجھے اپنی سہیلی کی ایک عزیزہ کا سہارا لینا پڑا لیکن میں خوش ہوں۔"

"ہاں مگر نوجوان طبقے کو نصیحت کرتی ہوں کہ کل کو جب وہ والدین بنیں تو خدارا اپنے بچوں سے اچھا سلوک کریں اور اپنی محرومیوں کا بدلہ اپنے بچوں سے نہ لیں، ورنہ دنیا میں کسی رشتے پر اعتبار باقی نہیں رہے گا۔"

ریڈیو کے پاس بیٹھی امیرہ بیگم کی پرسوچ نگاہیں خلا میں کچھ تلاش کر رہی تھیں، وہ چار بچوں کی ماں تھیں مگر آج خالی گھر میں اکیلی بیٹھی تھیں انہیں زندگی میں پہلا مرتبہ اپنے رویے میں غلطی کا احساس ہوا، مگر اس وقت تب پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا تھا، وہ اپنے بچوں کو اب واپس نہیں لا سکتی تھیں، کیونکہ سب ہی اپنی زندگی میں خوش اور مگن تھے، امیرہ بیگم نے زندگی میں پہلی مرتبہ سوچا۔

"کیا میں کوئل کی طرح کی ایک بے وفا ماں ہوں؟ کیا مجھے ماں کہلانے کا حق ہے، نہیں شاید نہیں بلکہ میں تو ایک ایکو بیٹر ہوں جس نے فقط چار جانوں کو دنیا میں لانے کا کام کیا ہے اور بس اور مشینیں کسی خدمت کی حقدار نہیں ہوتیں۔" ان کا سر جھکا ہوا تھا۔

☆☆☆

SAGITTARIUS

برج قوس

سیارہ مشتری

24 نومبر تا 23 دسمبر

نام کے پہلے حروف

ف

نام کا پہلا حرف	ف
نشان	نصف کماندار اور نصف گھوڑا
عنصر	آگ
مبارک دن	جمعرات
خوش بختی کا ہندسہ	4

دوسرے بروج سے تعلقات:۔

بہتر	جدی، دلو، میزان، اسد، عقرب
بہترین	حمل اور اسد
غیر یقینی	حوت، جوزا اور سنبلہ
معتدل	ثور، سرطان

قوس افراد ہمہ وقت متحرک رہتے ہیں، وہ بہت کم نچلے بیٹھتے ہیں اور کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتے ہیں بالخصوص جب وہ اپنے کام سے بوریت محسوس کرتے ہیں یا دباؤ کا شکار ہوتے ہیں، وہ اکثر صبح جوگنگ کرتے ہوئے اور دوپہر کو کوئی نہ کوئی گیم کرتے نظر آتے ہیں۔

وہ خاص طور پر فیلڈ سپورٹس یا ایسی سرگرمی پسند کرتے ہیں جس میں وہ آزادی سے گھوم پھر سکیں، بچپن میں وہ گھوڑے کی طرح دوڑتے بھاگتے نظر آتے ہیں اور عملی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد بھی کھلی فضا میں سیر کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ ہوتا ہے، اگر کسی پارٹی میں بوریت کا عنصر شامل ہو جائے تو وہ پارٹی کو کسی نہ کسی گیم کی

طرف لگا کر بوریت دور کر دیتے ہیں۔
وہ دائرہ البروج کے خانہ بدوش ہوتے ہیں اور ان کے لئے ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک کا سفر اتنا ہی آسان ہے جتنا ایک کمرے سے دوسرے تک جانا لیکن حرکت ان کے لئے ناگزیر ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ حرکت میں برکت ہوتی ہے، جمود، اضطراب اور بوریت انہیں مریض بنا کر رکھ دیتے ہیں، کسی بیماری کا شکار قوس افراد لمبے چوڑے نسخوں کی بجائے اپنی سیر و تفریح کے اوقات میں مناسب تبدیلی کرکے صحت یاب ہو سکتے ہیں، قوس افراد اپنے اثر کو حتی الامکان وسیع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

خوش باش:۔

قوس افراد لوگوں سے محبت کرتے ہیں، ان کی ایڈریس بک کسی شہر کی ڈائریکٹری سے کم نہیں ہوتی، اپنے متضاد برج جوزا کے برعکس وہ پارٹیوں میں بہت جلد گھل مل جاتے ہیں، پکنک، میوزک پارٹی اور پہاڑی علاقوں کی سیر جیسی اجتماعی آؤٹنگ سے وہ بے حد محظوظ ہوتے ہیں حتی کہ وہ کمیٹی میٹنگوں سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں کیونکہ ان سے وہ اپنی موثر سماجی حیثیت کو ماپتے ہیں۔
ان کی خوش باش فطرت اور مہم جویانہ روح برج سرطان جیسے سنجیدہ افراد کو بھی پارٹی میں شمولیت اختیار کرنے پر مجبور کر دیتی ہے، ان کی خوش باشی بعض اوقات حد سے بڑھ جاتی ہے اور وہ دوسروں پر فضول قسم کے فقرے کسنا بھی شروع کر دیتے ہیں اور جب پارٹی ختم ہو جائے اور وہ یک و تنہا رہ جائیں تو وہ مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

تیز طرار:۔

قوس افراد سچائی کے متلاشی ہوتے ہیں اور ایمانداری ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے، ان کی ایمانداری غرور کی حدوں کو چھونے لگتی ہے، وہ جھوٹ بولنے میں ماہر نہیں ہوتے اور جھوٹ بولتے ہوئے ان کی زبان ان کا ساتھ دینے سے قاصر رہتی ہے کیونکہ وہ دیانت داری پر اندھا اعتقاد رکھتے ہیں، وہ جو کچھ جانتے اور محسوس کرتے ہیں، اسے بلا کم و کاست بیان کر دیتے ہیں۔

قابل اعتماد:۔

قوس (افراد جس طرح جھوٹ بولنے پر قادر نہیں ہوتے اس طرح وہ کسی کو دھوکہ بھی نہیں دے سکتے، ان پر مکمل اعتماد کیا جا سکتا ہے، جب وہ کسی تعلق کو ختم کرتے ہیں تو اس کے خاتمہ کی جو وجوہات بیان کرتے ہیں وہ حقیقت پر مبنی ہوتی ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ دوسرا شخص ان کے ایکسکیوز کی اہمیت کو محسوس کرے گا۔
وہ بہت وفادار ہوتے ہیں اور کسی تعلق کی افادیت ختم بھی ہو جائے تب بھی وہ آخر دم تک دوستی نبھاتے ہیں، وہ حاسد، شکی اور بے اعتمادی افراد کی دوستی اور محبت کو پسند نہیں کرتے ایسے افراد کو ان سے تعلقات قائم کرنے کے لئے دو بار سوچنا چاہیے۔
قوس افراد دوسروں سے بھی اس بات کی توقع کرتے ہیں کہ وہ قابل اعتماد ہوں، جب اس معاملہ میں لوگ ان کے معیار پر پورا نہیں اترتے تو وہ برافروختہ ہو جاتے ہیں، اگر ان وجوہات کی بناء پر ان کا کوئی تعلق ختم ہوتا نظر آئے تو وہ طنز کے نشتروں سے کام لیتے ہیں اور اس معاملہ کا خوب ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔

سادہ لوح:۔

قوس افراد جتنے قابل اعتماد ہوتے ہیں، اتنے ہی سادہ لوح بھی ہوتے ہیں، آپ انہیں بظاہر جو بات بھی بتائیں وہ اسے تسلیم کر لیں گے اور اس بات کے پیچھے چھپے ہوئے مفہوم تک پہنچنے کی کوشش نہیں کریں گے، اس ضمن میں وہ شرمیلے، دباؤ کا شکار اور بالواسطہ بات کرنے والے افراد کو پسند نہیں کرتے۔
وہ خود کسی کو دھوکہ فریب میں مبتلا کرنا پسند نہیں کرتے لیکن خود بہت جلد دوسروں کے دھوکہ میں آ جاتے ہیں، اگرچہ ان کا وجدان انہیں ہر قسم کے استحصال سے محفوظ رکھنے میں ان کا معاون ہوتا ہے، اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے وہ بعض اوقات اپنے کسی دوست یا محبوب کے لطیف اشاراتی پیغامات کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں اور یہ بات ان کے تعلقات میں رخنہ ڈالنے کا باعث بنتی ہے۔

باذوق، باامید:۔

قوس افراد صبح سویرے اٹھ کر طلوع آفتاب کا نظارہ کرنا پسند کرتے ہیں، وہ ہر نئی صبح کو ایک نئی مہم جوئی کے آغاز کے طور پر خوش آمدید کہتے ہیں اور ہر قسم کے چیلنج کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ کل کی پریشانیوں کو آج کی صبح پر مسلط ہونے نہیں دیتے، ہر نئی صبح ان کے لئے امید کا ایک نیا پیغام لے کر آتی ہے اور ہر آئندہ کل گزشتہ کل سے بالکل علیحدہ اور منفرد ہوتی ہے، ان کا ہر نیا دن ایک نئی سلیٹ کی مانند ہوتا ہے جس پر سے پچھلے دن کی کارگزاری صاف ہو چکی ہوتی ہے اور آنے والے کل کی صورت میں ایک خوش آئند مستقبل کی تحریر پڑھی جا سکتی ہے، وہ صبح سویرے اٹھ کر کسی نزدیکی پارک کی سیر کر کے تازہ دم ہوتے ہیں اور واپسی پر ان کے ہاتھ میں گلاب کا ایک آدھ پھول ضرور ہوگا جو انہیں سارا دن صبح کی تازگی کی یاد دلاتا رہتا ہے۔
ان کا حاکم سیارہ مریخ انہیں ایک لامتناہی امید پرستی کا تحفہ دیتا ہے، زندگی میں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ قوس افراد کو کسی ایسے چیلنج یا جدوجہد کا سامنا کرنا پڑے جس کا انتخاب انہوں نے از خود نہ کیا ہو، ان کا حاکم سیارہ ملکہ ازابیلا کی طرح ہے جو کہ ان کی مہم جوئی کے ضمن میں آزادی کے نئے براعظم دریافت کرنے میں ان کی سرپرستی کرتا ہے۔

خوش قسمت، فضول خرچ:۔

قوس افراد قدرتی طور پر امید پرست ہوتے ہیں، وہ بے حد خوش قسمت واقع ہوتے ہیں، پیسہ بہت کم ان کے لئے مسئلہ بنتا ہے اور وہ اپنے کام، دوستی اور بالخصوص تقدیر کی بدولت جو چاہتے ہیں حاصل کر لیتے ہیں، وہ درست وقت پر درست جگہ پر درست کام کرنا پسند کرتے ہیں، وہ کسی نئے شہر میں جا کر مطلوبہ ملازمت ایک ہفتہ کے اندر اندر تلاش کر سکتے ہیں، بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص انہیں لاٹری کا کوئی نمبر تھما دیتا ہے اور ان کی خوش قسمتی کی وجہ سے اسی نمبر کو بمپر پرائز مل جاتا ہے، اگر وہ عارضی طور پر ساحلی علاقہ میں نکل جائیں اور ان کے ذہن میں کوئی خاص مقصد نہ ہو تب بھی اپنی پرکشش شخصیت اور مقناطیسیت کی بدولت انہیں وہاں گرمیاں گزارنے کی دعوت مل جائے گی۔
قوس افراد اپنے دوستوں کے لئے بھی کم و بیش اسی قسم کی دریا دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان کے لئے اپنی دولت سے دوستوں کا حصہ رکھنا بہت آسان ہے جو کہ انہیں دنیا کے دیگر وسائل کی طرح غیر مختتم نظر آتی ہے، وہ چھوٹے بڑے تحفے

تحائف دینے میں بہت خوش وخروش کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اگر کسی کو قرض دے دیں تو واپسی کے لئے تقاضا کرنا اچھا نہیں سمجھتے، سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ دوستوں کی پارٹیوں میں اپنا خوبصورت وقت دینا پسند کرتے ہیں۔

پر کشش، محسور کن:۔

قوس افراد بہترین میزبان ثابت ہوتے ہیں، وہ اپنے مہمانوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بہترین مینو تیار کرتے ہیں اور ان کی خاطر تواضع کر کے خوش ہوتے ہیں، وہ دنیا کی سیر و سیاحت سے خوش ہوتے ہیں، وہ غیر ملکی ڈشیں تیار کرنا اور کھانا بے حد پسند کرتے ہیں، قوس خواتین دیسی بدیسی ہر قسم کے کھانے تیار کرنے میں مہارت رکھتی ہیں۔

قوس افراد روشنیوں اور ماحول کی مدد سے ایک شاندار تاثر پیدا کر لیتے ہیں اور ان کے ساتھ تاروں بھری رات میں وقت گزارنا ایک یادگار بن جاتا ہے، اگر ان کا پلان مفید ثابت نہ ہو اور دوسرا شخص بوریت کا شکار ہونے لگے تو وہ اس کی بوریت دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور اس میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں، اگرچہ وہ انفرادی جذبات و احساسات کے بارے میں حساس نہیں ہوتے تاہم وہ اجتماعی رد عمل کو بڑی آسانی سے محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اپنی تیز طرار حرکات کے باوجود وہ مثالی قسم کے مہمان ثابت ہوتے ہیں، ان کی شاندار شخصیت اور ان کی آنکھوں میں بے تکلفانہ، حسی اور مستحسانہ نظر کسی بھی پارٹی پر طاری بوریت کا جمود توڑنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے، وہ اکثر کسی سنسنی خیز فقرہ سے آغاز کرتے ہیں، وہ اکثریت کا ذہن اپنی طرف راغب کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، وہ جوش و جذبات سے بھرپور ہوتے ہیں اور کم و بیش ہر چیز میں دلچسپی لیتے ہیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کا جذبہ اور ان کی حرکات کسی بھی پارٹی میں موجود افراد کے چہروں پر تروتازگی لے آتی ہیں اور وہ آپ کے نصف سے زیادہ مہمانوں کا تعارف آپس میں کروا کر ہی دم لیں گے خواہ وہ ان افراد کو جانتے بھی ہوں یا نہیں۔

ماحول کے مطابق ڈھلنا:۔

قوس افراد کی جستجو انہیں ہر قسم کے ماحول کے مطابق ڈھالنے میں ممدو معاون ثابت ہوتی ہے، دائرہ البروج کے سیاح ہونے کے ناطے وہ اس مقولہ پر یقین رکھتے ہیں کہ "جیسا دیس ویسا بھیس" یہ رجحان ان کے لئے دلچسپ اور عملی پہلو ہی نہیں رکھتا بلکہ عموماً محظوظ کن بھی ہوتا ہے۔

وہ ہمیشہ نت نئے طریقے آزمانے کے لئے تیار رہتے ہیں، اس کا اظہار وہ کھانے سے لے کر لباس تک تمام معاملات میں کرتے ہیں، وہ بہت جلد ہم آہنگی پیدا کر لیتے ہیں اور شاندار نقالی کر لیتے ہیں چنانچہ وہ کسی بھی قسم کے ماحول میں خود کو اجنبی محسوس کرتے، وہ نئے طور طریقوں اور ادب آداب کو بہت سمجھنے اور استعمال کرنے پر قادر ہوتے ہیں خواہ وہ کسی بھی کلچر سے تعلق رکھتے ہوں یا ان کا تعلق کسی بھی مخصوص سماجی حلقہ سے ہو، ان کی شخصیت کے طلسم کا یہ سب سے بڑا عنصر ہوتا ہے۔

متنوع:۔

قوس افراد کی شخصیت بڑی متنوع ہوتی ہے، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ہر کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" کے مصداق ایام طفولیت ہی میں مختلف

اشیاء میں اپنا رجحان ظاہر کرنا شروع کر دیتے ہیں، ان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی شاندار صلاحیت پائی جاتی ہے اور اسے وہ اپنے شاندار تجسس اور پرجوش شخصیت کے ساتھ استعمال کر کے اپنے سکول کے زمانہ میں ہی اپنے ہم مکتبوں میں مقبول ہو جاتے ہیں، ان کی صلاحیت، خود اعتمادی اور فطری قائدانہ صلاحیتیں انہیں اپنی کلاس کا مانیٹر یا کالج کا پراکٹر بنا دیتی ہیں، وہ اپنے کالج کی یونین کے انتخابات میں اکثر کامیاب ہو جاتے ہیں اور جب وہ کالج سے رخصت ہوتے ہیں تو بڑے طمطراق اور بڑی امیدوں کی ساتھ عملی دنیا میں قدم رکھتے ہیں۔

تعلیم کے دوران وہ ریاضی سے لے کر انگلش لٹریچر تک ہر مضمون بلاکم و کاست پڑھ جاتے ہیں، اوائل بچپن ہی سے وہ اتنی جہتوں میں دلچسپی رکھتے ہیں کہ بلوغت کے بعد ان کے لئے اپنے فیلڈ کو محدود کر لینا کارے دارد ہوتا ہے، مخلوط تعلیم کے دوران وہ کتابی مطالعہ کے ساتھ ساتھ افراد کا مطالعہ بھی اسی لگن کے ساتھ کرتے ہیں اور اپنے ساتھی طلباء یا طالبات میں سے اپنا جیون ساتھی بھی منتخب کر لیتے ہیں۔

وہ سالہا سال تعلیمی ماحول میں گزار سکتے ہیں اور یکے بعد دیگرے مختلف مضامین اختیار کرتے چلے جاتے ہیں نیز اپنی تحقیق کو جاری رکھنے کے لئے پڑھانے کی طرف بھی مائل ہو سکتے ہیں، جہاں گردی کا شوق انہیں تعلیمی اداروں کی دیواروں سے نکال کر عملی دنیا کے وسیع میدان میں لے آتا ہے، جب وہ اپنی مادر علمی سے رخصت ہوتے ہیں تو ان کا دل جذبات میں ڈوبا ہوتا ہے۔

عالم و فاضل، شان و شوکت سے بھرپور:۔

قوس افراد شاندار ذہانت کے حامل ہوتے ہیں، زندگی کے بارے میں عمومی جوش و جذبہ اور مہم جویانہ روح رکھنے کے علاوہ وہ حقائق کے بارے میں اچھی یاداشت رکھتے ہیں۔

قوس افراد کو اپنی اعلیٰ درجہ کی جسمانی سرگرمی کے ساتھ توازن قائم کرنے کے لئے دماغی محنت کی بھی ضرورت ہوتی ہے، بوریت ان کے لئے دماغی انتشار کا باعث بنتی ہے اور اس کا علاج صرف اور صرف ذہنی مصروفیت ہے۔

وجدانی، عمدہ رائے:۔

قوس افراد عمدہ وجدانی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں اور ان کی وجدانی صلاحیتوں سے تحریک کا جنم ہوتا ہے، جب کبھی فیصلے کی ضرورت ہو تو وہ بہتر جانتے ہیں کہ انہیں کیا کرنا چاہیے، ایک باطنی جھماکے کے ساتھ وہ معاملہ کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں اگرچہ ان کے لئے اپنے طریق کار کی وضاحت کرنا مشکل ہوتا ہے، جو قوس افراد اپنے وجدان کے ساتھ رابطہ استوار رکھتے ہیں وہ فیصلہ کرتے وقت کبھی غلطی نہیں کرتے۔

لفظوں کا ایک عمدہ کھیل ان کے لئے بیس بال کی سرگرم گیم کی مانند ہوتا ہے بشرطیکہ ان کے دماغ کی خاصی ورزش ہو اور کوئی نئے تازہ نظریات اس میں داخل ہوں، قوس افراد کی سوچیں مستقبل کی طرف زیادہ جاتی ہیں، ان کا عنصر آگ اور ان کا جوش انہیں ایک بہترین سیاستدان یا لابسٹ بناتا ہے۔

مہم جو:۔

قوس افراد کی ذات میں جہاں گردی اور حسی بھوک کا خوبصورت امتزاج ہوتا ہے، دراصل وہ سفر کے دلدادہ ہوتے ہیں اور مختلف

تجربات کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں اور نت نئے چہرے اور مقامات ان کی تسکین کا باعث بنتے ہیں، وہ اپنے مہم جوئی کے شوق کو پورا کرنے کے لئے عمر کا بھی لحاظ نہیں کرتے اور بڑھاپے میں بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیتے ہیں۔

☆☆☆

قوس عورت:۔

تمام ذوجسدین برج روابط بڑھانے کی صلاحیت سے بھرپور ہوتے ہیں اور قوس عورت اپنے تعلقات میں اپنے حاکم سیارے مشتری کے تمام تر جذبہ بہ جوش کو بروئے کار لاتی ہے، اس کی مخلصانہ اور وفادارانہ فطرت اسے دوسروں کے لئے ایک شاندار دوست بنا دیتی ہے، تصور پرست، فلسفی اور حسی قوس عورت قطورس (یعنی نصف گھوڑے اور نصف انسان) کی روح کے ساتھ اپنی ہر خواہش کی تکمیل کرتی نظر آتی ہے، قوس عورت آتشی مزاج ہونے کی وجہ سے شدید توانائی اور انقلابی روح کی مالک ہوتی ہے، قوس کا حاکم سیارہ مشتری نظام شمسی کا سب سے بڑا سیارہ ہے جو وسعت اور آزادی کی علامت ہے۔

قوس عورت کے تعلقات بہت پیچیدہ ہوتے ہیں، وہ خوشی سے بھرپور سچی عورت ہوتی ہے اور اس کے ساتھ آئیڈیلسٹ اور پارہ صفت ہوتی ہے، خصوصیات کا یہ امتزاج اس کی زندگی کو پرجوش اور قدرے مشکل بنا دیتا ہے۔

قوس عورت کے لئے آزادی نہایت گہرا مفہوم رکھتی ہے، اسے مجسمہ آزادی سے تشبیہ دی جاسکتی ہے، جو ہاتھ میں ٹارچ لئے لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، قوس عورت ایک وفادار اور فیاض عورت ہے، لیکن اگر آپ پریشانی کا شکار ہوں تو اس کے پاس جا کر اپنا دکھڑا سنانے کی کوشش نہ کریں کیونکہ اس کی دوستی کا نظریہ سرگرمی کے گرد گھومتا ہے اور اس کے ہاتھ گرمجوشی سے بات چیت اسی وقت ہو سکتی ہے جب آپ اس کے ساتھ سیر و تفریح پر نکلے ہوں، اس کی ذات میں دوستی کی حرارت پائی جاتی ہے۔

قوس عورت کے تعلقات ایمانداری پر مبنی ہوتے ہیں اور وہ اپنی محبوب کو بچانے کے لئے بھی جھوٹ بولنا گوارا نہیں کرے گی، اس طرح وہ اپنے تعلقات پر تسلط جمائے رکھتی ہے کیونکہ وہ شرائط خود طے کرتی ہے اگر اس کا محبوب یہ برداشت نہیں کرسکتا تو وہ اسے چھوڑ سکتا ہے، قوس عورت اکثر عورتوں سے زیادہ مردوں سے دوستی کا رجحان رکھتی ہے۔

قوس عورت کو ایسے محبوب کی ضرورت ہوتی ہے، جو خودمختاری کے شعور سے آگاہ ہو اور مضبوط انا کا مالک ہو تا کہ اسے بھی مساوی آزادی فراہم کرسکے، نیز قوس عورت کی طرف سے ڈالی گئی وفاداری کی آزمائشوں پر بھی پورا اترتا رہے، اس کے محبوب کو مثالی، ذہین اور تخلیقی ہونا چاہیے، قوس محبت میں کسی قسم کی بہانہ سازی برداشت نہیں کرتی، اگر اس کا محبوب اسے سادگی کے ساتھ اپنی خواہشات سے آگاہ کردے تو وہ اس کا دل جیت لے گا۔

قوس عورت کے محبوب کو چاہیے کہ اس پر اعتماد کرے اور اس کی وفاداری کے بدلے میں وفاداری کا اظہار کرے، وہ اس سے کبھی جھوٹ نہیں بولے گی، جب تک اس کے جذبات کا احترام کیا جائے گا تب تک وہ اپنے محبوب کے جذبات کا احترام کرے گی۔

☆☆☆

حاصل مطالعہ

تحریم محمود

بڑی آزمائش، بڑا انعام

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جتنی بڑی بلا (آزمائش) ہوتی ہے، اتنی ہی بڑی جزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔"

(یوں بھی کہا جاسکتا ہے جتنی بڑی آزمائش ہوتی ہے، اتنی ہی جزا اور اتنا بڑا انعام بھی ملتا ہے۔) پس اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے (یا اسے محبوب قرار دیتا ہے) تو اسے آزمائش اور مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے، پس جو مصیبت اور بلا پر خوش (راضی برضائے خداوندی) رہا، اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی رضا مندی ہے، (یعنی اللہ ایسے بندوں سے یا قوم سے راضی ہو جاتا ہے) اور جو ناراض ہوا (اس بیماری یا بلا پر) تو اللہ بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے، (اس کے لئے اللہ کی ناراضی ہے۔)

شگفتہ رحیم، فیصل آباد

مینارہ نور

ایک پچیس چھبیس سالہ نوجوان جب یروشلم کی ایک گلی سے گزرا تو ایک شخص نے برابر سے نمودار ہو کر اسے گالیاں دینا شروع کر دیں۔

"بے دین، گمراہ، ہمیں اپنے آباؤ اجداد سے گمراہ کرنا چاہتا ہے، خدا تجھے ذلیل اور برباد کرے۔"

نوجوان نے مسکرا کر اس شریر آدمی کو دعائیں دینا شروع کر دیں، ایک تیسرے شخص نے حیرت سے دریافت کیا۔

"یہ شریر تمہیں گالیاں دے رہا ہے اور تم اسے دعائیں دے رہے ہو، تم بھی اسے گالیاں دے سکتے تھے۔"

شریف نوجوان نے تحمل سے جواب دیا۔

"جس کے پاس دینے کے لئے جو کچھ ہوتا ہے، دوسروں کو وہی دیتا ہے، اس کے پاس گالیاں تھیں، اس نے مجھے گالیاں دیں، میرے پاس دعائیں تھیں، میں نے دعائیں دیں۔"

یہ شریف نوجوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے جو برائیوں کے خلاف جہاد کر رہے تھے۔

حمیرا رضا، ساہیوال

باتوں سے خوشبو آئے

☆ دنیا میں کوئی چیز اپنے آپ کے لئے نہیں ہے، دریا خود اپنا پانی نہیں پیتا، درخت اپنا پھل خود نہیں کھاتا، سورج اپنے لئے حرارت نہیں دیتا، کیونکہ دوسروں کے لئے جینا ہی اصل زندگی ہے۔

(حضرت علیؓ)

☆ جو دوست بنانے میں خوف زدہ ہوا سے بھی سچے دوست نہیں ملیں گے، زندگی میں ایک دوست مل گیا تو بہت ہے، دو مل گئے تو بہت زیادہ ہے، تین تو مل ہی نہیں سکتے۔

(مستنصر حسین تارڑ)

☆ ماں کی اصل خوب صورتی اس کی محبت ہے اور میری ماں دنیا کی امیر ترین اور خوب صورت ترین ماں ہے۔

(محمد علی جوہر)

☆ دنیا میں ہونے والے بیشتر مظالم مظلوم کی پسند کا حصہ بنا دیئے جاتے ہیں۔

نبیلہ نعمان، گلبرگ لاہور

فلاح آخرت کی کنجی

علم ایک نعمت ہے اور عمل کے ذریعے روشنی پیدا کی جاسکتی ہے، اگر آپ کے صالح اعمال کی روشنی دوسروں تک پہنچ جائے تو معاشرہ سنور سکتا ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ۔

''اے علی! اگر تیرے کردار اور عمل کے ذریعے دو افراد خیر کے راستے پر چلیں تو تیری نجات کی ضمانت فراہم کی جاسکتی ہے۔''

اللہ رب العزت کے نزدیک فلاح کے راستے پر چلنے والے لوگ وہ ہیں جو نیکی کرتے ہیں اور برائی سے بچتے ہیں اور پھر لوگوں کو نیکی کی بات کرتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔

شاہینہ یوسف، عمرکوٹ

نکاح

حضرت ابو طلحہؓ نے اسلام لانے سے پہلے ام سلیمؓ کو نکاح کا پیغام دیا، ام سلیمؓ نے کہلوا دیا۔

''میں مسلمان ہو چکی ہوں اور تم کافر، میرا تمہارا نکاح ممکن نہیں، ہاں اگر تم اسلام لے آؤ تو ٹھیک ہے۔''

حضرت ابو طلحہؓ اسلام لے آئے، جب مہر مقرر ہونے لگا تو ام سلیمؓ نے فرمایا۔

''ابو طلحہؓ کا قبول اسلام ہی میرا مہر ہے۔''

آنحضرتؐ نے فرمایا۔

''آج تک کوئی عورت ام سلیمؓ سے بہتر مہر مقرر نہیں کرا سکی۔''

افشاں زینب، شیخوپورہ

بڑے لوگ بڑی باتیں

O ظالم کی موت پر ملول ہونا ظلم میں شامل ہے۔ (غزالی)

O اگر تم ہنستے ہو تو تمام دنیا تمہارے ساتھ ہنسے گی، لیکن اگر روتے ہو تو اکیلے روؤ گے۔ (بیکن)

O برے کام اس لئے مضر نہیں کہ وہ ممنوع ہیں، بلکہ ممنوع اس لئے ہیں کہ وہ مضر ہیں۔ (فرینکلن)

O بھیڑ اور بھیڑیا اسی حالت میں اکٹھے رہ سکتے ہیں کہ جب بھیڑ بھیڑیے کے پیٹ میں سما جائے۔

O لوہے کا کلہاڑا لکڑی کے جنگل سے ایک چھلکا تک نہیں اتار سکتا، جب تک اس کے ساتھ خود لکڑی کا دستہ شامل نہ ہو۔ (لقمان)

O قسمت ایک بازار ہے جہاں کچھ دیر ٹھہرنے سے بھاؤ گر جاتا ہے۔ (بیکن)

O محبت کے معاملے میں ہم سب یکساں بے وقوف ہیں۔ (گوئٹے)

O موجودہ نظام میں اپنے پڑوسی کی جیب خالی کیے بغیر کوئی شخص اپنی جیب نہیں بھر سکتا۔ (ٹالسٹائی)

O مستقبل کی لگام ہمارے ہاتھ میں ہوتی ہے، لیکن ہماری لگام مستقبل کے ہاتھ میں نہیں۔ (مارکس)

O جب ہم میں سے شہرت اور دولت کی ہوس ختم ہو جائے گی ہم بہتر انسان بن جائیں گے۔ (لارنس)

O آزمائش ایک شرف ہے جس سے بندگان حق نوازے جاتے ہیں۔ (امام جعفر صادقؒ)

O نفس سے بڑھ کر منہ زور اور بدلگام کوئی جانور نہیں۔ (حسن بصریؒ)

ماریہ عثمان، سرگودھا

کامیابی کی زندگی

☆ باطل ہیں وہ تمام اعتقادات اور تعلیمات جو انسان کو اس کی زندگی میں بد قسمت بنائے اور جھوٹے ہیں وہ سارے جذبے جو اسے مایوسی اور بدبختی کی طرف لے جائیں، انسان کا حق ہے کہ وہ زمین پر کامیابی کی زندگی بسر کرے۔
(خلیل جبران)

ماروح آصف، خانیوال

بڑے لوگوں کی بڑی باتیں

☆ حسن ایک تنہائی کی سلطنت ہے، جسے وہ جاہ وحشم کی ضرورت نہیں۔
(بوعلی سینا)

☆ دنیا میں اس سے زیادہ کوئی چیز سخت نہیں کہ تمہاری کسی سے دشمنی ہو۔
(ابوالحسن)

☆ جو عقل مند سے لڑے وہ عزت کی توقع نہ رکھے۔
(سعدی)

☆ قیمتی مشورے محض قیمت وصول کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور صحیح مشورے ناراضی مول لینے کے لئے۔
(جارج سنتیانہ)

☆ اپنے خیالات کو اپنا جیل خانہ نہ بناؤ۔
(شیکسپیئر)

☆ طنز وہ آئینہ ہے جس میں دیکھنے والا اپنے سوا ہر کسی کے چہرے کو دیکھتا ہے۔
(سوئفٹ)

☆ وہ آدمی عظیم ہے جو اپنا کام چلانے کے لئے دوسروں کے دماغوں سے استفادہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
(پیاٹ)

☆ ذہانت گفتگو کا نمک ہے۔
(ہیزلیٹ)

☆ بے محل ہنسنا، غیر ضروری گفتگو کرنا اور غلط جگہ بیٹھنا بے وقوفی ہے۔
(بیومانٹ)

☆ نیک وہ عمل ہے جو لوگوں سے بے نیاز ہو کر کیا جائے۔

صائمہ ابراہیم، فیصل آباد

اچھی بات

☆ میں اور میرا خدا روز بھول جاتے ہیں، میں اس کی عطاؤں کو، وہ میری خطاؤں کو۔

☆ خوابوں کو اپنے اندر زندہ رکھو لیکن خوابوں میں زندہ مت رہو۔

☆ اگر اچھی بات تمہارے دشمن میں بھی ہو تو اسے قبول کرنے سے دریغ نہ کرو۔

☆ دل ایک آئینہ ہے اور اگر یہ بدی سے پاک ہو تو اس میں خدا بھی نظر آتا ہے۔

نورین شاہد، رحیم یار خان

بولتے لفظوں کی صداقت

O جو شخص تمہیں دوسروں سے بدگمان کرے اس سے بچو کہ وہ انسان کے روپ میں شیطان ہے۔

O دروازے ہمیشہ کھلے رکھو کیونکہ بعض لوگ دستکوں کے قائل نہیں ہوتے۔

O اہم ہونا خوبصورت ہے، خوبصورت ہونا اہم نہیں۔

O وہ مسکراہٹ بڑی مقدس ہوتی ہے جب کسی کی یاد آئے تو دل روئے جب لب مسکرا دیں کاش کوئی دیکھے کہ اتنی سی مسکراہٹ کے لئے انسان کتنی مرتبہ اندر سے ٹوٹ جاتا ہے۔

O محبت ہمیشہ اپنی گہرائیوں سے بے خبر اور نا

آشنا رہتی ہے جب تک کہ جدائی کے لمحے اسے بیدار نہیں کرتے۔

O اپنے دل کے اندر مر جانے سے بہتر ہے کہ کسی کے دل میں یاد بن کر ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جائے۔

O اگر زندگی آرام وسکون سے گزارنا چاہتے ہو تو دوسروں سے شکوہ نہ کرو۔

ثوبیہ نور العین رائے، پیر علی

فرض شناس

غیر یقینی صورت حال کے پیش نظر، سنگین خان کو مسجد کے دروازے پہ چیکنگ کے لئے سیکورٹی گارڈ کی ڈیوٹی دی گئی، جمعہ کے وقت سب لوگ بغیر چیکنگ کے مسجد میں داخل ہو رہے تھے، ایک بزرگ نمازی نے سنگین خان کو اطمینان سے بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔

''سب لوگ ایسے ہی گزر رہے ہیں، چیک کیوں نہیں کر رہے ہو؟''

''واپسی پہ کر لوں گا۔'' سنگین خان نے سکون سے جواب دیا۔

وفا عبدالرحمان، راولپنڈی

ان میں ایک

لڑکی نے لڑکے کو فون کیا۔

''آج رات ہمارے ہاں مت آنا، ابو کو معلوم ہو گیا ہے کہ رات کو ہم نے ان کی کار استعمال کی تھی اور وہ غصے میں پاگل ہوئے جا رہے ہیں۔''

''انہیں کیسے معلوم ہوا؟''

''ہم نے جن درجن بھر لوگوں کو ٹکر ماری تھی وہ ان میں سے ایک ہیں۔''

سدرہ نعیم، شیخوپورہ

وقت گزر جائے گا

دیکھو وقت گزر جائے گا
تم نے جس سے
جو کچھ بھی کہنا ہے کہہ لو
یوں نہ ہو کہ
اب کے جو تم بچھڑو تو کچھ ایسے بچھڑو
جیسے دو انجان مسافر
اک انجانے اسٹیشن پر
اک دوجے سے مل کر بچھڑیں اور کھو جائیں
تم کیا اک ٹیبل پر بیٹھے سوچ رہے ہو؟
دیکھو!
وقت گزر جائے گا

زاہدہ اظہر، حافظ آباد

یاد ماضی

نہ فکر فردا نہ یاد ماضی
نہ چین دل کو، نہ بے قراری
نہ وصل کی لرزشیں نظر میں
نہ بے بسی ہجر کے سمے کی
نہ حد سے گزرا ہوا جنوں وہ
نہ بے کلی وہ پہلے جیسی
بس اک اداسی ہے دھیمی دھیمی
بس اک خوشی ہے بیکراں سی
بس اک بے نام سی جلن ہے
بس اک بے نام سی تھکن ہے
جو زندگی کے ادھورے پن کو
حدوں سے آگے بڑھا رہی ہے

فضہ بخاری، رحیم یار خان

انمول لفظوں کی مالا

O یہ دنیا مکافات عمل کا نام ہے آج کسی کی راہ میں تم پتھر رکھو گے تو آنے والا وقت تمہاری راہ میں پہاڑ بن جائے گا۔

O خاموشی ایسے پردے کا نام ہے جس کے پیچھے لیاقت بھی ہو سکتی ہے اور حماقت بھی ہو سکتی ہے۔

O وہ بات اکثر بہت انمول ہوتی ہے جس میں الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں۔

O ادب بہترین کمال اور خیرات افضل ترین عبادت ہے۔

O سخاوت کرنے کے ساتھ احسان جتانا کمینہ پن ہے۔

O احساس کم تری اور احساس برتری میں مبتلا انسان کبھی بھی کامیاب نہیں ہوتا۔

O جب دشمن پہ غلبہ پالو تو اسے معاف کر دو۔

O دنیا میں آنکھ والا وہ ہے، جو پہلے اپنے آپ کو غور سے دیکھے۔

O مسکراتے رہو، مسکراہٹ ہماری روح کا دروازہ کھول دیتی ہے۔

حنا زبیر احمد، بہاولپور

لفظوں کے موتی

O وقت اور نصیب کسی لمحے بھی کسی کو زیر کر سکتا ہے۔

☆ کسی کو بھی معلوم نہیں، اس کا اگلا شکار کون ہو گا۔

O جب آپ پہلا قدم اٹھا لیتے ہیں، تہیہ کر لیتے ہیں، تو پھر واپسی نہیں ہوتی، گھڑا بے شک کچا ہو پھر بھی پار پہنچا دیتا ہے۔

☆ موت ایک بہت بڑے صبر کی مالک ہے اور وہ کبھی بے صبری نہیں ہوتی۔

O وقت ہر تصور کو بدل دیتا ہے، اس کے کونے مڑ جاتے ہیں۔

☆ اور رنگ بھورے ہونے لگتے ہیں، وقت ڈھلوان پر لڑھکتی جیپ کی طرح اتنی تیزی سے گزر جاتا ہے کہ نظروں اور چہروں کے رنگ بدل جاتے ہیں۔

O ہمت بھی عجیب پھولے ہوئے غبارے جیسی ہوتی ہے، ذرا نا موافق بات کو سوئی چبھی، شکل ہی نہیں حالت اور حالات تک بدل دیتی ہے۔

اُم رباب، ساہیوال

جب برائی زیادہ ہو جائے

اُم المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیند سے جاگے اور فرمایا۔

''لا الہ الا اللہ، خرابی ہے عرب کی اس آفت سے جو نزدیک ہے، آج یاجوج اور ماجوج کی آڑ اتنی کھل گئی۔'' (یعنی انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی سے حلقہ بنایا)

میں نے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہم تباہ ہو جائیں گے، ایسی حالت میں جب ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ہاں، جب برائی زیادہ ہو گی۔'' (یعنی فسق و فجور یا زنا یا اولاد زنا یا معاصی) (صحیح بخاری)

نعیمہ بخاری، اٹک

روشن حرف وہ سارے

☆ زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پرکھنا اور لوگوں پر اعتبار کرنا محض اس لئے نہ چھوڑ دیں کہ ان میں سے کچھ نے آپ کو مایوس کیا ہے، کوئی نہ کوئی شخص اور کوئی نہ کوئی پہلو آپ کا ضرور ہے۔

☆ جب آپ پہلا قدم اٹھا لیتے ہیں، تہیہ کر لیتے ہیں تو پھر واپسی نہیں ہوتی، گھڑا چاہے کچا ہو پھر بھی پار پہنچا دیتا ہے۔

☆ ادب بہترین کمال اور خیرات افضل ترین عبادت ہے۔

☆☆☆

● تسنیم طاہر ●

وفا عبدالرحمان ---- روالپنڈی
تیری یاد اور برف باری کا موسم
سلگتا رہا دل کے اندر اکیلے
ارادہ تھا جی لوں گا تجھ سے بچھڑ کر
گزرتا نہیں دسمبر اکیلے

....

ہمیں تو بس یہ پتا ہے کہ جس شب مجھے چھوڑ کر تم چلے گئے
آسمانوں سے شعلہ نکلتا رہا چاند جلتا رہا
وہ دسمبر کہ جس میں کڑی دھوپ بھی میٹھی لگنے لگی
تم نہیں تو دسمبر سلگتا رہا چاند جلتا رہا

....

گزرے لمحوں کو بھلانے میں کچھ وقت لگے گا
اپنی ذات سے باہر نکلنے میں کچھ وقت لگے گا
سدرہ نعیم ---- شیخوپورہ
ٹوٹ جاتے ہیں سبھی رشتے مگر
دل سے دل کا رابطہ اپنی جگہ
دل کو ہے تجھ سے نہ ملنے کا یقین
تجھ کو پانے کی دعا اپنی جگہ

....

پچھلے برس تھا خوف تجھے کھو نہ دوں کہیں
اب کے برس دعا ہے تیرا سامنا نہ ہو

....

میں کیا چنتی تھی شب و روز محبت کے گلاب
مجھ کو معلوم نہ تھا درد کسے کہتے ہیں
زاہدہ اظہر ---- حافظ آباد
اس دل کے بہلنے کو یہ سامان بہت ہے
وہ اپنی جفاؤں پہ پشیمان بہت ہے

اب کے بھی اجڑ جائیں گے بستی کے کئی گھر
اس سال بھی برسات کا امکان بہت ہے

....

یہ ہی نہیں ہے کہ ہمیں توڑ کر گیا ہے کوئی
اسے بھی خود کو بہت دیر جوڑنا ہو گا

....

دوسروں کے سپرد کر کے اسے
خود کو دھوکا دیا تھا خود میں نے
کس قدر یادگار لمحہ تھا
اس کو رخصت کیا تھا خود میں نے
فضہ بخاری ---- رحیم یار خان
دکھ ہزاروں دیے ہیں گئے سال نے
دیکھو دینا ہے کیا اس نئے سال نے

....

سانحہ ایک ہو تو بتلائیں
اس کو کھونے کا اس کو رونے کا
بس یہی زندگی کا حاصل ہے
ایک احساس اپنے ہونے کا

....

ایک تیری تمنا نے کچھ ایسا نوازا ہے
مانگی ہی نہیں جاتی اب کوئی دعا ہم سے
حنا زبیر احمد ---- بہاولپور
اس ایک سال میں کیا کیا نہ ہوا عادل
کچھ الفتیں بھی ملیں، کچھ الفتیں بھی گئیں

....

پھر وہی وعدہ جو اقرار نہ بننے پایا
پھر وہی بات جو اثبات نہ ہونے پائی

....

بستی بھی سمندر بھی بیاباں بھی مرا ہے
آنکھیں بھی مری خواب پریشاں بھی مرا ہے
جو ڈوبتی جاتی ہے وہ کشتی بھی ہے مری
جو ٹوٹتا جاتا ہے وہ پیماں بھی مرا ہے
اُم رباب ---- ساہیوال
درد کچھ اور عطا کر کہ ترے درد نواز
یہ سخاوت ترے معیار سے کم جانتے ہیں
ہم کہ کھلتے تھے کبھی ضبط جنوں کی رت میں
حرف شیریں کو بھی اب قطرہ سم جانتے ہیں

....

شبنم کے آنسو پھول پر یہ تو وہی قصہ ہوا
آنکھیں میری بھیگی ہوئی چہرہ تیرا اترا ہوا
برسات میں دیوار و در کی ساری تحریریں مٹیں
دھویا بہت مٹتا نہیں تقدیر کا لکھا ہوا

....

دیتے ہیں اجالے مرے سجدوں کی گواہی
میں چھپ کے اندھیروں میں عبادت نہیں کرتا
دنیا میں قتیل اس سا منافق نہیں کوئی
جو ظلم تو سہتا ہے بغاوت نہیں کرتا
نعیمہ بخاری ---- اٹک
خود نمائی تو نہیں شیوہ ارباب وفا
جن کو جلنا ہو وہ آرام سے جل جاتے ہیں

....

فلسفہ عشق میں پیش آئے سوالوں کی طرح
ہم پریشان ہی رہے اپنے خیالوں کی طرح
ذکر جب ہو گا محبت میں تباہی کا کہیں
یاد ہم آئیں گے دنیا کو حوالوں کی طرح

....

جستجو میں تری پھرتا ہوں نجانے کب سے
آبلہ پا ہیں مرے ساتھ زمانے کب سے
نعمتیں ہیں نہ عذابوں کا سلسلہ اب تو
مجھ سے رخ پھیر لیا خدا نے کب سے
ثمرین زاہرہ ---- خان پور
میری تکمیل میں حصہ ہے اس کا بھی فراز
میں اگر اس سے نہ ملتا تو ادھورا رہتا

....

کبھی نہ ٹوٹنے والا حصار بن جاؤں
وہ میری ذات میں رہنے کا فیصلہ تو کرے

....

جستجو میں تیری پھرتا ہوں نجانے کب سے
آبلہ پا ہیں میرے ساتھ زمانے کب سے
وہ تو جنگل سے ہواؤں کو چرا لاتا ہے
اس نے سیکھے ہیں دیے گھر میں جلانے کب سے
نمرہ سعید ---- اوکاڑہ
یہ سوچ کر کہ نہ ہو تاک میں خوشی کوئی
غموں کی اوٹ میں خود کو چھپا لیا میں نے
کسی کی آس تو مجھ کو رہی سو میں تڑپا
شب فراق بتا تیرا کیا لیا میں نے

....

بات تو کچھ نہیں تھی لیکن اس کا ایک دم
بات کو ہونٹوں پر رکھ کر روکنا اچھا لگا

....

مجھ سے بچھڑا تھا وہ پہلے بھی مگر
اب کے یہ زخم نیا ہو جیسے
یوں بہت ہنس کے ملا تھا لیکن
دل ہی دل میں خفا ہو جیسے
طاہرہ رحمان ---- بہاولنگر
اپنی زندگی بھی اس چاند کی طرح سے وصی
جو خوبصورت تو دکھتا ہے مگر ہے بہت اکیلا

....

کس طرح نبھے اپنی شہریار سے محسن
اس کا ہم نشیں سایہ میرا ہم سفر سورج

....

الجھیں گے ابھی کئی بار لفظ سے مفہوم
سادہ ہے بہت وہ نہ میں آسان بہت ہوں
عمرانہ علی ---- حاصل پور
نیند تو آنے کو تھی پر دل پرانے قصے لے بیٹھا
اب خود کو بے وقت سلانے میں کچھ وقت لگے گا

....

زندگی کیسے بسر ہو گی ہم کو تابش
صبر آتا ہے نہ آشفتہ سری آتی ہے

....

اسے تشبیہ کا دوں آسرا کیا
وہ خود ایک چاند ہے پھر چاند سا گیا
بہت نزدیک آتے جا رہے ہو
بچھڑنے کا ارادہ کر لیا کیا
عظمیٰ جبیں ---- لیہ
یہ ضد ہے ہماری کہ اسے چھین لیں سب سے
ہم اور زمانے سے تقاضا نہیں کرتے
گوشہ تنہائی میں رو لیتے ہیں اکثر
ہم شہر کی گلیوں میں تماشا نہیں کرتے

....

ہم نے اپنی اداسی کا اس طرح بھرم رکھا
رابطے کم کر دیے مغرور کہلانے لگے

....

محور سوچ دونوں کا ایک ہی ہے
مجھے اس سے اور اسے خود سے فرصت نہیں ملتی
وردہ منیر ---- لاہور
ڈھلنے لگی تھی رات کہ تم یاد آ گئے
پھر اس کے بعد رات بہت دیر تک رہی

....

بہت امید رکھنا اور پھر بے آس ہونا بھی
بشر کو مار دیتا ہے بہت حساس ہونا بھی

....

عشق ہے اپنے اصولوں پہ ازل سے قائم
امتحاں جس کا بھی لیتا ہے رعایت نہیں کرتا
ثمرہ شیرازی ---- چونکی
محبت کے سفر میں دل جلا کر چین ملتا ہے
تمہارے درد کی محفل سجا کر چین ملتا ہے
کبھی احساس ہوتا ہے بہاروں کے اجڑنے کا
کبھی سوکھے ہوئے پتے اٹھا کر چین ملتا ہے

....

تیر کھائے ہیں ہم نے اپنوں سے
یہ کرم خیر خواہ کرتے رہے
اپنا سمجھا تھا ہم نے جن کو قدیر
وہ ستم بے پناہ کرتے رہے

....

تجھ سا کوئی آیا ہے نہ آئے گا جہاں میں
دیتا ہے گواہی یہی عالم کا جریدہ
حفصہ حماد ---- کراچی
یوں ذہن میں جمال رسالت سما گیا
میرا جہاں فکر و نظر سما گیا
اس کے قدم سے پھوٹ پڑا چشمہ بہار
وہ دشت زندگی کو گلستاں بنا گیا

....

میں کرب کے تپتے ہوئے صحرا میں کھڑا ہوں
آقا تیری رحمت کو دیکھ رہا ہوں
گو مجھ کو عقیدت کے سلیقہ تو نہیں ہے
اتنا ہی کافی ہے تیرے در پہ کھڑا ہوں

....

یہ آسمان محبت یہ کیسی رونق ہے
چمکتا عشق محمدؐ میں ہر ستارا ہے
مصباح فیصل ---- کوہاٹ
کون اجڑا ہوگا بھری دنیا میں ہماری طرح محسن
وہ بھی نہ ملا ہم کو اور ہم خود کو بھی گنوا بیٹھے

....

تیرے قریب رہ کر تجھے تلاش کروں
محبتوں میں میری بد حواسیاں نہ گئیں

....

ہیں دفن مجھ میں میری کتنی رونقیں مت پوچھ
اجڑ اجڑ کر جو بستا رہا وہ شہر ہوں میں
عائشہ شہباز ---- لاہور
مغرور ہی سہی مجھے وہ اچھا بہت لگا
وہ اجنبی تو تھا مگر اپنا بہت لگا
روٹھا ہوا تھا ہنس تو پڑا مجھے دیکھ کر
مجھ کو اس قدر بھی دلاسا بہت لگا

....

باقی ہیں تیری یاد کے کچھ نقش ابھی تک
دل بے سرو سامان سہی ویران تو نہیں

....

نہ وہ آنکھ ہی تیر آنکھ تھی
نہ وہ خواب ہی تیرا خواب تھا
دل منتظر تو پھر کس لئے
تیرا جاگنا اسے بھول جا
نسرین خورشید ---- جہلم
وہ بساط جاں ہی الٹ گیا
وہ جو راستے سے پلٹ گیا
اسے پکارنے سے حصول کیا
اسے مت بلا اسے بھول جا

....

نہیں نگاہ میں منزل تو جستجو ہی سہی
نہیں وصال میسر تو آرزو ہی سہی
نہ تن میں خون فراہم نہ اشک آنکھوں میں
نماز شوق تو واجب ہے بے وضو ہی سہی

....

سوچا کیسے کہ ٹوٹ نہ جائے کسی کا دل
گزری ہے اپنی عمر اسی دیکھ بھال میں
خالد وہ بات تو اسے یاد تھی نہیں
ہم جی کو خوں کر گئے جس کے ملال میں
صائمہ مظہر ---- حیدر آباد
عمر بھر کی ہیں مسافتیں یہ دوریاں یہ فاصلے
تم چاہو تو کچھ عجب نہیں یہ پل میں سر ہو جائیں
میں کاٹ سکوں گا تنہا نہ تم کاٹ سکو گے
یہ زیست کے کٹھن راستے ہمسفر ہو جائیں

....

جاگا نہیں گیا کبھی سویا نہیں گیا
ہم سے حساب ہجر بھی نہیں رکھا گیا
اک عمر جن پہ جاں کو نچھاور کیے رہے
ان سے ہمارا حال بھی پوچھا نہیں گیا

....

تمہاری یادیں کسی مفلس کی پونجی جیسی
جسے ہم ساتھ رکھتے ہیں جسے ہم روز گنتے ہیں
نورین شاہد ---- رحیم یار خان
پیاس ایسی کہ پی جاؤں سمندر سارا
نصیب ایسا کہ میسر زہر بھی نہیں

....

گرتے رہے سجدوں میں اپنی حسرتوں کی خاطر
اگر عشق خدا میں گرے ہوتے تو کوئی حسرت باقی نہ رہتی

....

تمنا دید کی موسیٰ کرے اور طور جل جائے
عجب دستور الفت ہے کرے کوئی بھرے کوئی
ایمان علی ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ
سوچتا ہوں کبھی تیرے دل میں اتر کر دیکھ لوں
کون بسا ہے تیرے دل میں جو مجھے بسنے نہیں دیتا

....

سدا رہے جکڑے قسمت کی جو زنجیروں میں
ہمارا نام بھی شامل ہے ان اسیروں میں
وہ جس کے ساتھ کی خواہش اڑان بھرتی ہے
اسی کا نام نہیں ہاتھ کی لکیروں میں

☆☆☆

بلقیس بھٹی

اشتہار

ہیر نکلی جس گھڑی رانجھے کے سنگ
اس کا ماما آن ٹپکا خوامخواہ
چل رہے تھے اشتہار اچھے بھلے
اک ڈراما آن ٹپکا خواہ مخواہ

ثمرین زاہرہ، خان پور

حسن کارکردگی

پولیس کے پاس ایک لاپتہ ملزم کے چھ مختلف فوٹو تھے، جو مختلف زاویوں سے کھینچے گئے تھے، پولیس نے ملزم کی تلاش میں ان تصویروں کی نقلیں صوبے کے تمام تھانوں کو بھیج دیں، تاکہ ملزم پکڑا جا سکے اور پہچاننے میں آسانی ہو، کچھ دن کے بعد ایک تھانے سے اطلاع موصول ہوئی، چھ ملزموں کی تصویریں مل گئیں، ان میں سے پانچ کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور ایک کی تلاش جاری ہے۔

نمرہ سعید، اوکاڑہ

کارگر نسخہ

ایک فرم کے مالک کو انتہائی سخت الفاظ پر مبنی دوسرا نوٹس موصول ہوا، جس میں اسے بتایا گیا کہ ٹیکس ادا نہیں کیا تو اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی فرم کا مالک گھبرایا ہوا ٹیکس آفس پہنچا، ٹیکس جمع کروایا اور اس نے معذرت کی کہ پہلا نوٹس کہیں گم ہو گیا تھا۔

ٹیکس آفیسر نے بتایا۔

''ہم پہلا نوٹس بھیجتے ہی نہیں ہیں، ہمارا تجربہ ہے کہ دوسرا نوٹس دینا موثر ہوتا ہے۔''

طاہرہ رحمان، بہاولپور

منزل

نیا نیا دولت مند ہونے والا ایک شخص ایک ٹریول ایجنسی کے دفتر پہنچا اور نوٹوں کی ایک گڈی کاؤنٹر پر پھینک کر بولا۔

''جلدی سے ایک ٹکٹ بنادو۔''

''کہاں کا جناب؟'' بکنگ کلرک نے دریافت کیا۔

''کہیں کا بھی بنادو میرا کاروبار ہر جگہ پھیلا ہوا ہے۔'' نودولیتے نے جواب دیا۔

عرانہ علی، حاصل پور

برطرفی لا

باس نے نوجوان کلرک کو بلایا اور کہا۔

''میں نے سنا ہے کہ تم بہت زیادہ محنت سے کام کر رہے ہو بلا معاوضہ اوور ٹائم لگانا پڑے تو بھی انکار نہیں کرتے ہر شعبے میں ضرورت پر کام سنبھال لیتے ہو۔''

''جی سر!'' نوجوان کا چہرہ دمکنے لگا۔

''ان ہی وجوہات کی بنا پر میں تمہیں ملازمت سے برطرف کر رہا ہوں وہ تم ہی جیسے لوگ ہوتے ہیں جو یہاں سے کچھ سیکھتے ہیں اور پھر جا کر مقابلے پر کاروبار شروع کر دیتے ہیں۔''

عظمیٰ جبیں، لیہ

شیطان کی ریٹائرمنٹ

آج کل یہ خبر سننے میں آئی ہے کہ ہمارے سب سے بڑے لیڈر شیطان صاحب ریٹائر ہو رہے ہیں ہمارا خیال ہے کہ یہ خبر کسی دشمن نے پھیلائی ہو گی بہر حال اس خبر پر فارغ التحصیل نوجوان خوش نظر آ رہے ہیں، وجہ پوچھیں تو کہتے ہیں۔

''ریٹائرمنٹ سے آسامی تو خالی ہو گی شیطان کی ریٹائرمنٹ کا سن کر اپنی ذمہ داری کا احساس ہونے لگا ہے۔''

''شیطان دیکھنے میں کیسا ہے؟'' ایک بار ہم نے مولوی صاحب سے پوچھا تو جواب دینے کے بجائے ہمارا منہ دیکھنے لگے، وہ شخص جسے سب برا کہیں...... اس کا برا ہونا بھی مشکوک ہو جاتا ہے، شیطان کو پہلے اچھے، برا کہتے تھے، اب برے، برا کہنے لگے ہیں پہلے اس نے شیطان بننے کے لئے انسان کو سجدہ نہیں کیا اب اسے شیطان رہنے کے لئے انسان کو سجدہ کرنا پڑتا ہے جہاں موسیقی ہوتی ہے وہاں شیطان نہیں ہوتا، شاید وجہ یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہاں میرے بغیر بھی کام چل رہا ہے، ویسے بھی رمضان المبارک میں اسے ایک ماہ کے لئے قید کر دیا جاتا ہے تو ہم اس کے بغیر ہی سارے کام چلا لیتے ہیں۔

(ڈاکٹر یونس بٹ کی کتاب ''عکس بر عکس'' سے)

وردہ منیر، لاہور

دولت اڑتی ہے

ایک کاروباری آدمی اپنے دوست سے کہہ رہا تھا۔

''میں اس کمپنی کی سالانہ رپورٹ پڑھ رہا تھا جس میں میرا بھی شیئر تھا ایک جگہ اس رپورٹ میں لکھا تھا دولت اڑتی ہے، تین لاکھ ڈالر اڑ گئے میں نے بورڈ کے چیئر مین کو خط لکھا کہ آئندہ رپورٹ میں تصحیح کر لی جائے کہ دولت اڑتی نہیں، بہتی ہے اور تین لاکھ ڈالر بہہ گئے۔'' یہ کہتے کہتے اس کا لہجہ دردناک ہو گیا۔

''پھر کیا ہوا؟'' دوست نے اشتیاق سے پوچھا۔

''میرا خیال تھا اس سلسلے میں اکاؤنٹینٹ کی غلطی تسلیم کر لی جائے گی لیکن چیئر مین کا جواب آیا دولت واقعی اڑتی ہے؟ جناب آج کل ہمارا اکاؤنٹینٹ بیرون ملک میں ہے۔''

ثمرہ شیرازی، پتوکی

چار دن کی چاندنی

ایک آدمی کی شادی کو چند روز ہی ہوئے تھے وہ سسرال والوں کے حسن وسلوک اور خاطر مدارات سے اتنا متاثر ہوا کہ اپنے سسرال کے مکان کے مین گیٹ پر ایک تختی لگا دی جس پر لکھا تھا۔

''سسرال جنت ہے۔''

اسی گھر کے دوسرے داماد نے جس کی شادی کو کچھ عرصہ گزر چکا تھا، اس تحریر کے نیچے لکھ دیا۔

''چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات ہے۔''

حفصہ حماد، کراچی

فریاد

ایک صاحب ایک قبر کے پاس کھڑے رو رو کر کہہ رہے تھے۔

''تم تو چلے گئے ہو مگر میری زندگی کو خزاں بنا گئے۔''

ایک راہ گیر نے ان سے ہمدردی سے پوچھا۔

"اس قبر میں آپ کا کوئی عزیز، رشتے دار یا کوئی دوست دفن ہے۔"

ان صاحب نے جواب دیا۔

"جی نہیں! یہ میری بیوی کے پہلے شوہر کی قبر ہے۔"

مصباح فیصل، کوہاٹ

پریشانی

ایک سردار اکثر سوچ میں ڈوبا رہتا تھا ایک دن اس سے کسی نے پوچھا۔

"سردار جی! اتنے پریشان کیوں رہتے ہو اور کیا سوچتے رہتے ہو۔"

اس پر سردار نے جواب دیا۔

"یار یہ بڑی پریشانی کی بات ہے کہ میری بہن کے دو بھائی ہیں اور میرا صرف ایک بھائی ہے۔"

عائشہ شہباز، لاہور

تمہارے پیچھے

لڑکا:۔

"ہائے کیا کر رہی ہو؟"

لڑکی:۔

"میں بہت تھکی ہوئی ہوں آج بہت کام کیا ہے نماز پڑھ کر سونے جا رہی ہوں اور تم کیا کر رہے ہو؟"

لڑکا:۔

"میں ابھی پارک میں ہوں اور تمہارے پیچھے ہی کھڑا ہوں۔"

نورین شاہد، رحیم یار خان

ثبوت

تیز رفتاری کے جرم میں نثار صاحب کا چالان ہوا اور انہیں مجسٹریٹ صاحب کے سامنے پیش کیا گیا، انہوں نے صحت جرم سے انکار کرتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی میں تو صرف بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہا تھا۔"

"کیا ثبوت ہے اس بات کا؟" مجسٹریٹ نے دریافت کیا۔

"جناب والا! ثبوت کے طور پر صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ میں اس وقت اپنے سسرال جا رہا تھا۔"

نسرین خورشید، جہلم

غلط فہمی

ایک حسین وجمیل عورت اپنے ڈاکٹر کے پاس گئی، اس کی ایک آنکھ سوجی ہوئی تھی اور سر پر بھی بڑا سا گومڑا تھا، ڈاکٹر نے مرہم پٹی کے دوران چوٹوں کا سبب معلوم کیا تو خاتون نے جواب دیا۔

"یہ میرے شوہر کی عنایت ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔

"مگر میں نے تو سنا تھا کہ آپ کے شوہر تو شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں؟"

خاتون نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"جی! میں بھی اسی غلط فہمی کا شکار تھی۔"

صائمہ مظہر، حیدر آباد

اعتراف گناہ

تین خواتین گپ شپ کر رہی تھیں کہ سنجیدہ موضوعات بھی زیر بحث آ گئے، ایک خاتون بولیں۔

"آج کل زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، موت بالکل اچانک آ سکتی ہے، ہمیں کم از کم ایک دوسرے کے سامنے اپنی سب سے بڑی برائی یا گناہ کا اعتراف کر لینا چاہیے، ابتدا میں ہی کرتی

ہوں، میرا سب سے بڑا گناہ ہے کہ میں نے جو رفاہی تنظیم بنائی ہے اس کے تمام فنڈز خورد برد کر چکی ہوں۔"

دوسری خاتون نے جھجکتے ہوئے اعتراف کیا۔

"میرا گناہ یہ ہے کہ میں پچھلے چھ سال سے اپنے شوہر سے بے وفائی کر رہی ہوں۔"

تیسری خاتون بولیں۔

"مجھ میں سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ مجھے جس کا بھی راز معلوم ہو جاتا ہے، وہ میں ادھر اُدھر ضرور بتاتی پھرتی ہوں، اچھا اب میں چلتی ہوں۔"

ایمان علی، ٹوبہ ٹیک سنگھ

انتباہ

ایک شخص کی سائیکل چوری ہو گئی، وہ چوک میں آ کر اعلان کرنے لگا۔

"اگر میری سائیکل نہ ملی تو میں وہ ہی کروں گا جو میرے باپ نے کیا تھا۔"

چور بوکھلا گیا اور سائیکل چھوڑ کر فرار ہو گیا، سائیکل ملنے کے بعد لوگوں نے اس شخص سے پوچھا۔

"تمہارے باپ نے کیا کیا تھا؟"

وہ شخص بولا۔

"میرے باپ نے نئی سائیکل خرید لی تھی۔"

شاہدہ اسد، گوجرانوالہ

پھکی اور بٹ صاحب

بٹ صاحب شادی پہ گئے، کھانا زیادہ کھا لیا، حالت بری ہو گئی، باہر سڑک پہ لیٹ گئے، یار دوستوں نے کہا۔

"آئیں صاحب آپ کو گھر چھوڑ آئیں۔"

بٹ صاحب کراہتے ہوئے بولے۔

"مجھ سے چلا نہیں جاتا۔" یار اصرار کرنے لگا۔

"نہیں بٹ صاحب چلیے آپ کو پھکی کھلاتے ہیں، آپ کی طبیعت سنبھل جائے گی۔"

بٹ صاحب کراہتے ہوئے بولے۔

"اگر پھکی کی گنجائش ہوتی تو دو بوٹیاں اور نہ کھا لیتا۔"

صائمہ مشتاق، جڑانوالہ

غم

سردار شراب پیتے ہوئے بیوی سے۔

"تم کون ہو؟"

بیوی بولی۔

"پاگل ہو گئے ہو کیا، اپنی بیوی کو نہیں پہچانتے۔"

سردار نے کہا۔

"نشہ ہر غم کو بھلا دیتا ہے باجی۔"

رانیا سحر، ملتان

ہر جگہ

مکینک کے انٹرویو ہو رہے تھے، ایک سردار جی جب آئے تو ان سے پوچھا گیا۔

"پہلے یہ بتائیں کہ بجلی کی موٹر کیسے چلتی ہے۔"

سردار جی نے مسکرا کر کہا۔

"بہت آسان سوال ہے، بجلی کی موٹر تو ہر جگہ ایسے ہی چلتی ہے، گڑ...... گڑ...... گڑ۔"

حیدر رضا، جھنگ

☆☆☆

میری ڈائری سے

● صائمہ محمود ●

فاعذہ عبدالمنان: کی ڈائری سے ایک غزل
سرکتا جائے ہے رخ سے نقاب آہستہ آہستہ
نکلتا آ رہا ہے آفتاب آہستہ آہستہ
جوان ہونے لگے جب وہ تو ہم سے کرلیا پردہ
حیا یکلخت آئی اور شباب آہستہ آہستہ
شب فرقت کا جاگا ہوں فرشتو اب تو سونے دو
کبھی فرصت میں کر لینا حساب آہستہ آہستہ
سوال وصل پر ان کو عدو کا خوف ہے
دبے ہونٹوں سے دیتے ہیں جواب آہستہ آہستہ
وہ بے دردی سے سرکاٹے امیر اور میں کہوں ان سے
حضور آہستہ آہستہ ، جناب آہستہ آہستہ
عتیقہ منیر: کی ڈائری سے ایک نظم
آخر چند دن دسمبر کے
ہر برس ہی گراں گزرتے ہیں
خواہشوں کے نگار خانے سے
کیسے کیسے گماں گزرتے ہیں
رفتگاں کے بکھرے سایوں کی
ایک محفل سی دل میں بجتی ہے
کتنے نمبر پکارتے ہیں مجھے
جن سے مربوط بے نوا گھنٹی
اب فقط میرے دل میں بجتی ہے
کس کس پیارے پیارے
ناموں پر رینگتی بدنما سی لکیریں
میری آنکھوں میں پھیل جاتی ہیں
دوریاں دائرے بناتی ہیں
دھیان کی سیڑھیوں پر کیا کیا عکس
مشعلیں درد کی جلاتے ہیں
نام جو کٹ گئے ہیں ان کے حرف
ایسے کاغذ پر پھیل جاتے ہیں
حادثے کے مقام پر جیسے
خون سوکھتے نشانوں پر
چاک سے لائنیں لگاتے ہیں
پھر دسمبر کے آخری دن
ہر برس کی طرح اب کے بھی
ڈائری ایک سوال کرتی ہے
کیا خبر اس کے آگے تک
میرے ان بے چراغ صفحوں سے
کتنے ہی نام کٹ گئے ہوں گے
کتنے نمبر بکھر کے رستوں میں
گرد ماضی سے اٹ گئے ہوں گے
خاک کے ڈھیروں کے دامن میں
کتنے طوفان سمٹ گئے ہوں گے
ہر دسمبر میں سوچتا ہوں
ایک دن اس طرح بھی ہونا ہے
رنگ کو روشنی میں رکھی ہوئی
اپنے اپنے گھروں میں رکھی ہوئی
ڈائری دوست دیکھتے ہوں گے
ان آنکھوں کے خاک دانوں میں
اک صحرا سا پھیلتا ہوگا
اور کچھ بے نشان صفحوں سے
نام میرا بھی کٹ گیا ہوگا
صائمہ سلیم: کی ڈائری سے ایک غزل
نا ہم رہے نہ وہ خوابوں کی زندگی ہی رہی
گماں گماں ہی مہک خود کو ڈھونڈتی ہی رہی

حریم شوق کا عالم بتائیں کیا تم کو
حریم شوق میں بس شوق کی کمی ہی رہی
پس نگاہ و تغافل تھی اک نگاہ کہ تھی
جو دل کے چہرہ حسرت کی تازگی ہی رہی
بدل گیا سبھی کچھ اس دیار پاداش میں
گلی تھی جو تری جاں وہ تری گلی ہی رہی
تمام دل کے محلے اجڑ چکے تھے مگر
بہت دنوں تو ہنسی ہی رہی ، خوشی ہی رہی
سناؤں میں کیسے افسانہ خیال ملال
تیری کمی ہی رہی اور مری کمی ہی رہی
نازیہ جمال: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
"دسمبر سو گیا ہے"
اسے کہنا کتابوں میں رکھے سوکھے ہوئے کچھ پھول
اس کے لوٹ آنے کا یقیں اب تک دلاتے ہیں
اسے کہنا کہ اس کی جھیل سی آنکھیں کسی منظر پر چھا جائیں
تو سب منظر یونہی پھر بھیگ جاتے ہیں
اسے کہنا کہ ٹھنڈی برف پر کوئی کسی کے ساتھ چلتا ہے
تو قدموں کے نشاں پھر سے اسی کے لوٹ آنے کے ساتھ نشاں دل پر بناتے ہیں
اسے کہنا کہ اس کی بھیگتی آنکھوں کا وہ آنسو
ستارے کی طرح اب بھی ہمیں شب بھر جگاتا ہے
اسے کہنا کہ بارش کھڑکیوں پہ اس کے آنسو پینٹ کرتی ہے
اسی کا نام لکھتی ہے
اسے ہی گنگناتی ہے
اسے کہنا کہ خوشبو، چاندنی، تارے، صبا، رستے، گھٹا، کاجل
محبت، چاندنی، شبنم، ہوائیں، رات، دن، بادل،
سبھی ناراض ہیں ہم سے
اسے کہنا جدائی کے درختوں پر جو سوکھی ٹہنیاں ہیں
وہ ساری برف کی چادر میں کب کی ڈھک چکی ہیں
اور ان شاخوں پہ یادوں کے
جو پتے تھے سنہری ہو گئے ہیں
اسے کہنا دسمبر سو گیا ہے
اور یخ بستہ وہ بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے
اسے کہنا کہ لوٹ آئے
سمن رضا: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم
"دسمبر اب مت آنا"
دیکھ دسمبر اب مت آنا
میرے اندر کتنے صحرا پھیل چکے ہیں
تنہائی کی ریت نے میرے
سارے دریا پاٹ دیے ہیں
اب میں ہوں
اور میرے بنجر پن کو بوجھل تا ہے
دیکھ دسمبر
تیری برفاب شبوں میں
تیری بے خواب شبوں میں
خواب سویٹر کون بنے گا
روح کے اندر گرتی برفیں کون چنے گا
دیکھ دسمبر! اب مت آنا
اور اگر تو آئے بھی تو
اپنے دکھ کی برف پہن کر
دھوپ دیاروں پہن کر
مت جانا
دیکھ دسمبر!
اب مت آنا
شاہین سلیم: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
زندگی سے ڈرتے ہو
زندگی تو تم بھی ہو
زندگی تو ہم بھی ہیں

آدمی سے ڈرتے ہو
آدمی تو تم بھی ہو
آدمی تو ہم بھی ہیں
آدمی زباں بھی ہے
آدمی بیاں بھی ہے
اس سے تم نہیں ڈرتے
حرف اور معنی کے رشتہ ہائے آہنگ سے آدمی ہے
وابستہ
آدمی کے دامن سے آدمی ہے وابستہ
ان سے تم نہیں ڈرتے
ان کہی سے ڈرتے ہو
جو ابھی نہیں آئی
اس گھڑی سے ڈرتے ہو
اس گھڑی کی آمد کی آگہی سے ڈرتے ہو
تم مگر یہ کیا جانو
اب اگر نہیں ہلتے، ہاتھ جاگ اٹھتے ہیں
ہاتھ جاگ اٹھتے ہیں
روح کی زباں بن کر
راہ کا نشاں بن کر
روشنی سے ڈرتے ہو
روشنی تو تم بھی ہو
روشنی تو ہم بھی ہیں
شہر کی فصیلوں پر دیو کا جو سایہ تھا
پاک ہو گیا آخر خاک ہو گیا آخر
رات کا لبادہ بھی چاک ہو گیا آخر
اژدہام انساں سے فرد کی نوا آئی
ذات کی صدا آئی
راہ شوق سے جیسے راہ رو کا فوں لپکے
اک نیا جنون لپکے
آدمی چھلک اٹھے
آدمی ہنسے دیکھو
شہر بھی بسے دیکھو
تم ابھی سے ڈرتے ہو
ہاں ابھی تو تم بھی ہو
ہاں ابھی تو ہم بھی ہیں
تم ابھی سے ڈرتے ہو

ایمن عزیز: کی ڈائری سے ایک غزل

ہمارا یہ تم کو سلام آخری ہے
سنو آج تم سے کلام آخری ہے
اگر ہو سکے تو بھلا دینا ہم کو
یہی ایک چھوٹا سا کام آخری ہے
ابھی آرزوؤں کے صحرا میں پیاسے
مگر آنسوؤں کا یہ جام آخری ہے
مریض محبت کی اے چارہ سازو
تمہارے نگر میں یہ شام آخری ہے
ذرا دیر ٹھہرو قضا کے فرشتو!
لبوں پہ ہمارے پیام آخری ہے
کوئی مل سکے گا نہ امجد کے جیسا
ترے حسن کا یہ غلام آخری ہے

شگفتہ رحیم: کی ڈائری سے

ہم خوابوں کے بیوپاری تھے پر
اس میں ہوا نقصان بڑا
کچھ بخت میں ڈھیروں کا مالک تھی
کچھ اب کے غضب کا کال پڑا
کچھ راکھ لئے جھولی میں
اور سر پہ سیا ہو کار کھڑا
جب دھرتی صحرا صحرا تھی
ہم دریا دریا روئے تھے
جب ہاتھ کی ریکھائیں چپ تھیں
اور سر سنگیت میں کھوئے تھے
تب ہم نے جیون کھیتی میں
کچھ خواب انوکھے بوئے تھے
کچھ خواب سجل مسکانوں کے
کچھ بول بہت دیوانوں کے

کچھ بول بہت دیوانوں کے
کچھ الفاظ نہیں معانی نہ ملے
کچھ گیت شکستہ جانوں کے
کچھ پر پاگل پرانوں کے

نورین شاہد: کی ڈائری سے ایک نظم

آج روٹھا ہوا اک دوست بہت یاد آیا
اچھا گزرا ہوا کچھ وقت بہت یاد آیا
میری آنکھوں کے اک اشک پہ رونے والا
آج جب آنکھ یہ روئی تو بہت یاد آیا
جو میرے درد کو سینے میں چھپا لیتا تھا
آج جب دور ہوا مجھ کو تو بہت یاد آیا
جو میری آنکھوں میں کاجل کی طرح رہتا تھا
آج کاجل جو لگایا تو بہت یاد آیا

حمیرا رضا: کی ڈائری سے ایک غزل

پھر وہی میں ہوں، وہی درد کا صحرا یارو
تم سے بچھڑا ہوں تو دکھ پائے ہیں کیا کیا یارو
پیاس اتنی ہے کہ آنکھوں میں بیاباں چمکیں
دھوپ ایسی ہے کہ جیسے کوئی دریا یارو
یاد کرتی ہیں تمہیں آبلہ پائی کی رتیں
کس بیاباں میں ہو، میرے تنہا یارو
تم تو نزدیک رگ جاں سے تھے تمہیں کیا کہنا
میں نے دشمن کو بھی دشمن نہیں سمجھا یارو
آسماں گرد میں گم ہے کہ گھٹا چھائی ہے
کچھ بتاؤ کہ میرا شہر ہے پیاسا یارو
کیا کہوں کہ وہ گل ہے کہ شبنم غزل ہے کہ غزال
تم نے دیکھا ہی نہیں اس کا سراپا یارو
اس کے ہونٹوں کے تبسم میں تھی خوشبو کسی
ہم نے محسن کو بہت دیر میں سمجھا یارو

ماریہ عثمان: کی ڈائری سے ایک نظم

"جدائی"
ہم ملے تو
برسوں جدائی ملی
قسمت نے ہمیں پھر ملایا
تو سدا جدائی ملی
چلو آج مل کر مسکرائیں
اور کہیں
کہ ہم نے اک خوبصورت سا
سپنا دیکھا
صرف ایک سپنا دیکھا

ماروخ آصف: کی ڈائری سے ایک غزل

فرقت کے پڑے ہم پہ جو اثرات نہ پوچھو
جو کہنے سے قاصر ہوں وہی بات نہ پوچھو
کچھ رکھ لو بھرم میرا ندامت سے بچالو
یوں بزم میں مجھ سے مری اوقات نہ پوچھو
مر جائیں گے توہین محبت نہ کریں گے
کیا اہل وفا کی ہیں رسومات نہ پوچھو
وہ چاہے تو بے ساغر و مینا ہی پلا دے
یارو میرے ساقی کی کرامات نہ پوچھو
آنکھوں کے تو ساون کو سبھی دیکھ رہے ہیں
سینے میں ہے جو تندی برسات نہ پوچھو

صائمہ ابراہیم: کی ڈائری سے ایک نظم

"نیا سکھ"
اچھا ہے تم مجھے ملنے نہیں آتے
ٹھہرے ہوئے پانی میں کنکر نسبتاً کم ارتعاش پیدا
کرتا ہے
لیکن اس کی کاٹ کبھی بھی بڑے پتھر کم نہیں ہوتی
برف میں لگی
دھندلائی ہوئی نظریں کم چونکتی ہیں
میں نے جب سے تمہاری جدائی کی عادت میں
رہنا شروع کیا ہے
بہت سکھ میں ہوں
ہم لوگ نہ تھے ایسے
ہیں جیسے نظر آتے

☆☆☆

● عین غین ●

فوزیہ غزل ---- شیخوپورہ

س: باہر کا موسم اندر کے موسم سے کب ملتا ہے؟
ج: دل کی مراد بھر آنے پر۔
س: اگلے موسم بہار میں بھلا ہم کہاں ہوں گے؟
ج: ایک شخص کی لڑکی گھر سے بھاگ گئی، دوسرے دن وہ افسوس کرنے والے لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ ایک بات ہے کہ میری وہ لڑکی بڑی اللہ والی تھی بھاگنے سے ایک رات پہلے وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ ابا دو دن بعد ہمارے ہاں ایک شخص کم ہو جائے گا، اب تم؟
س: ہر شوہر کی بیوی اچھی لگتی ہے مگر دوسرے کی کیوں؟
ج: اسی کو تو کہتے ہیں کہ گھر کی مرغی دال برابر۔

ناعمہ عثمان ---- وہاڑی

س: آپ کو کبھی کسی نے دن میں تارے دکھائے؟
ج: کیوں تمہارا ارادہ ہے۔
س: اگر انسان ریموٹ کنٹرول سے چلنے لگیں تو؟
ج: لگیں تو کیا مطلب، ابھی بھی چلتے ہیں یقین نہیں آتا تو کسی بھی شوہر کو دیکھ لو۔
س: نفرت کی زمین پر بھی پیار لکھنے والے لوگ کیسے ہوتے ہیں؟
ج: اس دور میں تو پاگل ہی ہوتے ہیں۔
س: کس موسم کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے؟
ج: جس میں اندر اور باہر کا موسم یکساں خوشگوار ہو۔

وفا حیدر ---- سرگودھا

س: السلام علیکم! جناب کیا کر رہے ہیں؟
ج: آپ کے سوال پڑھ رہا ہوں۔
س: ہمیں تو حنا کی محفل سے محبت ہے اور آپ کو؟
ج: محفل والوں سے۔
س: کبھی غصہ آیا؟
ج: بے تکے سوال پڑھ کر۔
س: کس بات پر زیادہ غصہ آیا؟
ج: جس بات پر بھی غصہ آیا۔
س: زندگی میں کس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے؟
ج: براماں جاؤ گی پڑھ کر۔
س: کیا دوستی پیار ہے؟
ج: نہیں۔
س: کیا زندگی گزارنے کے لئے لو میرج ضروری ہے؟
ج: اچھے بچے ایسی باتیں نہیں سوچتے۔
س: میرے بی اے کے پیپرز ہونے والے ہیں، دعا کریں گے۔
ج: کس کے لئے؟ تمہارے لئے یا ممتحن کے لئے۔

رضا فاطمہ ---- سادھوکی

س: آداب عین غین جی کیسے مزاج ہیں؟
ج: اللہ کا شکر ہے۔
س: میرے بغیر کیسا رہا؟
ج: سچ سچ بتائیں، برا تو نہیں مانوں گی۔
س: عین غین جی نو مائنڈ بتائیں؟
ج: بہت سکون رہا۔

س: کیا کہہ رہے ہیں ادھر دیکھیں؟
ج: دیکھ تو رہا ہوں، میں ناک پر رومال رکھ لوں۔

ملک فیصل اقبال ---- پاکپتن شریف

س: محبت کیا صرف ایک بار ہوتی ہے؟
ج: جی ہاں بعد میں عادت بن جاتی ہے۔
س: مکمل تنہائی کسے اچھی لگتی ہے؟
ج: جسے محبت ہو گئی ہو۔
س: حسن کو چاند کیوں کہتے ہیں؟
ج: اس تک رسائی جو مشکل ہے۔
س: عام طور پر تو شادیاں ہوتی ہیں؟
ج: شادیاں عام طور پر ہی ہوتی ہیں۔
س: محبت کیا ہے؟
ج: کیا تمہیں نہیں معلوم۔
س: روشنی کیا ہے؟
ج: لو یہ بھی بتانا پڑے گا۔
س: محبت میں کامیابی کا راز؟
ج: محبت کیا ہے تمہیں معلوم نہیں اور کامیابی کا راز پوچھنے لگے ہو۔
س: کسی سے پیار ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: علاج اپنے ماں باپ کے پاس جا کر۔

سعدیہ اقبال ---- پاکپتن شریف

س: میری آنکھوں میں دیکھو؟
ج: تمہیں نیند آ رہی ہے۔
س: اپنوں کی جدائی کیوں برداشت نہیں ہوتی؟
ج: ان کی عادت سی جو ہو جاتی ہے۔
س: زندگی میں انسان کی ہار کب ہوتی ہے؟
ج: جب اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات ہو۔
س: انسان اپنی بے عزتی کب برداشت کر لیتا ہے؟
ج: جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔

رافعہ طارق ---- سکھر

س: ایک عورت کے لئے زندگی کا سب سے بھاری بوجھ کون سا ہوتا ہے؟
ج: جب تمہارے جیسے نکمے خاوند کا بوجھ اٹھانا پڑے۔
س: محبت کرنے کے لئے کیا چیز چاہیے؟
ج: دل۔
س: دنیا کی خوبصورت کیا چیز ہے؟
ج: دنیا خود بہت خوبصورت ہے۔
س: زندگی کی اداس راہوں میں؟
ج: خوشیاں بکھیر دو۔

عالیہ وحید ---- گکھڑ سٹی

س: آداب عین جی! تو پھر کیا اظہار ویلنٹائن پر؟ کیا تو کیا ملا؟
ج: روز۔
س: یوں زندگی کی راہ میں ٹکرا گیا کوئی، اب وہ بیچ راہ میں کہہ رہا ہے ہمیشہ کے لئے "گڈ بائے" اب میں کیا کروں؟
ج: راہ بدل لو۔
س: "گھٹیا" لفظ کا معنی تو لکھ دیں کہ کیا ہے؟
ج: لغت سے استفادہ کر لو۔
س: کیا اپنی محبت کو گھٹیا کہنے والے محبت کر سکتے ہیں کسی سے؟
ج: محبت کبھی گھٹیا نہیں ہوتی۔
س: کیا آپ نے کبھی کسی کی محبت کی توہین کی ہے؟
ج: نہیں۔
س: جب کوئی پیار سے بلائے گا...... تم کو......؟
ج: ایک شخص بہت یاد آئے گا۔

☆☆☆

افراح طارق

چائنیز سوپ

اشیاء

چکن	آدھا کلو
کارن فلور (مکئی کا آٹا)	چار کھانے کے چمچے
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	ایک عدد
انڈے (صرف سفیدی)	دو عدد
کالی مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
اجینوموتو	ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچ	دو عدد
سویا ساس	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

چکن کے پیس اچھی طرح دھولیں، ایک ساس پین میں چکن، باریک کٹی ہوئی پیاز، سیاہ مرچ، نمک اور پانی ڈال کر یخنی تیار کریں، گوشت گل جائے تو یخنی چھان کر الگ نکال لیں، ابلی ہوئی بوٹیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیں، ایک پیالی پانی میں کارن فلور کا آمیزہ اور چھوٹے چھوٹے گوشت کے ٹکڑے ڈال کر دھیمی آنچ پر چند منٹ تک پکائیں، جب سوپ آپ کی پسند کے مطابق گاڑھا ہوجائے تو انڈے کی سفیدی ملا دیں اور چمچہ سے سوپ میں خوب اچھی طرح مکس کریں، لیجئے سوپ تیار ہوا۔

ٹماٹو سیلڈ سوپ

اشیاء

گوشت	ایک پاؤ
یخنی	ایک کپ
ٹماٹر	چار عدد
سلاد	ایک پیالی
نمک، زیرہ، سیاہ مرچ	حسب ضرورت
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
ریڈ چلی ساس	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

گوشت کو ایک ساس پین میں پانی ڈال کر اتنا ابالیں کہ گوشت پوری طرح سے گل جائے، ابلتے ہوئے گوشت میں سے ایک کپ یخنی نکال کر الگ کرلیں پکتے ہوئے گوشت میں ٹماٹر کاٹ کر ڈال دیں اور مزید جوش آنے دیں، یخنی میں سرکہ، نمک اور سیاہ مرچ مکس کریں اور ساس پین میں ڈال دیں، ساتھ ہی سلاد بھی شامل کردیں، لیجئے سوپ تیار ہے سوپ نوش کرتے وقت ریڈ چلی ساس ملالیں، بے حد لذیز سوپ تیار ہوگا۔

چکن کارن سوپ

اشیاء

چکن	آدھا کلو گوشت
پیاز	ایک عدد
لہسن (پسا ہوا)	پانچ جوے
ادرک	آدھا کھانے کا چمچہ
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
انڈے	دو عدد
مکئی کے دانے پسے ہوئے	ایک پیالی
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
سیاہ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
چینی	ڈھائی چائے کا چمچہ
کوکنگ آئل	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

ساس پین میں دس کپ پانی ڈالیں اس میں چکن کی بوٹیاں، پیاز، لہسن، ادرک اور نمک ڈال کر چکن کو ابالیں یہاں تک کہ پانی چار کپ رہ جائے گوشت اور یخنی کو الگ الگ کرلیں اور گوشت کے ریشے بنالیں، ساس پین میں کوکنگ آئل ڈال کر گرم کریں اور مکئی کے پسے ہوئے دانے ڈال کر بھونیں پھر پانی ڈال کر کچھ دیر ان کو گلائیں مکئی کے دانے نرم پڑ جائیں تو یخنی، چینی، کالی مرچ اور گوشت کے ریشے ڈال کر دھیمی آنچ پر آدھ گھنٹہ تک پکائیں، کارن فلور کو ہلکا سا بھون کر شامل کردیں، سوپ گاڑھا ہونے لگے تو انڈوں کی سفیدی پھینٹ کر ملادیں، بہترین مزیدار سوپ تیار ہوگا۔

چکن کارن سوپ اور چلی ساس

اشیاء

چکن ابلا ہوا	آدھا کلو
یخنی	چار پیالی
مکئی کا دلیہ	آدھی پیالی
پیاز باریک کتر لیں	ایک عدد
لہسن	آدھا چائے کا چمچہ
ادرک	آدھا چائے کا چمچہ
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
پانی	چار کپ
مسٹرڈ پاؤڈر رائی	ایک چائے کا چمچہ
کوکنگ آئل	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
چلی ساس	حسب ضرورت

ترکیب

گوشت جو آپ ابال چکی ہیں اور اس کی یخنی الگ کرچکی ہیں اس کے ریشے کرلیں کوکنگ آئل کو ساس پین میں گرم کریں اور اس میں باریک کترا ہوا پیاز ملالیں، خیال رکھیں کہ پیاز سرخ نہ ہونے پائے، اب اس میں مکئی کا دلیہ ڈال کر بھونیں ساتھ ہی لہسن، ادرک، سویا ساس، مسٹرڈ پاؤڈر، سرکہ اور نمک ڈال کر یخنی بھی ملادیں اور پکنے دیں، پکتے ہوئے سوپ میں گوشت کے ریشے ڈال کر سوپ کو پیالوں میں انڈیل لیں اور چلی ساس شامل کرکے نوش فرمائیں۔

ویجی ٹیبل گرین سوپ

اشیاء

یخنی	دو کپ
پالک کتری ہوئی	آدھا کپ
کھیرا باریک کٹا ہوا	ایک عدد
سلاد کٹا ہوا	دو عدد
سویا ساس	ایک چائے کا چمچہ
سیاہ مرچ ثابت موٹی کوٹ لیں	چھ عدد
نمک	حسب ذائقہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

تمام سبزیوں کو دو پیالی پانی ڈال کر ابلنے کے لئے رکھ دیں سبزیاں ابل جائیں اور پانی ایک پیالی رہ جائے تو یخنی ملادیں ساتھ ہی ساتھ نمک اور سیاہ مرچ موٹی کٹی ہوئی شامل کردیں آپ کی پسند کے مطابق سوپ گاڑھا ہوجائے تو سویا ساس بھی ملا کر گرم مصالحہ چھڑکیں اور پیش کریں۔

فرانسیسی ویجی ٹیبل سوپ

اشیاء

گاجریں (باریک کٹی ہوئی)	دو عدد
ٹماٹر	آدھا کلو

چکن اسٹاک	چار پیالی
پیاز	دو عدد
ہرا پیاز	ایک عدد
لوبیا سرخ	ایک کپ
لوبیا سفید	ایک کپ
سویاں	ایک کپ
فرانسیسی (پھلیاں)	ایک پیالی کٹی ہوئی
لہسن	چار جوے
نیاز بو کی پتیاں	بارہ عدد
زیتون کا تیل	چار کھانے کے چمچے
پنیر	آدھا کپ چل لیں
نمک، سیاہ مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب

تمام سبزیاں اور دونوں طرح کے لوبیا کو ایک کھلے منہ کی دیگچی میں ڈال کر پانی ملائیں اور پندرہ منٹ تک پکنے دیں پندرہ منٹ بعد چکن اسٹاک (یخنی) نمک سیاہ مرچ پسی ہوئی ملا کر سویاں بھی ڈال دیں اور دھیمی آنچ پر آدھ گھنٹہ تک پکائیں یہاں تک کہ گاڑھا آمیزہ ہونے لگے نیاز بو کی پتیاں اور لہسن کو گرینڈ کریں اس میں زیتون کا آئل ملا کر پیسٹ بنا لیں اور پکتے ہوئے سوپ میں شامل کر دیں، سوپ تیار ہو جائے تو پنیر شامل کر دیں۔

عرابین سوپ

اشیاء

لوبیا سفید ایک گھنٹہ بھگوئیں	سوا پیالی
مغز بادام چھیل کر پیس لیں	ایک پیالی
لہسن پسا ہوا	پانچ جوے
زیتون کا تیل	دو کھانے کے چمچے
ڈبل روٹی	دو سلائس
نمک	حسب ذائقہ
پودینہ	چند پتیاں

سفید زیرہ، کالی مرچ	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

لوبیا کو ابال لیں جب گل جائے چھلنی میں ڈال کر پانی نکال کر رکھ لیں پسے ہوئے باداموں میں پسا ہوا لہسن اچھی طرح ملا دیں لوبیا کے پانی میں زیتون کا تیل ملائیں، لہسن اور بادام والا آمیزہ شامل کر کے خوب پکائیں جب گاڑھا ہونے لگے تو لوبیا، نمک، پسا مصالحہ اور پودینے کے پتے شامل کر کے پیالی میں ڈالیں اور نوش فرمائیں۔

فش کریم سوپ

اشیاء

سفید مچھلی کا گوشت	چوتھائی پونڈ
جھینگا	چوتھائی پونڈ
دودھ	ایک کپ
یخنی	چار کپ
مکئی کا آٹا	ڈیڑھ کھانے کا چمچہ
لیموں کی کترنیں	دو چائے کے چمچے
لیمن جوس	ایک چائے کا چمچہ
سلاد کٹا ہوا	ایک کپ
نمک	حسب ضرورت

ترکیب

مچھلی کو دھو کر صاف کر کے تھوڑے سے پانی میں ابال لیں اور ابلی ہوئی مچھلی کو مسل کر میدہ بنا لیں، یخنی کو ایک ساس پین میں ڈالیں، اس میں لیموں کی کترنیں ڈال کر دو منٹ کے لئے پکائیں یخنی ابل رہی ہو تو اس میں فیونگ ساس، دودھ اور نمک ملا دیں پکتے ہوئے آمیزے کو برابر ہلاتے رہیں پکتے ہوئے آمیزے میں کارن فلور ملا دیں ساتھ ہی کٹا ہوا سلاد اور لیمن جوس ڈال کر مکس کریں اور سوپ کے پیالے میں نکال کر پیش کریں۔

☆☆☆

● فوزیہ شفیق

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں آپ کی سلامتی، عافیت اور خوشیوں کے لئے بے شمار دعائیں۔

وقت تیزی سے ہاتھوں سے پھسلتا جا رہا ہے، ابھی 2012ء کا آغاز ہوا تھا کہ اختتام بھی آ پہنچا، تیزی سے گزرتے وقت میں زیادہ سے زیادہ کام نمٹانے کی خواہش سب کو حواس باختہ کیے ہوئے ہے، الجھا الجھا ذہن ہر وقت بے سکونی اور بے اطمینانی کا شکار رہتا ہے، انسان سارے جتن کوششیں، بھاگ دوڑ آرام و سکون اور خوشی کے حصول کے لئے کرتا تھا، لیکن افسوس ترقی کی انتہاؤں کو چھو کر بھی یہ طے نہیں کر پایا کہ خوشی کا پرندہ کیسے ہاتھ لگتا ہے دولت و اقتدار کی ہوس کروڑوں انسانوں کی زندگی کو عذاب بنا رکھا ہے، کیا ہی اچھا ہو ایسے حالات میں جو ہمارے بس میں ہے وہ ہم کریں، نفسا نفسی کے ان بھاگتے دوڑتے لمحوں میں چند پل نکال کر ایک دوسرے کے دکھ سکھ بانٹیں، زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے لطف اندوز ہونا سیکھیں۔

حوصلہ افزائی کا ایک جملہ تعریف کے دو بول کسی کی زندگی کو یکسر بدل سکتے ہیں زندگی میں سب سے انمول تحفہ، خلوص اور محبت ہے ہم اپنی اور دوسروں کی زندگیوں کو محبت اور خلوص سے ہی بارونق بنا سکتے ہیں، اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا بلکہ جب بھی ہاتھ اٹھائیں پوری امت مسلمہ خصوصاً پاکستان کے لئے دعا کریں کہ ہم آج جس مقام پر کھڑے ہیں وہاں ہمیں دعاؤں کی بے حد ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

آیئے آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں، پہلا خط ہمیں زاہدہ ہاشم نے چیچہ وطنی سے لکھتی ہیں۔

نومبر کی چودہ تاریخ کو اللہ اللہ کر کے حنا کا دیدار ہوا، سب سے پہلے آپی میں یہ بتاؤں کہ میں آٹھویں کلاس میں تھی جب سے حنا پڑھنا شروع کیا آج میری دو سال کی بیٹی ہے اور میں ایک ماں ہوں، پہلے تو کبھی کبھار ہی پڑھتی تھی لیکن پھر 2008ء سے باقاعدگی سے پڑھ رہی ہوں پہلے کے حنا اور آج کے حنا میں زمین آسمان کا فرق ہے، ٹائٹل میں حنا نے حیرت انگیز ترقی کی ہر ماہ ایک سے بڑھ کر ایک ٹائٹل نظر آئے ہیں، اس بار بھی ٹائٹل پسند آیا، سردار انکل سے ''کچھ باتیں ہماریاں'' میں چھوٹی سی ملاقات اچھی لگی، ''پیارے نبی کی پیاری باتیں'' تو ہیں ہی ایمان افروز، اس بار انٹرویو کارنر میں، بلال قطب سے ملاقات بے حد اچھی لگی بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ اس بار خط لکھنے کی وجہ یہ انٹرویو ہے، بلال قطب کی شخصیت ایسی ہے کوئی بھی ان کا ناپسند نہیں کر سکتا اس سے پہلے ان کا انٹرویو کہیں نظر نہیں آیا، اس ملاقات کے لئے ہم کاشف بھائی کے بے حد مشکور ہیں، اگرچہ ملاقات کچھ ادھوری تھی کافی تشنگی محسوس ہوئی اس کے علاوہ مجھے یہ جان کر بے حد حیرت ہوئی کے ان کا آبائی ملک مصر ہے اپنی بول چال سے وہ کہیں سے بھی

پاکستانی نہیں لگتے۔

آگے بڑھے تو ابتدا کے صفحات پر اس مرتبہ فوزیہ غزل کے بجائے اُم مریم نظر آئیں، بہت زبردست تھی اس مرتبہ کی قسط مریم جی میری بہت ساری دعائیں آپ کے لئے اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے، تلاش کرنے کے بعد فوزیہ غزل کی تحریر میں پہنچے، فوزیہ غزل آپ کی تحریر کی تو کیا ہی بات ہے جتنی خوبصورتی سے آپ نے مختلف مذاہب کے بارے میں معلومات دی ایسی معلومات جن کے بارے میں پہلے قطعاً نہیں جانتی تھی یقین کریں کہ میرا دل چاہتا ہے میں کسی طرح آپ کے ذہن میں جھانک لوں اور جان لوں کہ آگے آپ کیا بتانے والی ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو مزید کامیابیوں سے نوازے آمین، مکمل ناول میں اس مرتبہ بہت عرصے بعد صدف اعجاز کی تحریر نظر آئی بے حد پسند آئی، صدف اعجاز کی تحریر کی خوبی ہی یہ ہے کہ وہ بڑے بڑے مسائل کو چھوٹے چھوٹے جملوں میں واضح کرتی ہیں، صدف اب آپ غائب نہ ہوئیے گا دوبارہ، اب بات ہو جائے سندس جبیں کے ناولٹ ''کاسہ دل'' کی بے حد زبردست تحریر ہے سندس بڑے دل سے اس تحریر کو لکھ رہی ہیں، شاہ بخت کا کردار بے حد زبردست ہے ہمیں اعتراض ہے تو اسید اور حیا کے کردار پر، بہن بھائی کا راگ الاپتے یقیناً آگے چل کر کسی اور رشتے میں بدل جائیں، یہی بات ناگوار لگ رہی ہے، فلک ارم کا ناولٹ ہلکی پھلکی کامیڈی میں لکھا گیا اچھی کوشش تھی مصنفہ کی، افسانوں میں مبشرہ ناز اور سمیرا عثمان کے افسانے بے حد پسند آئے عید کے موضوع پر لکھا گیا، سیما انصار کا افسانہ بھی اچھا تھا، مستقل سلسلوں میں ہر سلسلہ اپنی مثال آپ تھا۔

حاصل مطالعہ میں ام رباب اور حمیرا رضا کی پسند بہترین تھی، رنگ حنا سارے کا سارا پسند آیا، حنا کی ڈائری سب سے بہترین انتخاب حیدر رضا، حمیرا رضا اور صائمہ ابراہیم کا انتخاب سب سے زیادہ پسند آیا، حنا کی محفل اور خبر نامہ تو ہوتا ہی مزے کا اور حنا کا دسترخوان اس سے زیادہ مزے کا آخر میں آپ سے ملاقات ہوتی ہے اور کیا خوب ہوتی ہے آپ جتنی تحمل مزاجی سے سب کی بات سنتی ہیں اور محبت بھرے انداز میں جواب دیتی ہیں اس کا کیا ہی کہنا بلکہ اگرچہ کہوں کہ محبت کا یہ دریا سبھی کو سیراب کرتا ہے کسی کو تشنہ نہیں چھوڑتا اللہ آپ کو ہمیشہ یونہی خوش رکھے آمین۔

زاہدہ ہاشم بہت ساری چاہتوں محبتوں کے ساتھ اس محفل میں خوش آمدید آپ حنا کی پرانی قاری ہیں یہ بات ہمارے لئے باعث فخر ہے حنا کو تحریروں کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ، بلال قطب سے ملاقات آپ کی طرح ہمیں بھی مختصر لگی جلد ہی انشاء اللہ تفصیلی ملاقات کریں گے، آپ کی محبتوں کے ہم دل سے ممنون ہے اور یقین مانیں یہ تو محبتوں کا بانٹنا ہم نے آپ سب سے سیکھا ہے ہم آئندہ بھی آپ کی قیمتی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

قرۃ العین رائے: شیخوپورہ سے لکھتی ہیں۔

کافی عرصے بعد آپ سے آدھی ملاقات ہو رہی ہے وجہ محض کچھ مصروف ہونا نہیں بلکہ میری وہ ازلی سستی کی عادت ہے جو اس قدر عزیز ہے کہ اس عادت سے جان چھڑانے کے متعلق کبھی نہیں سوچا لیکن یہ سستی یہ عادت فوراً اڑنچھو ہو گئی جب اس ماہ کا حنا ہاتھ آیا گو آج کل بہت لیٹ موصول ہو رہا ہے اس لئے کسی کہانی پر تبصرہ بھی رہ جاتا ہے، جب تک کہانیاں پڑھ کر ختم کرتی ہوں تب تک ماہ ختم ہو جاتا ہے، خیر لگے ہاتھ شکوہ کرنا با حیثیت قومی عادت ہے اس سے بھی جان نہیں

چھڑائی جا سکتی، بے فکری سے صفحے پلٹتے میں ہمیشہ ''قیامت کے یہ نامے'' جس کے نام سے مجھے اوروں کی طرح اختلاف ہے پڑھتی ہوں آج کل تو اس لئے بھی پڑھ رہی ہوں کہ شاید کسی کو میری غیر موجودگی محسوس ہو رہی ہو کوئی کہہ دے کہ قرۃ العین کی کوئی تحریر آج کل نہیں آ رہی (خوش فہمی کی حد ہے میں کون سی اتنی نامور اور بہترین مصنفہ ہوں جو میری تحریر کا انتظار ہو، اسے ہم خود ترسی بھی کہہ سکتے ہیں یہ بھی ہم قومی عادت کے کھاتے میں ڈال سکتے ہیں)۔

لیکن پھر نظریں کچھ ایسا پڑھتی ہیں کہ ساکت کر ڈالتی ہیں کسی اپنے کے مرنے کی خبر یوں اچانک، وقت جو منہ زور ہے ہمارے احساسات کے ساتھ تھم جاتا ہے میں بھی تھم سی گئی ہوں دل میں بڑی تیزی سے دکھ پھیلنے لگا اور آنکھوں میں نمی اترنے لگی صبا احمد کی خبر پڑھ کر دل کو بے حد افسوس ہوا ہم سب مصنفین ایک مالا میں پروئے موتیوں کی مانند ہیں یہ موتی نہ جانے کہاں کہاں سے لئے جاتے ہیں مگر پروئے ایک ہی لڑی میں ہوتے ہیں ہم سب کا رشتہ ایک دوسرے کے ساتھ ان دیکھا سا ہے مگر ہے ضرور صبا احمد سے تعلق تحریروں کی صورت میں تھا اس کی تحریریں بہت خوب تھیں جیسے اڑتی ہوئیں رنگ برنگی تتلیاں اور اس کی تحریر پڑھتے ہوئے مجھے ہمیشہ یوں محسوس ہوتا کہ ہاتھ بڑھا کر تتلی کو پکڑ لیا ہو اور پھر معلوم ہی نہیں ہوا کہ وہ تتلی فرشتہ اجل ہم سے چھین کر لے گیا بس ہتھیلی پر نازک تتلی کے خوبصورت تحریروں کے رنگ ٹھہرے دیکھ رہی تھی اور اب آپ کے توسط سے یہ معلوم ہوا کہ وہ میری ہم شہر بھی تھی دکھ مزید سوا ہو گیا کیسی عجیب حقیقت ہے وہ میرے آس پاس رہتی تھی اور میں اس سے بے خبر وہ مجھ سے انجان لیکن دونوں ہی ایک دوسرے سے آشنا لکھنے کی صورت میں لکھا اس قدر اہم ہو سکتا ہے میں جانتے ہوئے بھی شاید کبھی جان نہ پائی جاتے جاتے وہ مجھے اس کا بھی ادراک کروا گئی۔

''اے دوست مجھے یقین تم جہاں کہیں پہ بھی ہو اللہ تمہیں بہت پیار سے رکھے گے۔'' یہ پوچھنا بے معنی ہے کہ کیا وجہ ہوئی جو وہ یوں بچھڑ گئی سوائے زخموں کو کریدنے کے، آہ کیا کہوں اور کتنا سب بہت کم اور دلی جذبات کے اظہار کے لئے ناکافی، دعا گو ہوں کہ اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے گھر والوں کو صبر جمیل عطا کریں، یہ خط ایک طرح سے ان کے ساتھ بھی اظہار تعزیت ہے اور آپ سب کے

ساتھ بھی وہ ہم سب کی بھی، اس ماہ کے ڈائجسٹ کے متعلق کوئی بھی رائے دینے سے ابھی قاصر ہوں کہ میں نے ابھی پڑھا نہیں گرم کھانا نگلنا اور جلدی جلدی کہانی پڑھنا مجھے پسند نہیں اس کے لئے پھر کبھی حاضر ہوں گی۔

قرۃ العین کیسی ہیں آپ، آپ کی تحریروں کے بارے میں اکثر لوگ پوچھتے ہیں بس اسے ہماری کوتاہی کہہ لیں کہ صفحات کی کمی کو ہم دور نہیں کر پا رہے تاکہ تمام ساتھیوں کے خطوط شائع کیے جاسکیں، صبا احمد کے بارے میں آپ کے جذبات قابل قدر ہیں سچ جانیے اس کی جو تحریریں ہمارے پاس پڑی ہیں ان کو پڑھنے کا حوصلہ ہم کر نہیں پا رہے خود میں دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے آگے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے آمین۔

مبین افق: چیچہ وطنی سے لکھتی ہیں۔

السلام علیکم آپی! حنا میں ایک بار پھر حاضر ہوں اور یہ دوسری حاضری صرف اور صرف فوزیہ آپی کی محبت ہے، جس طرح آپی آپ نے لاسٹ بار میرے خط کا جواب محبت سے دیا، یقین کریں اتنی خوشی ہوئی آپ کا جواب پڑھ کر کہہ بتا نہیں سکتی، ایک درخواست ہے کہ اس بار میرا خط پورا شامل کیا جائے۔

اب آتے ہیں حنا کی جانب تو حنا بارہ کو ملا، ٹائٹل بہت بہت اچھا لگا، حمد و نعت سے فیض یاب ہوئے، تو کاسئہ دل کی جانب آئے، سندس جبیں آپی بہت بہت اچھی کہانی ہے، نوفل، شاہ بخت، اسید تینوں بہت اہم کردار کر رہے ہیں، اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار ہے، صدف آپی آپ تو ہمیشہ ہی گریٹ لکھتی ہو، ''قافلے منزلوں کی طرف'' بہت بہت اچھی کاوش تھی، سب سے زیادہ اہم بات تھی کہ بشرہ جی مبارک ہو بہت بہت اتنی کامیابیوں پر اور عروسہ وحید پچھلے ماہ آپ نے بھی کمال کر دیا ''موسم جگائے تو نے'' سچ گریٹ سٹوری آپی، اگر جگہ ملی اب کہ بار بھی تو آئندہ تفصیلی خط کے ساتھ حاضر ہوں گی، آپی میں ایک کہانی بھیج رہی ہوں، غلطی یہ کہ بلا اجازت اتنا ڈر لگا یہ قدم اٹھاتے ہوئے کہ کہاں اتنی بڑی بڑی رائٹرز اور کہاں میں، مگر اگر حنا اور فوزیہ آپی کا ساتھ رہا تھا تو امید ہے کہ میں کامیاب رہوں گی، اگلے مہینے میری سالگرہ بھی ہے اور میرا اسٹار بھی آئندہ شمارے میں ہوگا، اگر اس خط کو جگہ مل جائے تو میرا گفٹ مجھے مل جائے گا۔

مبین افق آپ کا خط خاصی تاخیر سے ملا حنا کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کو سالگرہ مبارک ہو آپ کا افسانہ مل گیا ہے قابل اشاعت ہوا تو انشا اللہ ضرور شائع ہوگا آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

نورین شاہد: رحیم یار خان سے لکھتی ہیں۔

میں حنا کا کافی عرصے سے پڑھ رہی ہوں حنا پڑھتے وقت بہت مزہ آتا ہے دل کرتا ہے ختم ہی نہ ہو نومبر کا ٹائٹل زبردست تھا پسند آیا ام مریم اور فوزیہ غزل کے ناول بہت اچھے جا رہے ہیں، کاسہ دل میرا فیورٹ ناولٹ ہے افسانے سارے ہی اچھے تھے، مستقل سلسلے بھی اچھے لگتے ہیں کیا میں دوبارہ بھی شرکت کر سکتی ہوں اللہ حنا کو مزید کامیابیاں عطا فرمائے آمین۔

نورین شاہد اس محفل میں خوش آمدید حنا کو پسند کرنے کا شکریہ لیکن اگر آپ تفصیلی رائے بھیجتی تو ہمیں خوشی ہوتی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

☆☆☆